۷۸۶

اسلام

بیسویں صدی میں

اور

(مسائلِ حاضرہ پر جدید علماء مولانا تقی امینی، مولانا مودودی)

کا

حرفِ آخر

مؤلفہ و مرتبہ

ایم محی الدین لکھنوی بی۔اے۔ایل ایل بی

(جملہ حقوقِ اشاعت محفوظ)

Marfat.com

Marfat.com

۷۸۶

اسلام
بیسویں صدی میں

اور

(مسائل حاضرہ پر جدید علماء مولانا تقی امینی، مولانا مودودی)

کا

حرف آخر

مؤلفہ و مرتبہ

ایم محی الدین لکھنوی بی۔اے۔ایل ایل بی

(جملہ حقوق اشاعت محفوظ)

Marfat.com

۱۰۱۱۳

الناشر

ادارہ اوراق زریں ریلوے روڈ لاہور

فون نمبر ۶۶۲۷۳

تعداد ——— ایک ہزار

مطبع ——— ثنائی پریس سرگودہا

کاتب ——— منور احمد

قیمت ——— چار روپے پچاس پیسے

تاریخ اشاعت ——— نومبر سنہ ۱۹۶۱ء

Marfat.com

DATA ENTERED

۳

۱۹۶۱ء
۱۳۸۱ھ

ترتیب

تعارف ——— ادارہ

پیش لفظ ——— جناب غازی سراج الدین صاحب منیر

- (باب اوّل) **تمہید**

ا۔ اسلام اور خارجی اثرات

ب۔ آیاتِ قرآنی کی غلط تاویلات

(باب دوئم)

- **اسلام اور دیگر مذاہب**
- عیسائیت کی حقیقت
- بائبل اور انجیل مقدس کی تاریخی تبدیلیاں
  (مستند حوالہ جات کے ساتھ)
- تصورِ وحدانیت
- مسئلہ تقدیر و اختیار انسانی
- تصورِ رسالت (اسوۂ حسنہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
  مغربی علماء و مستشرقین کی نظر میں)
- مذہب اسلام اور سائنس
- اسلامی نظامِ حکومت و نظریۂ ریاست

- اسلام کا اقتصادی نظام
- اسلامی نظام عدلیہ
- اسلامی ممالک کی کنفیڈریشن
- مسئلہ مہدی پر مولانا ابوالکلام آزاد کا ایک غیر مطبوعہ خط
(باب سوئم)

اسلامی ریاست میں موجودہ مسائل کا حل

(حرف آخر)

مسائل حاضرہ و موجودہ تقاضوں پر علماء موصوف کا اظہار خیال
(سوال و جواب کی شکل میں)

- مولانا محمد تقی امینی صاحب صدر دارالعلوم معینیہ
درگاہ اجمیر شریف (انڈیا)
- مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی - داعی احیائے دین
لاہور (پاکستان)

Marfat.com

ـــ

میری انتہائے نگارش یہی ہے !

ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں،

اپنی امّی جان کے نام ــــــــــــ !

Marfat.com

اس اشاعت خاص کے ارادہ کو جناب
فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صدر پاکستان کے
ان ایمان افروز الکلامات سے بڑی تحریک و
تقویت ملی جو موصوف نے اپنے متحدہ

عرب جمہوریہ اور سعودی عرب

کے سرکاری دورے پر احیائے اسلام
اور پاکستان میں نظریہ پاکستان کی
بقاء کے سلسلہ میں ارشاد فرمائے
راقم کی یہ پہلی کوشش صدر
موصوف کے اسی نظریہ کی تشریح و
توضیح کے لیے وقف ہے۔

مؤلف

Marfat.com

تعارف

اور

چند مقتدر علماء کے خطوط سے اقتباسات

زیر نظر تصنیف جناب محمد محی الدین صاحب کی نوجوان دانشوری اور دورِ طالب علمی میں دینی جذبہ اور اصلاح کی سچی تڑپ کا مظہر ہے۔ ان کے احساس کا پہلا عملی ثبوت ہے۔ اسی احساس کو عملی جامہ پہنانے کے سلسلہ میں آپ نے جو مسائل حاضرہ پر ایک سوالنامہ پاک و ہند کے بیشتر مقتدر علماء و ہر مکتب فکر کو ارسال کیا۔ انھیں سے چند نے بالکل [illegible] ان کا جواب دے کر اس دور کے الجھاؤں کا جو حل پیش کیا ہے، وہ آج کی بیدار مغزی اور اسلام کے سرمایۂ افکار کے دقیق تحقیقی مطالعہ کی غمازی کرتا ہے۔ لہٰذا ان علماء کے نورانی خیالات اور مؤلف موصوف کے تحقیقی مقالات شائع کرتے وقت ناشر اپنا یہ بھی اولین فرض تصور کرتا ہے کہ وہ مصنف کا بھی مختصر تعارف کرا دے۔

جناب محی الدین صاحب لکھنؤ کے ایک متوسط زمیندار خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ سنہ ۱۹۴۰ء کی پیدائش ہے۔ اور اپنے والدین کے واحد اکلوتے فرزند ہیں۔ بسنِ طفولیت سے ہی چند بزرگ حضرات کی شفقت و عنایات حاصل رہیں۔ بالخصوص آپ پر قبلہ حضرت بہادر شفیع میاں سلسلہ چشتیہ کے مقتدر

Marfat.com

بزرگ کی نظر کرم رہی جن سے آپ کی والدہ ماجدہ بیعت تھیں۔ نہ صرف ابتدائی تعلیم و دینی درس و تدریس آپ کی والدہ ماجدہ نے کی۔ بلکہ اعلیٰ اوصاف کردار پیدا کرنے میں بھی انہوں نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ حسین آباد گورنمنٹ ہائی سکول لکھنؤ سے شروع ہوا۔ لیکن تقسیم کے بعد دہلی قیام کرتے ہوئے ۱۹۴۹ء میں اپنے والدین کے ہمراہ سرگودہا پاکستان تشریف لے آئے۔ کجا لکھنؤ اور کجا سرزمین پنجاب کا یہ خطہ؟ بہر نوع نئے حالات و نئے ماحول میں مقامی گورنمنٹ ہائی سکول میں چھٹی جماعت سے پھر سلسلۂ تعلیم شروع کیا۔ سکول ہذا کے ایک شفیق استاد چودھری سلطان صاحب کی نظرِ التفات سے کلامِ اقبال نے آپ کے دل میں بھی گھر کیا۔ چونکہ استادِ مکرم کو اقبال سے والہانہ عشق تھا اور روزانہ کلامِ اقبال کا درس دیا کرتے تھے۔ لہٰذا بیت بازی وغیرہ میں سکول ہذا سے خاص شہرت حاصل ہوئی۔ بچپن سے ہی چونکہ شرارت پسند تھے۔ اس لیے فطرتاً کبھی باز نہ آتے اور استادِ مکرم کو شرارتیں ایک آنکھ نہ بھاتیں۔ لاکھ سمجھانے بجھانے کے بعد آخر مجبور ہو کر اقبال کے اس شعر سے بیزاری کا اظہار فرما دیا ؂

ممکن ہے کہ ٹل جائے جبل اپنے مقر سے
لیکن کبھی تبدیل جبلت نہیں ہوتی

اقبالؒ کے اشعار سے گو روحانی لگاؤ پیدا ہو چکا تھا لیکن مندرجہ بالا شعر کی صداقت سے انکار کر کے اپنی فطرت خود بدلنے اور اپنا کردار سنوارنے کا عزم صمیم کیا۔ جس میں کامیاب رہے۔ میٹرک

پاس کرنے کے بعد ڈی مونٹ مورنسی کالج سرگودھا سے ۱۹۵۴ء میں زندگی کے ایک نئے باب کی ابتداء کی۔ چونکہ سکول سے ہی مباحثوں و ادبی محفلوں و مجلسوں میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔ کالج میں اس ذوق کو جلا ملی اور آپ نے ادبی تنقیدی محفلوں و دیگر مہموں سے حصّہ لینے کے ساتھ ساتھ دینی اجتماعات میں بھی سرگرمی سے حصّہ لیا اور کالج ہذا کے کئی تنظیمی عہدوں پر ذمّہ دارانہ حیثیت سے اپنی کارکردگی کا ثبوت پیش کیا۔ اس دوران بالخصوص دو شخصیات نے آپ کے کردار پہ گہرا اثر چھوڑا۔ ان میں سے ایک خود جناب ڈاکٹر عابد احمد علی صاحب پرنسپل کالج ھذا (و سابق ایڈیٹر اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام پنجاب یونیورسٹی لاہور) اور میجر امتیاز الحق صاحب (مقیم حال کراچی) ہیں۔ زندگی کا یہی وہ اہم دور ہے جہاں آپ کو اپنا کردار بنانے کے تمام مواقع میسر آئے۔ آخر پولٹیکل سائنس، اسلامیات اور فارسی مضامین میں بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔

اور ۱۹۵۹ء میں ایشیاء کی مشہور و پرانی درسگاہ لا کالج لاہور میں داخلہ لے کر یونیورسٹی کیریر کی ابتدا کی۔ جہاں آپ کی تحمّل مزاجی، بردباری اور صلاحیت کار اور ادبی ذوق رکھنے کی وجہ سے لا کالج کے مجلہ ادبیہ "المیزان" کے معاون ایڈیٹر بنا دیئے گئے۔ زندگی کے نئے اور تعلیمی دور کے اس آخری موڑ پہ لاہور کی ادبی فضا میں آپ کو مختلف بلند پایہ مغربی و شرقی اسکالرز مستشرقین اور مقتدر علماء کرام کو سننے اور ان کی صحبت سے فیضیاب ہونے کا موقع ملتا رہا۔ چونکہ ادبی مطالعہ کے

ساتھ مذہب کی جانب رجحان اور دینی علوم سے وابستگی بچپن سے ہی پیدا ہو چکی تھی اسلیئے کالج اور یونیورسٹی کیریئر میں مطالعہ وسیع کرنے کا موقع میسر آیا کالج میگزین کے لیے بیشتر ادبی و مذہبی مضامین اور مقالات لکھتے رہتے تھے آخر حالاتِ حاضرہ پہ نظر رکھتے ہوئے اور عام مسلمانوں کی معاشی، معاشرتی سیاسی اور مذہبی ناگفتہ بہی بالخصوص اپنے نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کی بے راہروی سے متاثر ہو کر زیرِ نظر کتاب مرتب کرنے کا خیال راسخ شکل اختیار کر گیا اور دورِ طالب علمی ہی میں اسے مرتب کر دیا — ۲۱ سال کی عمر میں ایل ایل بی پاس کر کے سرگودھا کی ضلعی مجلس وکلاء (District Bar) کے سب سے کمسن ممبر بنے۔

چونکہ آپ کا بھی یہی پختہ عقیدہ ہے کہ اسلام، قرآن اور اُسوۂ حسنہ ہی موجودہ بے راہ روی کو دُور کر کے دنیاوی مسائل کا حل پیش کرتا ہے اور اسلام چونکہ بحیثیت مجموعی ایک مکمل انسانی ضابطۂ حیات ہے جو آج بھی دورِ سالقہ کی طرح قابلِ عمل ہے۔ لہٰذا اسی ضابطۂ زندگی کے چند اہم ترین پہلوؤں پر بحث کر کے اسلام کی سربلندی آپ نے اس دور میں بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے علاوہ مسائلِ حاضرہ اور جدید تقاضوں پر اپنی رائے زنی کرنے سے قبل آپ نے یہ بہتر سمجھا کہ ان پہ پاک و ہند کے مقتدر علماءِ ہر مکتبِ فکر کی راہنمائی بھی حاصل کی جاوے تاکہ اُمتِ مسلمہ کے سامنے اُن کے خیالات رکھے جاسکیں کہ وہ کس صورت سے جدید تقاضوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس مقصد کے پیشِ نظر

Marfat.com

جناب محی الدین صاحب نے طویل استفسار ایک سوالنامے کی شکل میں جن علماء کو روانہ کیا اُن میں خاص طور پر مولانا ابوالحسن ندوی ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ مفتی عمیم الاحسان ڈھاکہ مشرقی پاکستان۔ مولانا محمد تقی امینی صاحب اجمیر شریف، مولانا عبدالماجد دریابادی لکھنؤ۔ مولانا سید علی نقی النقوی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ..... مفتی محمد شفیع صاحب کراچی۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب دارالعلوم دیوبند۔ مولانا احتشام الحق تھانوی کراچی۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی اڈیٹر برہان کلکتہ۔ مولانا کفایت حسین صاحب لاہور، مولانا ادریس کاندھلوی صاحب لاہور مولانا داؤد غزنوی صاحب لاہور، غلام احمد پرویز صاحب لاہور اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لاہور، شامل ہیں۔ ان تمام کردہ بالا علماء میں سے جدید تقاضوں کا حل صرف تین علماء ہی پیش کر سکے جنہوں نے اپنا نہایت قیمتی وقت صرف کرکے طویل استفسار کا بالتفصیل حل پیش کیا جو کہ نہ صرف اسلام کے اُردو ذخیرہ افکار میں اضافہ ہے۔ بلکہ موجودہ دور کے مسلم بالخصوص پاکستان کے ترقی پسند خواتین و حضرات کو جن کا نظریہ ہے کہ اسلام آج کے نئے تقاضوں کا حل پیش نہیں کر سکتا۔ اور اسلامی نظام میں معاشی۔ سیاسی اور سماجی ترقی ناممکن ہے اُن کو علماء کا یہ "حرف آخر" ایک لمحہ فکریہ فراہم کرتا ہے۔ اسی استفسار کے سلسلہ میں جن علماء نے اپنے خطوط میں قاضی محمد محی الدین صاحب کی بابت نیک جذبات اور پاکیزہ خیالات اور شفقت آمیز ہمدردانہ رویہ

کا اظہار فرمایا ہے۔ انہیں سے کچھ تاثرات اقتباسات کی شکل میں نقل کئے جاتے ہیں۔ جس سے مصنف و مولف موصوف کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ ان کے جذبات و کردار اور ان کی اولوالعزمی پہ کچھ روشنی پڑتی ہے۔ خاص طور پہ آپ کی تصنیف کے لیے جو پیش لفظ (Foreword) غازی سراج الدین منیر صاحب اعظم گڑھی (مقیم حال لائل پور) نے لکھا ہے وہ بھی ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اصل پیش لفظ انگریزی میں اس کتاب کے انگریزی متن کے لیے روانہ کیا گیا ہے جس کا ترجمہ زیر نظر تصنیف کی زینت ہے۔ غازی صاحب موصوف خود قاضی صاحب موصوف کے مداح ہیں۔ کیونکہ غازی صاحب کا مشن دراصل نوجوان طبقہ کی اصلاح کے لیے سرگرم عمل ہے۔ وہ خود غازی ہیں اور نوجوانوں کو مجاہدین پاکستان کی شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں جو ستاروں پر کمند ڈالیں اور دنیا میں اسلام کی سربلندی کے لیے کوشاں ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف پاکستان کے طلباء کے طبقہ میں مشہور ہیں بلکہ ملک کا پڑھا لکھا سنجیدہ طبقہ اور غیر ملکی سفراء تک آپ کو قدر منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس لیے ادارہ غازی صاحب موصوف کا جہاں شکریہ ادا کرتا ہے، وہاں جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا محمد تقی امینی صاحب کا بھی ممنون ہے جنھوں نے اس تصنیف کے لیے اپنا قیمتی اور عزیز وقت صرف کیا اور جناب محی الدین کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ ادارۂ مؤلف کی کاوش کو سراہتے ہوئے ان کی ترتیب و تالیف شائع کر رہا ہے۔ گو ابھی ان کے قلم میں ناپختگی ہوگی۔ لھٰذا جو

Marfat.com

غلطیاں سہواً رہ گئی ہیں۔ اُمید ہے قارئین کرام انہیں ضرور بکمال شفقت آگاہ فرمائیں گے۔ تاکہ نظرثانی شدہ تصنیف کو مستقل حیثیت حاصل ہو جائے۔

النّاشِر

ادارۂ اوراقِ زرّیں، لاہور

Marfat.com

صدر مرکز تحریک الاسلام المجاہدین
لائل پور

عزیزی محبی فی الاسلام قاضی محی الدین حفظکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم و دعائے خیر

یقین مانیے آپ کا خط میرے لیے ہزار عید اور شب برات کی خوشیوں سے زیادہ مسرت و انبساط کا باعث ہوا ہے۔ خط کا لفافہ دیکھتے ہی آپ کی شکل و صورت مع (Personality) کے میری آنکھوں کے سامنے آگئی۔ گورنمنٹ کالج سرگودھا میں آپ سے کئی بار ملاقات اب تک یاد ہے اور آپ کے سوالات کی بوچھاڑ کا ذکر کئی بار میں نے اپنی تقریروں میں (بغیر آپ کا نام لیے ہوئے) کئی مقامات پر کیا ——— اللہ تعالیٰ آپ کے صدق و خلوص کو قیام و دوام عطا کرے! اور میرا ایسا ساتھی بنائے جس پر میں اور تاریخ فخر کریں ——— آمین ——— صدق و اخلاص کے پیکر انسانوں کی تلاش میں بارہ سال تک میں پاکستان میں مارا مارا پھرتا رہا ہوں۔ آپ پہلے نوجوان ہیں جس نے میری رفاقت پر کمر ہمت باندھی ہے اللہ تعالیٰ آپ کے صدق و خلوص کو بڑھائے اور عزیمت و استقلال عطا کرے۔ آمین ——— ذُوبِدُہ

تفصیلی گفتگو ہو جائے تو انشاء اللہ آپ اسلام و پاکستان کے ایک مفید خادم بن کر رہیں گے ——— میرا بھروسہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہے۔ اور اسی اللہ تعالیٰ نے آپ کو میری طرف رجوع کرایا ہے میرے لیے آپ عطیۂ الٰہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ایمان کے ساتھ ایک کامیاب مفید زندگی اور عمر دراز عطا کرے۔ آمین

——— قبلہ خان[1] صاحب کو آپ کا خط دکھلا دیا تھا۔ پڑھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد اسے دو بار اور پڑھا۔ دوسرے ایک دوست بیٹھے ہوئے تھے انہیں بھی پڑھایا۔ اور فرمایا کہ "اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ مغربی تعلیم یافتہ طبقہ سے بھی اسلام کے لیے ہیرے اور جواہرات ملیں گے"۔ خان صاحب نہایت مخلص و صادق انسان ہیں اور اسلام کے فدائی، شیدائی، آپ کی طرح وہ بھی علماء و پیروں[2] سے مایوس تھے۔ پھر بھی وہ اچھے علماء کی برابر خدمت و امداد فرماتے رہے ———

——— اور آپ کے دینی ذوق و شوق سے بے حد خوش ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس جذبے خیر کو اور ترقی دے۔ آمین ———
لیکن واضح رہے کہ ہمارا دین اسلام دنیا و آخرت دونوں کے لیے ہے۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دینِ اسلام کی خاطر

---

[1] خان احمد اسلام خان صاحب آفیسرز کالونی لائل پور

[2] علماء و پیروں سے مراد وہ حضرات جو اسلام کی خدمت کی بجائے خود غرضی سے اسلام اور مسلمانوں کے ضعف کا باعث ہیں۔

Marfat.com

دنیا پہ غلبہ بھی حاصل کریں۔ دین بھی اللہ تعالیٰ کا ہے اور دنیا بھی اللہ تعالےٰ کی ہے اور دونوں ہم انسانوں کے لیے ہیں ——————

—————— میری مخلصانہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو پابند صوم صلوٰۃ بنا دے اور آپ کے کردار کو اور چمکا دے۔ آمین

افسوس ہے کہ آپ کا قیام مختصر رہا اور گفتگو تفصیلی نہ ہو سکی مسلمانوں کے زوال کے اسباب میں سے ایک تو وہی بات ہے جو آپ نے پہلے خط میں تحریر فرمائی تھی۔ کہ ہمارے علماء اور پیروں نے اسلام کو مسجدوں اور خانقاہوں میں محصور کر رکھا ہے یہ بھی ہماری غلطی ہے کہ ہم نے دین کو دنیا سے اور دنیا کو دین سے جدا کر رکھا ہے۔ زمانہ یعنی Time کے متعلق صحیح سوجھ بوجھ نہ ہونے کے باعث ہم نے سلف پرستی اور ماضی پرستی شروع کر رکھی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ماضی، حال، مستقبل یعنی پورے زمان کا خالق و مالک ہے Time کی Continuity یعنی تسلسل کا تصور سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا ہے۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصۂ جدید و قدیم

دنیا اور دولت کی محبت ہمارے دلوں میں اس قدر گھر کر گئی ہے کہ توحید و رسالت پر ہمارا عقیدہ بالکل سطحی اور رسمی بن کر رہ گیا ہے۔ دولت زندگی کا مقصد نہیں بلکہ خدمت انسانیت کا ذریعہ ہے

Marfat.com

مسلمانوں کو جان و مال نہیں بلکہ اللہ و رسولؐ پیارا ہونا چاہیئے۔ اسی طرح نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ وغیرہ مقصدِ اسلام نہیں، بلکہ اعلیٰ انسانی اخلاق و روحانیت تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔ شعائرِ اسلامی end نہیں بلکہ means ہیں۔ اعلیٰ انسانی کردار کے حصول کے لیئے۔ مختصر یہ کہ اسلام کا مقصد کائنات کی تمام چیزوں کو مسخّر کر کے اللہ و رسولؐ کے بتائے ہوئے راستوں میں انسانی عظمت و سربلندی کے لیئے استعمال کرنا ہے۔ اقبالؔ نے اسی بات کو یوں کہا ہے :۔ ؎

ہر کہ او را قوّتِ تخلیق نیست
پیشِ ما جز کافر و زندیق نیست

اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی سے نہ ڈرتے ہوئے ہمیں ہمیشہ سچ بولنا چاہیئے۔ اور امانت و دیانت کی زندگی گذارنی چاہیئے۔ پاکستان کا قیام مسلمانوں کے لیئے باعثِ رحمت بنے۔ ہمیں پاکستان کو مضبوط بنانا چاہیئے تاکہ ہم یہاں سے ساری دنیا میں اسلام پھیلا سکیں ——

——— ہم اپنا روحانی ورثہ بھی کھو بیٹھے ہیں اور مادی ترقی میں ہم روس و امریکہ سے تین صدی پیچھے ہیں۔ افسوس ہے کہ ؎

"قومی بہ جد و جہد گرفتند وصال دوست
قومی دگر حوالہ بہ تقدیر می کنند"

سب سے بڑا کام میرے سامنے یہ ہے کہ میں اپنی اور غیروں کو یہ

Marfat.com

یقین دلاؤں کہ اللہ تعالیٰ کا وجود ایک حقیقت اور یہ کہ وہ "اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" ہے۔ بندوں کو ایک حد تک (Free will) حاصل ہونے کے باوجود آخری فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔

دوسرا کام یہ ہے کہ ہم دنیا کو یقین دلائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر چلے بغیر بنی نوع انسان کی نجات ناممکن ہے ——

——— اللہ تعالیٰ آپ کو ایمان اور علم و عمل کی دولت سے مالا مال کرے۔

آمین

والسلام

مخلص:-

غازی سراج الدین منیر
لائل پور

Marfat.com

طلوعِ اسلام
قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر
مورخہ ، جنوری سنہ ۶۱ء

مخترمی! السلام علیکم

آپ کا خط مجھے مل گیا تھا۔ یہ معلوم کرکے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ کا سٹڈی سرکل کمیونزم ، لادینی اور تہذیبِ فرنگ کے طوفان کو روکنے کے لیے اپنی بساط بھر کوشش کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ نوجوانوں کے عزائم میں برکت عطا فرمائے۔ ہماری نسل میں آپ جیسے نوجوانوں کی موجودگی ہمیں مستقبل کی طرف سے مایوس نہیں ہونے دیتی۔

آپ کا یہ منصوبہ بھی قابلِ ستائش ہے کہ اس قسم کی تصنیف ہونی چاہیئے جس سے مغربی مستشرقین کے اسلام کے خلاف اعتراضات کے اطمینان بخش جوابات دیئے گئے ہوں اور یہ کہ اس کی اشاعت عام کی جائے۔

والسلام

پرویز

"صدق جدید" دریاباد ضلع بارہ بنکی
یو۔پی۔ انڈیا

۲ر نومبر ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

عزیزم مکرم! وعلیکم السلام

طویل مکتوب، اور اس سے بھی کہیں بڑھ کر طویل و عریض منشور manifest موصول ہوا۔ پورا پڑھنے کے لیے مستقل وقت لگانا پڑا۔ جزاک اللہ۔

لیکن اگر آپ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس طرح کی کوئی جامع بڑی فاضلانہ کتاب یا انسائیکلوپیڈیا، چند گھنٹوں، چند دنوں یا چند ہفتوں میں قلم برداشتہ لکھی جا سکتی ہے تو یہ خیال تمام تر خام ہے۔ اس کے لکھنے کے لیے پورا وقت دینے اور تلاش، تحقیق، تدوین، اگر برسوں نہیں تو مہینوں تو بہرحال دینے کی ضرورت ہے۔

اپنی اُردو تفسیر پر جو کہ مفصل نظرِ ثانی کر رہا ہوں امید ہے کہ ان میں سے متعدد سوالات پر ان شاء اللہ کچھ نہ کچھ روشنی پڑتی جائے گی۔ لیکن ظاہر ہے کہ وہ محض ضمنی یا اجمالی ہوگی تفصیلی تحقیقی جواب کیلئے کسی اور صاحبِ قلم کو آمادہ کیجئے۔ شرعی یا کسی حد تک معلوماتی امداد میں کچھ خدمت کر سکتا ہوں۔ اس سے زیادہ کا نہ اہل ہوں نہ وقت رکھتا ہوں۔

دعاگو:۔ عبدالماجد
دریاباد ضلع بارہ بنکی

Marfat.com

بسم اللہ

۱۸ دسمبر ۱۹۶۰ء

محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

لفافہ پہنچا۔ یاد فرمائی کا شکریہ

بڑی مسرت ہوئی کہ مسلم معاشرہ میں آپ جیسے حساس دل و بیدار مغز دماغ افراد پیدا ہو رہے ہیں۔ جن سے بڑی توقعات وابستہ ہیں اور مستقبل قریب میں آپ ہی جیسے حضرات سیادت اور قیادت کے اہل قرار پائیں گے۔

بالخصوص آپ کے مضمون[1] کو پڑھ کر خوش آیند مستقبل کی بشارت دینے کو جی چاہتا ہے۔

اللھم زد فزد

والسلام

محمد تقی امینی

دارالعلوم معینیہ درگاہ شریف

اجمیر

---

[1] "اقبال کا اسلامی نظریہ ریاست سیاست": المیزان" مجلہ ادبیہ پنجاب یونیورسٹی لا کالج لاہور

۷۸۶

ابتداء اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم والا ہے

پیش لفظ

اسلام سے متعلق اس دلچسپ اور مفید عام کتاب کا "پیش لفظ" لکھنے میں مجھے بڑی خوشی محسوس ہوتی ہے جو میرے عزیز قاضی۔ ایم محی الدین صاحب لکھنوی نے تالیف کی ہے۔ میں ان کو گذشتہ چار سال سے جانتا ہوں اور وہ ایک ذہین اور محنتی انسان ہیں۔ گو میں وقت کی کمی کے باعث کتاب ہذا کا مسودہ تو نہیں پڑھ سکا۔ لیکن وہ چونکہ ایک راسخ العقیدہ اور پرخلوص مسلمان ہیں۔ لہٰذا میں خیال کرتا ہوں کہ انہوں نے کتاب ہذا میں کوئی ایسی چیز پیش نہیں کی ہوگی۔ جو قرآن مجید اور سنت رسولؐ کے مطابق نہ ہو۔ لیکن یہ بات بھی نظر انداز نہیں کیجا سکتی۔ کہ وہ ایک انسان ہیں اور بحیثیت ایک انسان کے اُن سے بھی سہو اور غلطی سرزد ہونیکا احتمال ہے۔

"اسلامؐ دین الٰہیہ کے نزول کے سلسلہ میں آخری مکمل دین اور جامع ضابطۂ حیات ہے جسے حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ رسول کریمؐ نے اپنے اقوال کو مکمل طور پر عملی جامہ پہنا کر خود اس کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ جو شخص رسول کریمؐ کی سیرت سے ناواقف

Marfat.com

ہے وہ اسلام کو نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن جو کوئی بھی اُن کی سیرت کا گہرا مطالعہ کریگا وہ قرآن اور اسلام دونوں کو اچھی طرح سمجھنے کی اہلیت حاصل کر لیگا۔ مختصراً یوں سمجھئے کہ رسول کریمؐ کی ذاتِ گرامی عملی طور پر اسلام کا ایک جیتا جاگتا اور مکمل نمونہ ہے۔ اسلام حقیقت میں ایک دینِ فطرت ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوعِ انسان کی رہنمائی اور بہتری کے لیے اس دنیا میں ایک لاثانی دستور العمل پیش کیا تاکہ انسان اس کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں برتیں اور انسانیت کا وہ نمونہ پیش کر سکیں جس کا اشارہ خود انسان کی تخلیق کے فلسفہ میں بھی موجود ہے۔ اسلام صرف ظاہری رسم و رواج کا نام نہیں بلکہ اس کے اندر ایک عملی روح پوشیدہ ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج یہ سب ارکان انسان کو روحانی اور اخلاقی بلندیوں اور برتری پر پہنچانے کا زینہ ہیں اور ان ارکان کی پابندی کی بدولت اسلام کے ذریعہ مسلمان انسانیت سے زیادہ قریب ہو جاتے ہیں۔ جب ہم کسی کی وفات کی خبر سنتے ہیں۔ تو ہم فوراً کہتے ہیں "اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون"۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے اور اسی کی طرف لوٹتی ہے، اور صرف اسی ایک جملہ سے انسان کی زندگی کی حقیقت اور اس کی اصلیت کے راز سے واقف ہو جاتے ہیں۔ دہریوں کی طرح ہم مسلمان اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ نہ ہم کہیں سے آئے ہیں اور نہ ہم بعد مرنے کے کہیں جائیں گے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ خیال رکھتے ہیں کہ وہ خالق کل ہے جو قادر مطلق بھی ہے اور جو سمک سے لیکر لامکاں تک اور اس سے بھی کہیں آگے

ہر چیز کا مالک ہے اور قدرتِ کاملہ رکھتا ہے۔ قرآن مجید میں بار بار بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قدرتِ تمام رکھتا ہے اور وہ مالکِ کل بھی ہے۔ انسانی جسم میں رُوح اور اس کے علاوہ عقل انسان کو اشرف المخلوقات بناتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ فرشتوں کو حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس طرح اس کے لیے یہ اعزاز کافی ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ قرآن مجید میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ خالق نے مخلوق کو ایک خاص منصوبہ کے تحت پیدا کیا ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ہم اس عملِ تخلیق کو ایک سرسری نظر سے نہ دیکھیں اور نہ ہی آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کو۔ "کیا ہم نے زمین اور آسمانوں کے درمیان جو حرکت پذیر ہے۔ پیدا نہیں کیا"۔ (۲۱ : ۱۶)

انسان کی پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے قادرِ مطلق اور خالقِ کل کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین کرنے کی کوشش کرے کہ اللہ کی مخلوق میں اس کا درجہ اور مرتبہ کیا ہے؟ یہ ہمارا فرضِ منصبی ہے کہ ہم اس دُنیا میں ہر چیز کو پرکھنے اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ اور نیز اس کا صحیح استعمال اور مقام تلاش کریں۔ کیونکہ مکھیوں اور مچھروں کو پیدائش کے پس پشت بھی ایک مقصد کارفرما ہے۔ اسی طرح اسلام "ترکِ دُنیا" کو منع کرتا ہے۔ یعنی وہ "تارک الدنیا" ہونیکا حکم انسان کو نہیں دیتا۔ کیونکہ ہم مسلمانوں کو خدا کی کائنات میں

Marfat.com

ایک بہت بڑا اور اہم کام سرانجام دینا ہے۔

لیکن ہم مسلمانوں کی پیدائش کا جو مقصد ہے۔ ہم نے اُسے سر بھلا دیا ہے میں نے مبلغ اسلام کی حیثیت سے جگہ جگہ کا سفر کیا ہے۔ اور ہر طرح اور ہر خیال کے لوگوں سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام کا حکم اولین کیا ہے۔ یقین کیجئے کہ ان لوگوں میں سے جن سے میں نے اس سوال کے متعلق استفسار کیا۔ کوئی بھی اس کا جواب نہ دے سکا۔ اب تک میں نے پاکستان میں لاکھوں مسلمانوں کو اس امر سے آگاہ کیا ہے کہ قرآن مجید میں پہلا حکم جو مسلمانوں کو دیا گیا ہے وہ سورۃ "العلق" کی پہلی پانچ آیتوں میں موجود ہے:

"پڑھو خدا کے نام سے جو پیدا کرنے والا ہے اور جس نے پیدا کیا انسان کو ایک قطرہ سے اور پڑھ کہ تیرا خدا بڑا کریم ہے جس نے قلم سے لکھنا سکھایا اور اس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔" ۹۶:۱-۵

ہر مسلمان مرد اور عورت کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے متعلق ہر قسم کی معلومات اور واقفیت بہم پہنچائے ہر علم کا مبداء اللہ تعالیٰ ہے، کیونکہ

Marfat.com

صرف اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔ اللہ تعالےٰ کس حسن و خوبی سے کون و مکان اور ارض و سماء کی تخلیق اور دُنیا میں زندگی کے آثار کے بارے میں بیان فرماتا ہے۔

"کیا وہ جو کہ یقین نہیں رکھتے جانتے ہیں کہ ارض و سما ایک تھے ہم نے اُن کو جُدا کیا اور ہم ہی نے ہر جاندار شے پانی سے بنائی۔ کیا وہ پھر بھی یقین نہیں کریں گے"

۲۱ : ۳۰

قرآن پاک کلام اللہ ہے۔ اور تمام مخلوق اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ روئے زمین پر اللہ تعالےٰ کے ارشاد اور احکام میں کیسے فرق ہو سکتا ہے۔ جبکہ حکم (کلام) بھی اس کا ہے اور حاکم بھی وہی ہے۔ ہم آج اسلام شناسی سے اس قدر دُور ہو گئے ہیں اور ہمارا خیال ہوتا ہے کہ سائنس شاید کوئی شیطانی کارنامہ ہے۔ جب میں مسلمانوں سے پوچھتا ہوں، کیا شیطان نے کوئی چیز پیدا کی ہے؟ تو فوراً جواب ملتا ہے۔ نہیں! ہرگز نہیں!! لیکن اس کے باوجود وہ

Marfat.com

سائنس کو بُرا سمجھتے ہیں اور اسے نظر حقارت سے دیکھتے ہیں۔ ہر مسلمان کو اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھنا چاہیئے کہ سائنس بھی ایک علم ہے اور بعض اشیاء ان کے خواص ان کی ہیئت مجموعی اور ان کے استعمال وغیرہ کا اجتماعی نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے دنیا میں پیدا کی ہیں۔

کوئی شخص آگ کو بُرا نہیں کہتا جو اچھے اور بُرے دونوں مقاصد کے لیے کام آتی ہے۔ جب ہم ایک چیز کو اچھائی کے لیے یعنی تعمیری مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں تو ہم احکام خداوندی کو بروئے کار لاتے ہیں اور اگر ہم اس چیز کو ایک غلط طریقہ سے اور تخریبی مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں تو ہماری فطرت شیطانی طاقتوں کو بروئے کار لانے میں صرف ہوتی ہے اس لیئے سائنس کے انکشافات اور ایجادات میں کوئی خرابی یا بُرائی مضمر نہیں ہے بلکہ وہ بُرائی یا خرابی ہماری ہی ذہنی خلش ہے جب ہم کسی چیز کو کسی تخریبی مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہونے کی وجہ سے ہم کو چاہیئے کہ ہم اس کی تخلیقات کو مفید اور کارآمد مقاصد کے لیے استعمال کریں۔

"وقت" (زمان) ہمارے لیے کوئی اجنبی چیز نہیں وہ انسان اور غیر انسانی اجسام کا ایک جُزو ہے۔ دن و رات کا ہونا اسی پہ ہی منحصر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہے جو سورج چاند اور زمین وغیرہ کی حرکات سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ ہم کو چاہیئے کہ ہم قرآن کی مندرجہ ذیل آیات کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں۔ "زمینوں اور آسمانوں کا اصلی فرمانروا اور بادشاہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور وہی قادرِ مطلق ہے۔ ارض و سما کی تخلیق اور دن و رات کا ظہور اس کی قدرتِ کاملہ کی علامتیں ہیں کیونکہ ذی فہم اور سمجھدار لوگ جو اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتے ہیں وہ کھڑے بیٹھے یعنی ہر حالت میں آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کے متعلق غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے پروردگار تو نے یہ چیزیں بے کار نہیں بنائیں۔ سب بزرگی عظمت اور کبریائی صرف تیری ذات پاک کے لیے مناسب اور موزوں ہے اور تو ہمیں بربادی کی آگ سے بچا۔" (۳: ۱۸۹-۱۹۱)

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہم انسان اس کی کل مخلوق پر حکومت کریں اور اس آیت سے فضیلت انسانی صاف اور نمایاں طور پہ ظاہر ہوتی ہے یہ تنبیہ اور آگاہی کے واسطے ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی باتوں پہ یقین نہیں کرتے اُن کے لیے تباہی اور بربادی ہے اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے جہاز بنائے اور ان کو سمندروں پہ چلایا

Marfat.com

اور تم اس کی عنایات اور برکات کے طلبگار رہو اور تم کو اس کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ اس نے تمہارے واسطے بے شمار اور بے حساب نعمتوں کو جائز کیا۔ اور جو کچھ اس دنیا دما فیہا میں ہے وہ سب اسی کا ہے اور اس سے ہی ہے اور یہ سوچنے والوں کے لیے محلِّ غور و فکر ہے۔ (۱۲۱-۱۱ : ۷۷×)

ہمارے لیے رسول کریمؐ کے معراج کی بڑی اہمیت ہے انہوں نے معراج کے سفر اور اس آمدورفت کے سلسلہ میں زمان و مکان کی حقیقت سے ہمیں آگاہ کیا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ "مقامِ معراج" اور عرش معلیٰ (رب العلیٰ) تک وہ اتنے قلیل عرصہ میں پہنچے کہ جب وہ واپس تشریف لائے تو

۱۔ اُن کے مکان کے دروازے کی زنجیر تک ہل رہی تھی

۲۔ اُن کا بسترِ استراحت ہنوز گرم تھا۔

۳۔ ان کے وضو کا پانی ہنوز بہہ رہا تھا ——— اور یہ اس لئے کہ آپ کی سواری یعنی براق کی رفتار اتنی زیادہ تیز تھی کہ براق کے ایک قدم کا فاصلہ حدِ نظر سے زیادہ تھا۔ کچھ مسلمان علماء نے نظریہ اضافیت کو اسی سبب سے دنیا کے سامنے پیش کیا نہ کہ البرٹ آئن سٹائن نے۔ مادی دنیا کو نہ تو نگاہِ حقارت سے دیکھنا چاہیئے۔ اور نہ ٹھکرانا چاہیئے کیونکہ یہ تمام عالم کی تخلیق کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ ہم کو اس دنیا میں اپنی جگہ اور اپنا مقام قرآن اور سنت رسولؐ کی روشنی میں تلاش کرنا چاہیئے اور تمام دنیا کے مقابلہ میں اس کو حاصل کر کے اپنی فوقیت اور برتری

کا ثبوت فراہم کرنا چاہیئے اور زندہ رہنا چاہیئے۔ کیونکہ ہم سب اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور اس کی ہی طرف جانا ہے۔

میں قاضی محی الدین صاحب کی تالیف" اسلام بیسویں صدی میں" کا بڑا معترف اور مدّاح ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس کتاب کے پڑھنے والے بھی اسلام کے اصلی سرچشمے سے یعنی قرآن حکیم اور سیرتِ رسولِ کریم ؐ کے عمیق مطالعہ سے اچھی طرح اپنی پیاس بجھائیں گے ہمارا مقصد بنی نوع انسان کی رہنمائی کرنا ہے اور اُن کی خوشی اور بہبودی میں اضافہ کرنا ہے۔ موجودہ دنیا میں اسلام کو ایک بہت زبردست روحانی اور اخلاقی کردار ادا کرنا ہے۔ ہم لوگ جو مسلمان ہیں انہیں چاہیئے کہ وہ پھر ایک دفعہ متحد ہو کر ذات پات کے جھگڑوں کو مٹائیں۔ کیونکہ تمام انسان حضرت آدم اور حضرت حوّا کی اولاد ہیں۔

اب جبکہ مغربی تہذیب کا دیوالہ نکل چکا ہے اور مستقبل قریب میں وہ فنا و برباد ہونے والی ہے۔ تو پھر دنیا کی پیشوائی اور رہنمائی کا کام مسلمانوں کو اپنے ہاتھ میں لینا ہے یہاں پہ ایک نکتہ مزید قابلِ غور ہے۔ اسلام خدائے باقی اور غیر فانی کی طرف سے بنی نوع انسان کے لیے ایک تحفہ ہے۔ اس لیے اسلام کو کبھی فنا نہیں ہے۔ ہم اسلام کو اب تک ایک محدود قسم کا مذہب سمجھتے ہیں اور بدلتے ہوئے حالات میں بھی بعض اہم اور ضروری تبدیلیوں کو بھی جگہ دی

جائزہ خیال نہیں کرتے۔ میں یہ بات بخوبی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میں محض اسلام کے نام یا چند اور دور افکار باتوں کی تبدیلی کا حامی نہیں ہوں۔ لیکن میں اس بات کا بڑا حامی ہوں کہ بدلتی ہوئی دنیا کے تقاضوں کے ساتھ ہمیں بھی چلنا چاہیئے۔ بشرطیکہ وہ راہِ راست ہو۔ ماضی ہمارے لیے ایک اچھا رہنما ثابت ہو سکتا ہے جبکہ ہم اپنے حال اور مستقبل کو حالات اور زمانے کے مطابق ٹھیک طور پہ ڈھالیں۔

کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اسلام میں مزید تحقیق کی ضرورت ہے، میں ایسے مفکروں سے مؤدبانہ طور پر معافی کا خواستگار ہوں۔ اسلام کو نہ صرف زمانہ حال کے تقاضوں کے مطابق بغیر کسی خاص بنیادی تغیر و تبدل کے اختیار کریں۔ بلکہ ہم یہ بھی دیکھنا چاہتے ہیں کہ لوگ عملی طور پہ اسلام سے مستفید اور مستفیض ہوں نہ کہ صرف "اسلام" کتابوں میں اور لوگوں کی زبانوں پر ہو۔ ہم عمل کے مسلمان بنیں اور خالی باتوں کے دھنی نہ بنیں۔ احساس کمتری جو ہم میں بدرجہ اتم موجود ہے اس کو یک لخت ترک کرنا چاہیئے کیونکہ ہم خدا کے بندے اور رسول کریمؐ کے غلام ہونیکے شرف سے بہترین انسان ہیں۔ نہیں بلکہ اگر ہم حقیقت میں

Marfat.com

مسلمان ہوں تو اللہ تعالےٰ کے منتخب اور برگزیدہ بندے ہیں۔

میں ایک بار پھر قاضی ایم محی الدّین صاحب لکھنوی کی کوششوں کو سراہنا چاہتا ہوں تاکہ ہماری نسل کی نئی پود دینِ اسلام سے زیادہ رغبت اور دلچسپی پیدا کر سکے۔ اور اس کے زریں اصولوں پر چل کر اپنی زندگی کو اس دنیا اور اس کے بعد بھی کامیاب بنا سکیں۔

غازی سراج الدّین منیر اعظم گڑھی

صدر تحریک اسلام والمجاھدین پاکستان

لائل پور، مغربی پاکستان

۷ اگست ۱۹۶۱ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

باب اوّل

اسلام اور خارجی اثرات

"اسلام نے انسانیت کے سامنے ایک مکمل ضابطۂ حیات پیش کر کے خطۂ عرب
پس ماندہ قوم کو ایک اعلیٰ کردار کے سانچے میں اُمتِ مسلمہ کے نام سے ڈھالنے
جو سعی کی اُس کے نتائج میں اقوامِ غیر اور قیصر و کسریٰ کی نامور سلطنتیں زیر
ں ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئیں۔ یہ فتوحات شمشیر سے کہیں زیادہ اخلاق اور
حانی قدروں اور مسلمانوں کے اعلیٰ اوصاف و کردار کی مرہونِ منت ہیں کیونکہ
لام کی سیلانی حالت کے مقابلہ میں، بودے عقائد فرسودہ نظام اور تحریف شدہ

مذاہب کے علمبردار خس وخاشاک کی طرح بہ گئے۔ ایک فاتح قوم کی حیثیت سے مسلمانوں نے مفتوح اقوام سے سلوک و برتاؤ پر انسانی قدروں کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اگر وہ غیر مذاہب کے افراد کو مذہبی و شہری آزادی دینے یا اُن کے مال وجان کی حفاظت کرنے سے قاصر رہتے تو اُن سے وصول کیا ہوا جزیہ تک واپس کر دیا جاتا۔ بیرونی یلغار سے ان اقلیتی فرقوں کو بچانے کے لئے فقط مسلمان ہی سینہ سپر ہو کر جان کی بازی لگا دیتے تھے۔ آج کی مہذب تعلیمیافتہ و ترقی یافتہ قوم جس نے ایٹم بم جیسی طاقت ہاتھ آجانے پر ہیروشیما و ناگاساکی پر گرا کر تین لاکھ افراد کو موت کی نیند سلا کر آئندہ نسلوں تک کو تباہ کرنے سے گریز نہ کیا کے مقابلہ میں وہ عرب جو کہ بربری اور جاہل قوم کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ اسلامی جھنڈے تلے فتح مکہ کے وقت اپنے ان دشمنوں، جنہوں نے دس سال قبل انہیں جلاوطن کر کے ہر قسم کے ظلم و استبداد و آلام و مصائب کا نشانہ بنایا تھا۔ کو خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر نہ صرف معاف کر دیا بلکہ اسلام کے دشمن عظیم ابوسفیان کے گھر کو "دارالامن" بنا دیا۔ اپنے دور فتوحات کے وقت کسی مفتوحہ قوم کے بوڑھوں، لاچار و اپاہج خواتین و بچوں پر ظلم و تشدد کا ہاتھ نہ اٹھایا۔ انہوں نے ان کی فصلیں اور ہری بھری کھیتیاں نہ جلائیں۔ یہ کردار اس مذہب کے پیروکاروں کا تھا جس نے غلام و آقا کو ہم رتبہ کر دیا مقتول اور قرض داروں کو معاف کر دیا اُس نے عورت کو معاشرہ میں ایک باعزت مقام عطا کیا جس نے انسان کو انسانیت کی معراج عطا کی، جس نے ایک ضابطۂ حیات دے کر انہیں صراطِ مستقیم پر گامزن کیا جس نے اعزہ و اقربا، شان و شکوہ، مال و دولت پر اسلام کو ترجیح دینا سکھایا۔ لیکن آج حق و انصاف کی داعی اعلیٰ کردار کی حامل "امتِ مسلمہ" کی ناکامی کی آخر وجہ؟ آج کیوں مسلمان اپنے اسلاف کے کردار کو فراموش کر کے ذلت و تاریکی کی اتاہ گہرائیوں میں

Marfat.com

بھٹکا ہوا مغلوب اقوامِ مغرب ہے؟

مسلمانوں کے زوال کی ابتداء اُس وقت سے ہوتی ہے جب اسلامی نظامِ خلافت" کی جگہ "نظامِ ملوکیت" لے لیتی ہے اور اس طرح مسلمانوں سے "آئین" کا چھن جانا اُن کے انحطاط کا باعث بنا۔ اس دورِ ملوکیت کی فتوحات میں کردار کی جگہ شمشیر سے کام لیا گیا اور اس طرح دور دراز علاقوں کے مکیں یا غیر مذاہب کے افراد کو مفتوح کر کے ایک طرف تو اسلام پیش کیا جاتا لیکن اُس کے سودے میں اُن کا کلچر اُن کی رسومات اور ان کی تہذیب خریدی جاتی۔ یہی خارجی اثرات آگے چل کر اسلام کے ضعف اور مسلمانوں کی ذلت پشیمانی اور خود فریبی کی بنیاد ڈالتے ہیں۔ اس طرح اسلام میں جب ایک نیا عنصر ملنا شروع ہوا تو اختتامِ خلافت کے چند ہی سال بعد اُس نظامِ یاتی تضاد اور بدعتی ماحول میں "یزیدیت" پرورش پاتی ہے۔ جس کے دور رس نتائج صرف نگاہِ حق اور چشمِ بصیرت ہی بھانپ سکتی تھی۔ پس رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے بعد اسلام جس کس مپرسی کی حالت کا شکار ہو رہا تھا اُسے اس سے بچانے کیلئے ایک عظیم قربانی ناگریز تھی ——— اِس طرح اِس قربانی کے لئے وہ خون کام میں لایا گیا جس کی آبیاری دورِ نبوت میں رسولِ خدا صلعم کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ لہٰذا اُن خارجی نظریات کے خلاف اسلام کی حمائت میں آوازِ حق کس مقصد کے تحت بلند کی گئی؟ ——— کیا مذہبی عقائد یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ میں فرق آگیا تھا جس کیلئے اہل بیت کے ایک ایک فرد کو جان نثار کرنی پڑی؟ ——— کیا رسولؐ کے نواسوں کو ذاتی شان و شکوہ اور حکومت کا لالچ تھا جس کے لئے اُس ماحول کے خلاف آوازِ حق بلند کی؟ ——— نہیں! ——— بلکہ یہ آوازِ حق اسلامی آئین کے بدل جانے کے خلاف تھی آپ غلبہ اسلام میں نئے عنصر کا میکسچر دیکھنا کس طرح گوارا کر سکتے

Marfat.com

تھے۔ آپ نے یہ بھانپ لیا تھا کہ جس قوم کا بنیادی آئین تبدیل ہو جائے وہ قوم اپنے اصل مذہب، تمدن اور اعلیٰ اوصاف کردار سے محروم ہو جاتی ہے۔ اور یہی فلسفہ شہادت ہے۔ کیونکہ ہمیشہ قربانی کے بعد ہی نظریات کو جلا ملتی ہے۔

"اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد"

ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ مسلمان اُس وقت غور کرتے کہ اسلام کیا تھا اور کہاں پہنچا دیا گیا۔ غیر اسلامی خارجی عناصر کو پھونک دیا جاتا اور اپنی قوت کردار سے پرچم اسلامی کی سربلندی کے لئے متحد ہو کر سرخروئی حاصل کی جاتی۔ لیکن بدقسمتی سے امت فلسفۂ کربلا کو فراموش کر کے اپنی بدحالی اور بے سروسامانی کا ماتم کرتی رہی اور اس گریہ وزاری میں امام حسینؑ کے اس مقصد کو جس کے لئے انہوں نے صدائے حق بلند کی تھی پس پشت ڈال دیا۔ اس طرح تقویٰ اور جہاد کا دامن چھوڑ کر صرف ہر سال سابقہ ظلم و تشدد کے ماتم پر اکتفا کر کے امت مسلمہ کی یکجہتی پس پشت ڈال کر آئندہ نسلوں کو متحد ہو کر ایک ذہن سے سوچنے اور مداوی تلاش کرنے کیلئے ہمیشہ کو مایوس کر دیا۔ تفرقہ بازی کی اس ابتدا سے پچاسوں گروہ مختلف خیالات و نظریات کے حامل اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی علیحدہ مساجد بنا بیٹھے۔ انہوں نے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نئے تقاضوں کو سمجھنے کی کبھی کوشش نہ کی اور ہر طرف اپنے ائمہ گروہ اور فرقہ کے اصولوں پر شدومد سے اسطرح اڑ گیا کہ اجتہاد کا دروازہ اسلام پر بند ہو گیا۔ اسلئے تباہی، ذلت اور خرابی کی راہ پر کچھ ایسے گامزن ہوئے کہ دنیا میں اپنا ہر مقام اعزاز، حکومت، سرداری سب کچھ اقوام غالب کو سپرد کر کے اپنے ذہن اور افکار تک کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا ـــــ اس کے بعد آج تک دنیا کو انسانیت کا وہ اعلیٰ معیار نصیب نہ ہو سکا۔ جس کی تعریف میں پروفیسر سپیرل صدر لاء کالج جنیوا ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"پوری نسل کو اسلام کے پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر فخر کرنا چاہیئے کیونکہ آپ نے

Marfat.com

عالم انسانیت کے لئے وہ قانون چھوڑا جس کے اعلیٰ معیار پر انسانیت اگر آئندہ دو ہزار سال میں بھی آجائے تو یہ بڑی باعثِ مسرت کامیابی ہوگی۔"

آج جس قدر افریقہ میں اسلام کی تبلیغ کی ضرورت ہے اسی شدت کے ساتھ امریکہ و یورپ کے لوگوں کو اسلامی ضابطۂ حیات سے روشناس کرانے کی۔ لیکن افسوس ہے کہ دینی تبلیغ پر اقوام مغرب مسلمانوں کی موجودہ ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر کس طرح اسلام کی طرف راغب ہو سکتی ہیں؟ ——— آج بھی اگر مسلمانوں کے تمام فرقے بالخصوص اہل تشیع و اہل سنت جو کہ سب ایک ہی شاخ کے پروردہ ہیں خود غرضی، تنگ نظری، تعصب اور تبرے بازی سے باز آکر اپنے ذہنوں میں ہم آہنگی پیدا کریں تو یہ کیسے ناممکن ہے کہ یہ درخت پھر بارآور نہ ہو؟ اور جس کے پھلوں کی مٹھاس اور رحمتوں، برکتوں کی شگوفہ بار، ہیں اقوام غیر بھی خوشہ چینی پر مجبور نہ ہو؟ اس عظیم مقصد کے لئے شریعت کی حدود اور اسلام کے بنیادی اصول جن پر تقریباً سب کا ایمان اور اعتقاد ہے کو برقرار رکھتے ہوئے حالات و ازکار و نظریاتی کشمکش میں اجتہادی راہیں نکال کر ذلت خواری جہالت اور تنگ نظری پر مبنی فرقہ بازی اور فروعی اختلاف سے بالاتر ہو کر اجتماعی طور پر انسانیت کی اس معراج کی طرف روانہ کریں جس کی راہ دنیا کے مکمل ترین شخص اور اللہ کے آخری پیغمبر نے دکھائی کیونکہ اس معراج انسانیت تک رسائی سوائے اسلام کا سہارا لئے کسی اور مذہبی نظریہ، یا ازم کے توسط سے ممکن نہیں کیونکہ ہم نے دیکھ لیا کہ مسلمانوں کے زوال کے بعد اب تک اس ترقی یافتہ مہذب تعلیمی سائنسی اور ٹیکنیکی دور میں بھی انسان کو اصل معراج نصیب نہ ہو سکی۔ اسی لئے آج اس دنیا میں پس ماندہ اقوام کی فلاح ترقی اور انسانیت کی بہتری اور اُلجھے ہوئے مسائل کو حل کرنے کی بجائے وہ ستاروں کی طرف راہ فرار اختیار کرنا چاہتا ہے۔ جس طرح ایٹم اور

Marfat.com

ہائیڈروجن بموں، جاسوسی (Espionage) سرد جنگ اور نظریات کی کشمکش نے اس دنیا کا امن وچین تلپٹ کر رکھا ہے۔ شاید یہی حشر سیاروں اور ستاروں پر بھی برپا کرنے کی اُن سے توقع کی جا سکتی ہے۔ آج انسانیت جس کرب و بلا سے افریقہ، الجزائر و دیگر خطوں میں تڑپ رہی ہے اس کی موجودگی میں یہاں انسانیت کو معراج نصیب نہ ہو سکی تو خلائی تلاش سے کیسے ممکن ہے؟ ——— لیکن آج امتِ مسلمہ پھر خواب غفلت سے بیدار ہو کر اپنا کھویا ہوا مقام تلاش کرنا چاہتی ہے۔ جس میں اُسے شاید زیادہ دیر نہ لگے کیونکہ اس نے روحانیت کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ آج ہمارے علماء روحانیت کے ساتھ ساتھ مغربی علوم اور سائنسی سکھ کر اجتہاد کی مدد سے قوم کو از سرِ نو صراطِ مستقیم پر گامزن کر سکتے ہیں۔ ان کو مساجد میں ممبرِ رسول کا ناجائز استعمال کرنے اور حجروں میں مقید رہ کر اپنی ذہنی اور تخلیقی قوتوں کو مفلوج کرنے کی بجائے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں دوربین لے کر فضا تسخیر کرنا ہو گی تاکہ وہ قوم میں پھر اعلیٰ کردار اور اوصافِ انسانی پیدا کر کے مذہب اور مادیت پسند طبقہ کے درمیان عظیم تفادت کی دیوار کو گرا کر پرچم اسلام کو چاند اور دیگر ستاروں و سیاروں پر لہرانے کے لئے تیار کر سکیں۔ اور دنیا و مافیہا کا صحیح وارث ثابت کر سکیں۔

آیاتِ قرآنی کی غلط تاویلات

مسلمانوں میں افتراق اور فرقہ بندی کی وجہ بہت حد تک آیات قرآنی کی غلط تاویلات بھی ہے۔ کلامِ حکیم چونکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اس لئے ہر پہلو سے انسان اُس سے راہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔ چونکہ عربی ایک فصیح اور بلیغ زبان ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے احکامات ایک دن یا ایک ہی وقت میں نہیں بلکہ مختلف اوقات میں نئے حالات و اطوار

Marfat.com

اور نئے تقاضوں کے مطابق تیئس سال میں وقتاً فوقتاً نازل فرمائے۔ لہٰذا اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ بدلتے ہوئے تقاضوں کے تحت اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود میں رہ کر اجتہاد کرنے کی اور اپنے حالات کے مطابق حل تلاش کرنے کی اجازت ہے اور سابقہ اجتہادی فیصلوں کو نئی اسلامی آئینی حکومت اپنے علاقے و نئے حالات اور ماحول کے مطابق ڈھال سکتی ہے اجتہادی فیصلے مسائل کا حل اور شریعت کی حدود کی صراحت ہمیں صرف نصوص قرآنیہ سے ہی ملتی ہے ـــــ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن مکمل ضابطۂ حیات پیش کرتا ہے تو اس سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ کے لئے قرآن ایک اصول یا جہاں ضرورت ہو تھوڑی تفصیل پیش کرتا ہے لیکن ضابطہ ہائے زندگی کے تمام اصولوں کی تفصیل اور جامع ہدایات تفصیلاً موجود نہیں اس کے لئے ہمیں احادیث یا قرآن کی تفسیر پہ تکیہ کرنا پڑتا ہے اس طرح قرآنی آیات کی تاویلات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ تاویلات اور تفسیر بیان کرتے وقت مختلف علماء نے تنگ نظری خود غرضی اور کسی نظریہ یا عقیدے سے لگاؤ کی وجہ سے ایک ہی آیات کی مختلف تاویلیں کیں چونکہ عوام کو ان تاویلات پر تبصرہ کئے بغیر چارہ نہ تھا اس طرح غلط تاویلات کر کے بعض علماء فرقہ بندی کا موجب بنے اور اس طرح ملتِ اسلامیہ جذباتی نعروں کا شکار ہو کر فرقہ بندی میں پھنس کر رہ گئی غلط تاویلات کا دوسرا سبب یہ ہے کہ مفسرین عربی زبان میں ملکہ نہ رکھتے اور اس زبان کی سلاست، فصاحت و بلاغت اور محاورات صرف و نحو پر عبور حاصل کئے بغیر اُن آیات قرآنی کی افہام و تفہیم کے میدان میں اُتر تو آئے لیکن اس زبان کی روح کو پہنچنا ایک عجمی کے بس کی بات نہ تھی نیز یہ کہ کلام الٰہی ہونے کی وجہ سے خود عرب ماہر زبان تک آیات قرآنی کی ایک ہم شکل آیت بھی پیش کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے اسی لئے قرآن میں فرمایا گیا کہ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا (بنی اسرائیل)

Marfat.com

"یہ اس قرآن کی مثال پیش نہیں کر سکتے اگرچہ اس معاملہ میں وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے رہیں"۔ اس طرح قرآنی آیات کی اصل اسپرٹ کو برقرار رکھنے کے لئے ہمیں سابقہ دور کی بے محل و بے مقصد توضیح و تشریح اور غلط تاویلات جس نے ایک ہی لڑی میں پروئی ہوئی امتِ مسلمہ کو تفرقہ بندی اور ہٹ دھرمی کے اتاہ غار میں لا دھکیلا یہ اس پر سطورِ قرآنیہ کی روشنی میں نظرِ ثانی ناگزیر ہے تاکہ یہ مسلمانوں کی صحیح راہنمائی کا موجب ہو۔ غلط تاویلات کی ایک دو مثالیں ثبوت میں یوں پیش کی سکتی ہیں

(۱) مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے خلد بریں سے نکالے جانے کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ جس "شجرا لخلد" کا ذکر فرماتے ہیں اُس کی تاویل یوں کی گئی (سورۃ اعراف ۲۰ تا ۲۲)

"جب اُس نے قسم کھا کر کہا کہ دانۂ گندم کھا لینے سے وہ ہمیشہ کیلئے جنت میں رہنے کے مستحق ہو جائیں گے" ——— یعنی شیطان کی قسم کھانے کو حضرت آدم و حوا نے صحیح جان کر دانۂ گندم کھا لیا اور نافرمانی کی پاداش میں اُنہیں جنت کو خیرباد کہنا پڑا۔ لہٰذا شجرا لخلد کی تفسیر یہاں کے علماء نے تشریحِ دانہ گندم سے کی جو کہ ناقابلِ فہم اور متروک ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اس کرۂ ارض کے مختلف خطوں کے مسلم علماء اپنے اپنے علاقوں کی مرغوب غذا کے نام سے ہی شجرا لخلد کی تاویل کرتے آئے ہیں کسی نے انگور سے تشبیہ دی تو کسی نے کھجور سے اور ہم ہندیوں نے دانۂ گندم سے تاویل کی حالانکہ سطورِ قرآنیہ کہیں بھی اس کی گواہی نہیں دیتیں کہ وہ درخت "گندم" تھا جس کا دانہ کھانے سے جنت میں قیام ناممکن کر دیا گیا اور ستر ننگا ہو گیا اگر یہی صحیح جان لیا جائے تو جو سُرخ و سفید ملکی و غیر ملکی گندم ہم لیل و نہار استعمال کرتے ہیں ان کا حشر کیا ہو گا؟ ——— عربی زبان میں گندم کیلئے "قمح" لفظ موجود ہے لیکن اُسے کیوں اللہ تعالےٰ نے استعمال نہ کیا؟

Marfat.com

کلام حکیم میں اگر ایک جگہ اللہ تعالیٰ ضمناً ذکر کرتے ہیں تو اُس کے آگے کہیں تشریح و توضیح بھی آجاتی ہے لہٰذا شجرالخلد کا ذکر بھی آگے چل کر قرآن پاک میں یوں ہوا ہے۔

يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ

"(کہا) آدم! بھلا میں تم کو (ایسا) درخت بتاؤں (جو) ہمیشہ کی زندگی (کا ثمرہ) دے اور (ایسی) بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو؟" لہٰذا یہاں گندم، انگور یا کھجور کی تعبیر سے شجرالخلد کا مفہوم ادا نہیں ہوسکتا بلکہ اُس درخت سے یہاں انسان کی اُس جبلّت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو کہ ابتدائے آفرینش سے دو چیزوں کی گرفتار خواہش رہی یعنی ایک تو نہ فنا ہونے والی ابدالآباد کی زندگی اور دوسری سلطنت وحکومت یا دوسروں پر سرداری یہی آج بھی انسانی فطرت کا خاصہ ہیں اور یہی دو محرکات ہیں جن سے انسان ہمیشہ خود مختاری دوسروں پر حکومت کرنے کا خواہاں رہنے کے ساتھ ساتھ کوتاہیٔ عمر پر کفِ افسوس ملتا رہتا ہے۔ پس یہ تھی نفسِ انسانی وجبلّتِ خاکی جسے شجرالخلد میں اللہ تعالیٰ نے سمو دیا جس کی تاویل دانۂ گندم سے نہیں ہوسکتی۔ پھر دوسری جگہ اسی دانۂ گندم کو مفروضہ مان کر یہ تاویل بھی کی گئی (دیکھئے کتاب اختیار و مشیت مرتبہ عزیز الکریم انصاری کراچی ص ۱۰۰)

"غرض جب حضرت آدمؑ جنت سے نکال کر دنیا میں بھیجے گئے تو حضرت جبرائیلؑ آپ کے پاس آئے اور ہل چلانے اور کاشتکاری کے طریقوں سے آپ کو آگاہ کیا"۔ یہاں بھی یہ چیز نہ قرآن سے پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے اور نہ کسی روایت سے کہ کاشتکاری کے گر سکھانے کی ابتداء اللہ کے ایما پر حضرت جبریلؑ کے توسط سے حضرت آدمؑ کے ہاتھوں ہوئی۔ یہ تاویل تو محض کوتاہ بین ملّاؤں کی ہے جو بجائے خویش تقدیر و تدبیر کے موضوع تک کو سمجھنے سے قاصر رہے بلکہ اس موضوع کی بحث اور تجسس سے بھی گریز کرتے ہیں۔

Marfat.com

(۲) اسی طرح ایک جگہ قرآن میں آیا ہے یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ط (القلم ۴۲) ترجمہ:۔ جس دن پنڈلی سے کپڑا اٹھا دیا جائے گا اور کفار سجدہ کے لئے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کر سکیں گے:۔۔۔ کتنی گمراہ کن تاویل ہے "کشف عن ساق" کی حالانکہ یہ ایک عربی زبان کا محاورہ ہے اور محاورات کا لفظی ترجمہ نہیں کیا جاتا۔

پنڈلی کھول دینے سے مراد صعوبت حال ہے یعنی جب قیامت برپا ہو گی تو مردے قبروں سے گھبراہٹ میں اٹھ کھڑے ہوں گے اور کفار پر ذلت چھا رہی ہو گی کیونکہ انہوں نے دنیا میں جب صحیح و سالم تھے اللہ تعالیٰ کو سجدہ سے گریز کیا۔ اب اس تباہ حالی میں کس طرح سجدہ کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ اگر "کشف عن ساق" کا بامحاورہ ترجمہ یعنی "صعوبت حال" نہ لیا جائے تو لفظی ترجمہ یعنی "پنڈلی ننگی کرنا" سے کچھ مفہوم پیدا نہیں ہو سکے گا۔ یہاں ننگی پنڈلیوں سے مراد خود لوگوں کی بدحالی ہے نہ کہ جیسا چند تاویلات کرنے والوں نے اللہ تعالیٰ کی پنڈلی سے مراد لیا (نعوذ باللہ) کہ اللہ تعالیٰ کی ننگی پنڈلی کو دیکھ کر کفار کو سجدہ کرنے کو کہا جائے گا۔ کیونکہ کلام پاک میں فرما دیا گیا کہ "لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ط" کہ "اللہ تعالیٰ کسی طرح کی شکل سے بالا ہے" یعنی ہماری عقل و سمجھ سے بالا جیسا کہ اس کی شان ہے اسی کے مطابق اس کا وجود ہے۔

(۳) کلام پاک میں جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "خاتم النبیین" کے نام سے یاد کیا گیا لوگوں نے خاتم (خَتَمَ) یعنی آخری نبی سے مراد نہیں لیا بلکہ انہوں خَاتَمٌ (زبر سے معنی) انگوٹھی نگینہ سے لیا۔ اس سے مراد اُن کی یہ تھی کہ وہ آخری نبی تو نہیں (نعوذ باللہ) بلکہ نبیوں میں نگینہ کی مانند اعلیٰ یا خاص مقام رکھتے ہیں۔ اس طرح ان کی تاویل سے

نبوت اُن پر ختم نہیں ہوتی جو ازاً نبی آسکتے ہیں، اس طرح کوئی تو نبوت سے انکاری ہے تو کوئی نبوت کا داعی۔ پس ہم نے دیکھ لیا کہ ان کوتاہ بین علمائے سلف نے غلط تاویلات سے انتشار میں پڑ کر دین اسلام کو ضعف پہنچانے کا موجب ہوئے حالانکہ اگر خَاتَمٌ سے مراد لے بھی لی جائے اور دل میں منافقت نہ ہو تو اس سے مراد یہ ہے کہ حضور اکرمؐ ایسی مہر ہیں جو کہ تھیلی پر لگا دی جاتی ہے جس میں سے نہ کچھ باہر آسکتا ہے اور نہ کچھ اندر داخل کیا جا سکتا ہے اس طرح نبوت پر آخری مہر ثبت (Seal) کرنے والے آپ ہی ہیں اور آپ کے بعد دین میں اضافہ کیلئے کوئی نبی نہیں آسکتا۔ حتیٰ کہ مسئلہ مہدی کا حل بھی یہی ہے کہ وہ تشریف لائیں گے۔ لیکن وہ دین میں اضافہ نہ کریں گے۔ بلکہ آنحضرتؐ کی اتباع کر کے اسلام کی سربلندی کا باعث ہوں گے! اسی قسم کی دیگر تاویلات مسلمانوں کے زوال کا ایک سبب بنیں۔

مسلمانوں کو اسلام کا مکمل ضابطۂ حیات اپنا کر جو معراجِ انسانیت نصیب ہوئی تھی اس نے دنیا پر واضح کر دیا تھا کہ اسلام ہی ایسا واحد نظام حیات ہے جو انسان کو دنیا میں جینے اور رہنے کا ایک مکمل دستور دیتا ہے۔ کیونکہ دیگر نظام ناقص اور نامکمل ہونے کے سبب انسانیت کو معراج نصیب نہ کرا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک مسلمان اپنے نظریہ سے چمٹے رہے وسائل و ذرائع کی کمی کے باوجود دُنیا کی کسی قوم سے پیچھے نہ رہے لیکن جونہی اس سے دامن کشی کی تو زوال پذیر ہونا شروع ہو گئے پس دور خلفائے راشدین کے بعد اسلام کے ضعف اور مسلمانوں کے انحطاط کے اصل چار اسباب رونما ہوئے۔ اوّل وجہ تو خود مسلمانوں کی خارجی اثرات سے وابستگی۔ دوئم یہ کہ "صحیفۂ اسلامی ضابطہ حیات" (قرآن حکیم) کے زرّین اصولات کی غلط تاویلات اور اُن کی تشریح و توضیح کے نتائج۔ سوم خود ہمارے دنیا دار علما، جو کہ مبلغ اسلام کی حیثیت سے کبھی مجاہدین کے زمرہ میں شمار

Marfat.com

ہوتے تھے۔ میدانِ عمل سے گریزاں اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد سنبھال کر جب حجروں میں محصور ہو گئے تو خود غرضی، تنگ نظری اور نفس پرستی کا شکار ہوئے اور عام قابل عمل اسلامی اصولات کو جھٹلوا دیا کہ مسلمانوں کی اصل اسلامی روح کے مطابق رہنمائی کرنے سے قاصر رہے۔ آخری وجہ یہ کہ خود مسلمان فرقہ بازی اور گروہ بندی میں پھنس کر اجتہاد کا دروازہ بند کر کے اسلام کے اصل کاز کو آگے بڑھانے سے محروم ہو گئے ـــــ یہی وہ چار وجوہات ہیں جو مسلمانوں کے زوال کا باعث بنیں۔ ایسی صورت میں جبکہ مسلمانوں نے "معروف" اور "منکر" کے سبق کو فراموش کر دیا۔ تو ان کے مقابل غلط نظریہ اور فرسودہ نظام کے پیروکار مادیت کا سہارا لیکر ترقی کے منازل طے کرتے رہے۔ چونکہ خود اللہ تعالیٰ کا بھی یہ اصول ہے کہ جب کوئی قوم اپنے اصل مقصد (آئیڈیالوجی) کو فراموش کر کے بھٹک جاتی ہے تو یا تو اللہ تعالیٰ اس پر انہی میں سے ایک جابر حکمران مسلط کر دیتا ہے ورنہ دنیا کی امامت اور سرداری اس سے چھین کر دوسری قوم کو خلافت عطا کر دیتا ہے مسلمان جو اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کی حیثیت سے اس دُنیا میں امامت و سرداری کے حقدار رہے۔ آج دونو حوادثات کا شکار ہونے کے بعد بھی اگر نہ سنبھل سکے تو یہ اس کی ستم ظریفی اور بدقسمتی ہی تصور ہو سکتی ہے

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی ؛ نہ ہو جسکو خیال اپنی حالت کے بدلنے کا

ہم اب مسلمانوں کی ترقی و زوال سے قطع نظر کر کے دیگر مذاہب و غیر اسلامی نظریہ حیات کا اسلام سے تقابلی مقابلہ کر کے اسلام کے مکمل ضابطہ زندگی کے چند خصوصی پہلوؤں پر بحث کریں گے۔ تاکہ دیکھا جا سکے کہ کیا اس اچھوتے نظام حیات پر آج بھی عمل ہو سکتا ہے آیا موجودہ مسائل اور جدید تقاضوں کا حل دیگر نظریات یا دہریت کی مدد سے ممکن ہے نیز کیا دنیا کو ان کی بدولت معراج انسانیت نصیب ہو سکتی ہے؟

Marfat.com

باب دوم

اسلام اور دیگر مذاہب

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد اس دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبران وقتاً فوقتاً
دین کے لئے مبعوث کئے گئے۔ ان میں اکثر پیغمبران کسی خاص وقت اور خاص خرابی
اح کے لئے مامور ہوتے۔ مثلاً حضرت شعیب علیہ السلام کو اہل مدین کی طرف ماپ
رست کرنے کے لئے مبعوث کیا گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کو قوم لوط کی ہم جنس بدفعلی

Marfat.com

اور بداطواری سے چھٹکارا دلانے کے لئے مامور کیا گیا کہیں موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی سرکشی سے بنی اسرائیل کو نجات دلانے اور کہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہود و نصاریٰ میں محبت و آشتی کا درس دینے کے لئے متعین کیا گیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بت شکن بنا کر اللہ تعالیٰ کا سب سے پہلا گھر "خانہ کعبہ" تعمیر کرنے کے لئے اور حضرت اسحاق علیہ السلام ظلم و استبداد کو ختم کر کے حکومتِ الٰہیہ قائم کرنے کے لئے مبعوث ہوئے جن کے بعد اُن کی اولادوں میں جو پیغمبروں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اُس کی انتہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے آخری مہر نبوت ثبت فرمادی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف نبوت کی آخری کڑی بلکہ جو مشن حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا اور مختلف پیغمبران اُس کو پروان چڑھانے کی سعی فرماتے رہے آنحضرتؐ نے اُس تمام مشن کو ایک مکمل ضابطۂ حیات کی شکل میں پیش فرمایا۔ اس طرح آپ کسی ایک خاص اصلاح یا کسی خاص قوم کے لئے مبعوث نہیں ہوتے بلکہ دین کو جامع مرتب اور مکمل کر کے تمام انسانیت کے سامنے پیش فرمایا۔ اس طرح آپؐ رحمۃ اللعالمین کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ چونکہ تمام مذاہب میں اسلام آخری اور جدید ترین مذہب ہے جس نے دیگر مذاہب پیغمبران اور انبیا کی تصدیق کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف سابقہ پیغمبران کے پیش کردہ احکامات و قوانین کی تصدیق کر کے ایک منضبط ضابطۂ حیات کی شکل میں پیش کیا۔ بعض حرام اشیاء کو جو بعض سابقہ انبیا نے حلال روا رکھا تھا۔ آپؐ نے حرام قرار دیا اور بعض حرام اشیا کو حلال اس طرح چونکہ آپؐ نے سابقہ احکامات کو حالات و ماحول کو نئے تقاضوں کے سانچے میں ڈھالا اور دین کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق آخری شکل دی۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (المائدہ)

Marfat.com

"آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر مکمل کر دی اور اسلام کو تمہارے لئے بطور دین کے پسند کیا"

چونکہ اسلام سابقہ ادوار کے محرّف مذہبی عقائد کو خواہ وہ عیسائی، اسرائیلی پارسی و یہودی مذہب سے متعلق ہوں یہ صحیح شکل میں پیش کرتا ہے۔ اور اس اسلامی ضابطہ ہائے زندگی پر عمل پیرا ہو کر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی نمونہ پیش فرمایا اس لئے غیر مذہب والوں کو اسے مکمل دین کی حیثیت سے من و عن قبول کرنا چاہیئے جبکہ خود ان کا مذہب اور ان کی مذہبی کتب اسلام کی آمد اور آخری نبیؐ کی آمد کے ظہور کی تصدیق کرتی ہیں۔ اور "اسلام" ان کے مذہب اور ان کی الہامی کتب کی تصدیق کا واحد بین ثبوت ہے۔ تو پھر اس جدید مکمل اور تمام مذاہب سے جامع اور افضل مذہب کی پیروی چھوڑ کر سابقہ فرسودہ روایات اور تحریف شدہ مذہبی عقیدوں سے چمٹے رہنا دانشمندی کی دلیل نہیں۔ آج کی مہذب دنیا سائنس کے میدان میں جب کسی سربستہ راز کی حقیقت کو پا لیتی ہے تو ان کے لئے یہ کسی بڑے معجزے سے کم نہیں ہوتا لیکن پھر بھی وہ سند کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی ریسرچ ان کے علوم اور تحقیق بالکل صحیح ہے کیونکہ اکثر انہیں ذہنی تجسس کا شکار رہنا پڑتا ہے چونکہ وہ وحی - Divine guid ance) پر ایمان نہیں رکھتے اور صرف ذہن انسانی پر اکتفا کرتے ہیں اس لئے اصل حقیقت تک رسائی ممکن نہیں کیونکہ ذہن انسانی کی رسائی جہاں پر ختم ہوتی ہے وہاں سے وحی کی ابتدا ہوتی ہے اس لئے تمام مسائل حقائق اور نیچر کے سربستہ رازوں کی راہنمائی کسی خالق البشر (God) کی ہدایت و راہنمائی کے بغیر ممکن نہیں اور یہ ہدایت (Guidance) وحی انہیں الہامی کتب سے ملتی ہے۔ کاش! آج کی مہذب دنیا خدا کی جدید ترین راہنمائی (Latest Divine revelation) یعنی تیرہ سو سال قبل کی

Marfat.com

"تاریخ اسلام اور اوراقِ قرآن حکیم کا مطالعہ اور اُس میں غواصی کرتی تو آج فطرت کے تمام سربستہ راز اس پر روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتے۔ جن کی تحقیق کی ابتدا ذہن انسانی کی مدد سے اِس سائنسی دور میں وہ کر چکی ہے۔ اس جدوجہد میں اس نے کچھ تو پا لیا لیکن بڑا حصّہ ایسا ہے جس کے لئے اُس کی عقل جواب دے چکی ہے۔ لیکن پھر بھی برسرپیکار ہے۔ کسی مذہب نے اِتنے مستند اور سائنٹیفک نظریات اور فطرت کے قوانین نہیں پیش کئے جتنے اسلام نے ہمیں آج سے چودہ سَو سال قبل عطا کئے اس طرح دیگر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی افادیت واضح ہو جاتی ہے ——— ذیل میں دیگر مذاہب کا اجمالی خاکہ اور بالخصوص عیسائیت کی تفصیلی تحقیق اسلام کے مقابلہ میں پیش کی جاتی ہے جو کہ موجودہ مہذب و ترقی یافتہ دنیا کو ایک لمحۂ فکریہ کی دعوت دیتی ہے

۱۔ ہندومت

ہندو خدا کی وحدانیت کو تین مختلف پرمیشوروں (Gods) میں تقسیم کرتے ہیں

(ا) برھما (پیدا کرنے والا)

(ب) وشنو (پالنے والا یا حفاظت و دیکھ بھال کرنے والا)

(ج) شیوا (تباہ و برباد کرنے والا) ——— خدا کی وحدانیت کی تقسیم کے بعد اِن پرمیشوروں کو مٹی کے بتوں کی شکل میں پوجا پاٹ کا جو رواج شروع ہوا تو حالت یہاں پہنچ گئی کہ اگر کوئی قومی ہیرو قومی بھلائی کا کام کرتا تو اُس کی بھی پوجا شروع ہو جاتی اس طرح اِن تین پرمیشوروں کے علاوہ بھی ہندوستان کے مختلف علاقوں میں مختلف ذاتوں کے درمیان پچاسوں پرمیشوروں کی پوجا کی جاتی ہے۔ مثلاً بنگال میں

Marfat.com

کالی ماتا یا دُرگا۔ کشمیر میں شیو جی، ان کی بیوی پربتی اور اُن کا فرزند گنیش اور اُتر پردیش (یو۔پی) میں ہنومان جی اور کرشن مہاراج کی پوجا اتنی عروج پر ہے کہ جتنی اصل تین پرمیشوروں کی بھی نہیں۔ ہندو عقیدت کی اس بے راہ روی کا زور اتنا بڑھا کہ اسی مذہب کے پیروکاروں نے سورج، سانپ، پیپل، برگد، گائے اور آگ وغیرہ کی پوجا شروع کر دی۔ گنگا دریا سے تو اتنی عقیدت ہے کہ جو نہا لیا گویا اُس کی زندگی کے تمام گناہ دھل گئے۔ ہندو فلسفہ کی انتہا یہ ہے کہ اپنے وجود و خواہشات کو ختم کر کے اپنی روح کو برہما پرمیشور میں ملا کر یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اُن کی روح کو دوبارہ پیدا کر کے (Hindu Philosophy of rebirth) تکلیف میں نہ ڈالا جائے۔

(۲) بدھ مت

بدھ مت کو تو ایک مذہب کی حیثیت سے تسلیم ہی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مہاتما بدھ نے جس طرح ریاضت سے اپنی روح کو تکلیف دے کر خود ایک اعلیٰ مقام حاصل کیا اور لوگوں کو ہدایت کی تلقین کی اسی طرح انہوں نے ہندو مت کی بے راہ روی کو سدھارنے (اصلاح ... Reform) کی جدوجہد کی اس کی رُو سے ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اسی سلسلہ میں روح کی نجات کا سبق جین مت سکھاتا ہے تاکہ انسان اپنی روح کو نجات دلوا کر ہمیشہ کے لئے آزاد کر دے اور وہ دوبارہ پہلے ذات کے انسانوں اور جانوروں میں دوبارہ منتقل ہو کر تکلیف نہ اٹھائے یہ بھی ہندو مذہب کی درستی کی تحریک تھی ——— پس یہ مذاہب صرف چند عقائد، پوجا پاٹ، رسم اور نفس کشی کے علاوہ انسان کو کچھ نہیں دیتے اس طرح انہوں نے دنیا کے مسائل کا حل تو کیا معاشرہ انسانیت ...

نصیب نہیں ہو سکتی۔

(۳) عیسائیت

"مذہب عیسائیت" میں یسوع مسیح نے خدا کی وحدانیت کی دعوت دی لیکن انصاری نے اُن کی وفات کے بعد مذہب کی اصل شکل کو مسخ کر دیا اور بعد میں مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دے دیا۔ عیسائیت کا نظریہ یہ ہے کہ خدا جو ہے وہ یسوع مسیح میں سما چکا ہے (God in One) اور پھر یسوع مسیح اپنے تین مشہور پیروکاروں میں سما چکے ہیں (in one three) اس طرح خدا کی وحدانیت کو اس مذہب میں بھی تین حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا جو "عیسائیت" کا "نظریہ تثلیث" کہلاتا ہے ——— قرآن جو کہ اللہ تعالیٰ کی آخری ہدایت (Latest message) ہے جس کی پیش گوئی بائبل نے کی تھی۔ خود ہی عیسائیت کے اِن فرسودہ نظریات کی نفی کرتا ہے ——— قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ بتا دیجئے لوگوں کو خدا واحد ہے ——— لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ۔ نہ اُس نے کسی کو پیدا کیا (جنا) اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا (جنا گیا begotten) ——— چونکہ خود بائبل اللہ تعالیٰ کی اب مستند کتاب تسلیم نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس میں کئی مرتبہ ترمیم ہوئیں اُس کے بعد کئی ایڈیشن (testaments) موجود ہیں جو کہ ایک دوسرے سے بہت بہت حد تک مختلف ہیں اس کے مقابلہ میں قرآن اپنی الہامی شکل میں لفظ بلفظ بغیر کسی زیر و زبر کی تبدیلی کے جو چودہ سو سال قبل نازل ہوا اُس روز سے بعینہٖ لاکھوں لوگوں کے سینوں میں (حفاظ کے سینوں میں) محفوظ چلا آ رہا ہے۔ لہٰذا قرآن کی کتابی صورت میں ذرا بھی تبدیلی کا امکان باقی نہیں رہ جاتا۔ عیسائیت و دیگر مذاہب والوں نے سابقہ

Marfat.com

پیغمبران میں کسی کا رتبہ حد سے زیادہ بڑھا دیا اور اکثر نبیوں کو پیغمبری کے رتبہ سے گرا کر اُن کی حرمت و تقدس کی تذلیل کا باعث بنے۔ لیکن قرآن نے جہاں سابقہ مذاہب اور الہامی کتب کی تصدیق کی وہاں ان پیغمبران کی عظمت کی گواہی بھی دی۔ اور عیسائیت کو روحانی سہارا اور اس کے اصلی مذہب کی صداقت صرف قرآن اور اسلام سے ہی ملتی ہے۔

عیسائیت کی حقیقت

ہمارا یہ ایمان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور سچے نبی تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے "انجیل" کی کتابی شکل میں اپنا دین نازل فرمایا جس کا ثبوت خود خدائے تعالیٰ کی واحد سچی کتاب قرآن سے بھی ملتا ہے۔ لیکن اسلام کے مقابلہ میں عیسائیت کوئی جامع مذہب اور بائبل زندگی کا کوئی منضبط لائحہ عمل پیش نہیں کرتی۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں اپنی قوم نصاریٰ کو محبت و آشتی کا درس دینے کے لئے اور اس پر نزول رحمت کے لئے دُعاؤں کا مجموعہ لے کر مبعوث ہوئے جبکہ اسلام مکمل ضابطہ حیات تجویز کر کے نوامیس الٰہی کو آخری شکل دیتا ہے۔ یہ ضابطہ کسی ایک قوم یا نسل کی زندگی کے کسی ایک پہلو کی اصلاح کے لئے نازل نہیں ہوا بلکہ یہ تمام نسل انسانیت کے لئے مستقل (Manual) راہ عمل متعین کرتا ہے ــــــــ ہماری مراد یہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دین کی اس مکمل شکل سے نابلد تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کو یہ کام اپنے آخری نبی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کرانا مقصود تھا۔ اسی لئے خود عیسیٰ علیہ السلام نے فرما دیا۔

خدا کی سلطنت قریب ہے تم لوگوں کو اُس کے لئے تیاری کرنی چاہیئے میں تم کو تمام حقیقت بتا سکتا لیکن ایک آدمی آئے گا اور تمام حقیقت سے تم کو آگاہ کر دیگا (بائبل)

گو بائبل جو کہ الہامی کتاب نازل ہوئی تھی زمانے اور یہود و نصاریٰ کی دست بُرد سے محفوظ نہ رہی۔ لیکن پھر بھی اُس میں بعض جگہ ایسے جواہر ریزے درخشاں و تابندہ ملتے ہیں جن سے نور کی زمین پھوٹ پھوٹ کر ضیاء پاشی کرتی ہیں۔ یہ اصل احکامات الٰہی کا نمونہ ہیں جو لوگوں کی دست برد سے محفوظ رہے خاص طور پر ملاحظہ ہو حوالہ Deut XVIII : 15-8

بحر لوط کے مخطوطات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دور حیات میں کوئی پیغام (Gospel) ضبط تحریر نہیں کروایا اور نہ ہی یہ چیز پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ کسی نے آپ کی حیات میں اُس کو قلمبند کیا ہو۔ آپ کے حواریوں میں ایک گروپ ایسا بھی تھا جس نے یہود و نصاریٰ کی ریشہ دوانیوں سے ہٹ کر کسی حد تک عیسیٰ علیہ السلام کے احکام پر عمل پیرا ہونے کی ٹھانی اور خود کو تزکیہ نفس کے لئے تیار کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق آنے والی الٰہی حکومت کے لئے محو انتظار رہے۔ توریت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے اسی انتظار میں صدیاں گزار دیں کہ ایک سچا مکمل اور آخری نبی مبعوث ہوگا۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد غالباً کوئی نبی ایسا نہیں آیا۔ جس نے یہ پیشگوئی سنا کر یہود کو اس نبی کے لئے جو مثل موسیٰ ہوگا۔ آمادہ اور تیار نہ کیا ہو چنانچہ حضرت عیسیٰ پر بھی اُن کو اُس نبی کا شبہ ہوا (John 19 : ۲۳)۔ جب اُنہیں یقین ہو گیا کہ یہ وہ نبی نہیں ہے جو انہیں پھر سلطنت دیں گے۔ تو وہ انتہائی یاس میں

Marfat.com

اُن سے باغی ہو گئے لیکن اللہ اور حضرت موسیٰؑ کے وعدہ کو بھولے بغیر پھر انتظار میں لگ گئے توریت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق پیشگوئیوں سے بھرپور ہے اگر یہ کہا جائے کہ ہر نبی کی بعثت کے اللہ تعالیٰ نے دو مقصد قرار دیئے تھے تو بے جا نہ ہوگا اول بنیادی دعوتِ وحدانیت " وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ " (انبیاء ۲۵) "اور آپ سے پہلے ہم نے کوئی بھی رسول نہیں بھیجا مگر اُس کی طرف ہم نے وحی نازل کی کہ میرے سوا کوئی اللہ نہیں پس تم میری ہی عبادت کرو" دوم نبی کریم صلعم کے متعلق پیشگوئی تاکہ قوم یہود اور اُن کے اثر سے دوسری اقوام اپنے آپ کو ذہنی اور روحانی طور پر تیار کر لیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں تو ان کی تعلیم سے پورا استفادہ کریں " وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ " آل عمران ۸۰ - ترجمہ :- اور وہ وقت یاد کرو جبکہ اللہ میاں نے تمام انبیاء سے وعدہ لیا تھا کہ تمہارے پاس کتاب اور حکمت کی باتیں آئیں گی پھر اس کے بعد ایک رسول آئے گا تو اس رسول پر ضرور ایمان لانا اور اس کی ضرور مدد کرنا۔

یہی حواریوں کا گروپ تقریباً ۶۸۸ D. میں بحیرۂ فلسطین Dead Sea-Palestine کے شمالی ساحل پر آباد ہوا - یہ الیساتینز (Essenes) کہلاتے تھے اُن کا نظریہ تھا کہ آنے والا رسول خدا کا بیٹا ہوگا وہ دوبارہ واپس آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی حکومت کی داغ بیل ڈالے گا - بعد ازاں مختلف نظریات کی موجودگی میں حالات و ماحول کی مناسبت سے نصرانی نے اپنے مذہبی عقیدے میں تبدیلی لانے کی کوشش کی - ان تبدیلیوں کی وجوہات یونانی تمدن اور ماحول کا نتیجہ تھیں اس طرح حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے انہی خیالات کو لے کر قلمبند کرنا چاہا اور اپنی من گھڑت کہانیوں عقائد خیالات و ماحول کے مطابق اللہ

تعالیٰ کے پیغام کو نئے قالب میں ڈھال دیا۔ اس وقت وہ پیغامات جو کہ ضبط تحریر کئے گئے تھے کی تعداد بیس کے قریب تھی یعنی پہلی مرتبہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے (عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ انہیں صلیب دی گئی قرآن اس کی نفی کرتا ہے) اڑسٹھ سال بعد یہ پیغاماتِ یسوع مسیح جن کو "gospels" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ضبطِ تحریر میں لائے گئے اور آخر تھوڑا عرصہ قبل تک ان انجیل کے صحیفوں (gospels) کی تعداد بیس سے صرف چار تک محدود کر دی گئی ——— ایک مشہور عیسائی نقاد کے خیال کے مطابق ان موجودہ چاروں صحائف (gospels) کا مجموعہ جو کہ نیا ایڈیشن (new testament) کہلاتا ہے میں سینکڑوں مقامات پر چاروں میں تضاد پایا جاتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے جو اللہ تعالیٰ کا پیغام (Divine message) دیا تھا لازمی طور پر اُسے ایک شکل میں ہونا چاہیئے تھا تو پھر یہ ایک ہی عقائد اور خیالات و پیغام کی چار اقسام (gospels) چہ حقیقت دارد؟ اُس پر طرّہ یہ کہ ۱۹۱۳ میں پوپ نے اپنے اعلامیہ میں کہا تھا کہ اس نئی مرتب شدہ بائبل میں انجیل کے بالکل وہی الفاظ ہیں جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئے۔ جن میں ایک لفظ بھی بڑھایا یا گھٹایا نہیں جا سکتا۔ حالانکہ خود اس نئی مرتب شدہ بائبل (new testament) میں بچاسوں تبدیلیاں کی گئیں جن کے لئے باقاعدہ حکومت نے اسکالرز اور عیسائی علماء مقرر کئے جن کا تاریخی ثبوت موجود ہے۔ ان مذہبی نمائندوں و مفکرین قوم نے یکجا ہو کر نئے مسائل خیالات اور ترقی پزیر ماحول کے مطابق اُس کو آخری شکل (Version) میں پیش کیا اس پر بھی نقادوں نے تنقید شروع کی جس میں "روح اللہ" (soul of God) اور مسئلہ تثلیث (Trinity) وغیرہ زیر بحث آئے اس طرح جب ان تنقیدی

Marfat.com

بحثوں سے لوگوں کا شبہ بڑھتا گیا تو اس کو نزول وحی (Divine revelation) کے دائرے سے خارج کر دیا گیا۔

موجودہ دور میں عیسائیت کے عقائد اور بائبل کے لفظ بلفظ صحیح ہونے پر سب سے بڑی ضرب کاری بلکہ میں تو کہوں گا کہ ان عیسائی مذہبی عقائد کے تابوت میں آخری کیل بحر لوط کے مخطوطات (Dead Sea Scrolls) نے لگائی جس نے حقائق سے پردہ اٹھا کر مذہب عیسائیت اور ان کی من گھڑت عقائد کا پول کھول کر رکھ دیا ——— یہ مخطوطات فلسطین میں بحر مردہ (Dead Sea) کے ساحلی علاقہ میں واقع پہاڑ چٹانوں کی چند غاروں سے دستیاب ہوئے ہیں یہ پرانی دستاویزات (Scrolls) ۶۸ A.D. کے زمانے کی ہی ثابت ہیں جبکہ پہلی مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیغامات کو ضبط تحریر میں لایا گیا تھا اور آج جن کے مطالعہ کی کوشش سے (کیونکہ وہ نہایت پرانی عبرانی زبان میں مرقوم ہیں) آہستہ آہستہ اس مذہب کا موجودہ مسخ شدہ چہرہ عیاں ہوتا جا رہا ہے یہ وہی مخطوطات (Scrolls) ہیں جو ایسینز (Essines) نے جب ٹائیٹس (Titus) نے ۷۰ A.D میں فلسطین پر حملہ کیا تو قمران کے اس علاقہ کے ہزارہا لوگ راہ فرار تلاش کرنے لگے ایک طرف سمندر تھا اور دوسری طرف رومن تھے صرف ان کو ساؤتھ کی جانب ہی محفوظ علاقہ نظر آیا جدھر وہ ہجرت کر گئے۔ یہی ایسینز (Essines) حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ کے حواری تھے جو نئی سلطنت اور آنے والے رسولؐ کی انتظار میں یہاں آباد ہوئے تھے۔ اور صحیح پیروکار تھے۔ جنہوں نے سب سے پہلے ان الہامی احکامات کو چمڑوں اور کپڑوں و دیگر ٹکڑوں وغیرہ پر بائبل کی اصل عبرانی زبان میں قلمبند کیا تھا۔ چونکہ بہت زیادہ اور ضخامت کے لحاظ سے بھاری تھے۔ حملے کے دوران انہیں بھی

Marfat.com

لے کر بھاگ نکلنا ناممکن تھا اس لئے یہ مرقوم پلندے مٹی کے بڑے بڑے جاروں میں منہ بند کرکے اُن کو قمران کے ساحلی غاروں میں چھپا دیا تھا اور غاروں کے منہ بھی بند کر دیئے گئے تھے۔ اس طرح آج جب انہی ایسینز (Essenes) لوگوں کے کھنڈرات اور ان کی بستیوں کے نشانات ملے تو اسی جستجو میں اُن غاروں سے یہ مخطوطات (Scrolls) سکنڈر نما جاروں میں دستیاب ہوئے جن کا اب شد و مد سے مطالعہ کیا جا رہا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اِن عیسائیوں اور یہودیوں کی اصل حقیقت کا پردہ کھول کر اصل دین کی تحقیق کی ایک اور راہ دکھا دی ہے۔ یہ چیز باعث افسوس ہے کہ اس تحقیقی مطالعے میں کوئی عبرانی زبان جاننے والا مسلمان شامل نہیں تاکہ اصل حقیقت اور قدیمی مذہبی عقائد و احکامات پر دین اسلام کی موجودگی میں اس پر روشنی پڑ سکتی ہے۔ چونکہ اس کا مطالعہ کرکے تحقیقی مضامین لکھنے والے صرف یہی عیسائی ہی ہیں جن کی نگارشات اور اُن تحریروں کا ترجمہ کتابچوں (Dead sea scrolls pocket book) کی شکل میں چھپ کر آ رہا ہے (ان کا مطالعہ دلچسپی اور تحقیق سے خالی نہیں)، اس طرح اگر یہ لوگ نیک نیتی اور تنگ نظری سے بالا ہو کر صحیح ترجمہ پیش کریں تو مذہب عیسائیت کا تار و پود بکھر جانا ناگزیر ہے۔

یہی ایسینز مذکورہ (The above Essenes) جو جنوب کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ وہ یہود تھے جنہیں معلوم تھا کہ فلاں وقت میں عیسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق ایک نبی آئے گا۔ اُسی نبی کی تلاش میں اور حکومت الٰہیہ کی تلاش میں اُن کا جدی جوش خروش انہیں حجاز تک لے آیا جن کا ذکر آنحضرتؐ کی پیدائش کے بعد قرآن حکیم میں بار بار آتا ہے اور جنہوں نے اسلام بھی قبول کیا اور اس طرح وہ اپنی دیرینہ خواہش کو پورا کر سکے

اس علم کی بنا پر جو علمائے یہود میں سینہ بسینہ چلا آتا تھا وہ پورے طور پر اور صحت کے ساتھ واقف تھے کہ نبی کریم صلعم کہاں اور کس زمانہ میں مبعوث ہونگے اور آپ کی قوم آپؐ کے ساتھ کیا کرے گی حتیٰ کہ انہیں نبی کریم کا حلیہ تک معلوم تھا۔ ایسا کہ وہ آپ کو اس طرح پہچان سکتے تھے جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو۔ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ (بقرہ ۱۴۶) "جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس رسولؐ اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح کہ یہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں" ——— توراۃ کی بعض آیات میں ایسے اشارے تھے جن سے انہوں نے اندازے لگا کر تقریباً نبی کریمؐ کی بعثت کا صحیح وقت معلوم کر لیا تھا۔ توراۃ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک مرقوم تھا یہ حلیہ موجودہ سیرت النبی سے مشابہ ہے۔ تمام انبیاء کرام میں سے صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک مع سیرت موجود ہے۔ حضرت عیسیٰؑ حالانکہ بہت بعد کے زمانہ کے نبی تھے۔ جبکہ دنیا نے نئے دور میں قدم رکھ لیا تھا لیکن انکے حلیے و سیرت کی ایک صفت بھی ہم تک نہیں پہنچی بلکہ اُن کے بعد تابعین نے مذہب کی طرح اُن کے حلیے و سیرت کو بھی مسخ کر کے حقیقت سے دور پہنچا دیا۔ یہی وہ یہود تھے جنہیں معلوم تھا کہ اس وقت پیدا ہونے والا نبی جس کی آمد کی خبر تمام انبیا علیہ السلام دیتے آئے تھے اور جس نبیؑ کے متعلق انہیں پورا یقین تھا کہ وہ اُن کے دشمنوں کا قلع قمع ہی نہ صرف کرے گا بلکہ دنیا میں اللہ کے بندوں کے ذریعہ جن میں وہ خود کو شامل کرتے تھے۔ اللہ کی حکومت کو تا ابد الآباد بھی قائم کرے گا۔ (Pasal ۸۲:۸۱ ، ۹:۶-۷ Isaiah ، ۱۹:۱۶ Exodus) ان حقائق کی بنا پر یہ چیز پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ یقیناً یہود کا ایک گروہ بالخصوص اہل یہود کے مذہبی علما کی ایک جماعت

Marfat.com

نے عراق و شام سے حجاز خصوصاً یثرب کا رُخ کیا ہوگا جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے منتظر رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے بعد ستاروں کے علم سے یہود نے نبی کی پیدائش کا اندازہ لگا لیا تھا اور اُن کو پا لینے اور اُن کا اتباع کرنے کے لئے اُن کی تلاش میں رہے۔ جب حضور صلعم نو سال کی عمر کو پہنچے تو آپؐ اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ شام کو جانے والے تجارتی قافلہ کے ساتھ تشریف لے گئے۔ راستے میں بُحیرہ راہب نے آپ کو دیکھ کر اور اپنے علوم و حساب کی مدد سے اس کے پاس موجود حلیہ کی تفصیل کے مشابہ آپ کو پایا اور اس نے اعلانیہ آپ کے نبی آخر الزمان ہونے کی تصدیق کی اور حضرت ابو طالب کو آگاہ کیا کہ انہیں شام نہ لے جائیں مبادا انہیں کچھ ضرر پہنچے ـــــ اِن تمام ثبوت کے باوجود چونکہ یہودی فطرۃً سرکش واقع ہوتے ہیں اور پھر جب انہوں نے دیکھا کہ وہ نبی اُن میں سے نہیں بلکہ بنو اسماعیل میں سے مبعوث ہوتے ہیں تو اُن کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی اس لئے جس چیز کی اُنہیں عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے تلاش تھی۔ اُسے پا لینے کے باوجود تعصب تنگ نظری اور فطری کمزوریوں کی بنا پر دینِ اسلام قبول نہ کر سکے۔ اور ریشہ دوانیوں میں مصروف رہے۔

بائبل (انجیل مقدس) میں تبدیلی کے ثبوت

تمام بائبل عبرانی زبان میں نازل ہوئی۔ موجودہ بائبل کا انگریزی ترجمہ جو تمام دُنیا میں رائج ہے کس طرح اصل بائبل کہلا سکتی ہے۔ ایک پیغام اپنی اصلیت پر صرف اُسی وقت تک قائم رہ سکتا ہے جب تک کہ اُسی زبان میں اُسے پڑھا اور سمجھا جائے۔ ترجمہ اور

تفاسیر کبھی بھی اصل عبارت کی روح کو نہیں پہنچ سکتیں اسی لئے قرآن جو کہ تورایت اور انجیل کی طرح الہامی کتاب ہے۔ دُنیا کے کسی بھی گوشے میں جہاں ایک بھی مسلمان آباد ہو خواہ وہاں کی زبان کچھ ہی ہو قرآن کے مطالعہ کے وقت اُسے اصل زبان عربی ہی میں مطالعہ کرے گا ـــــ اسی لئے اس کی اصل روح برقرار ہی اور تا قیامت اس میں تحریف ناممکن ہے

بائبل کے دو حصے ہیں عہد قدیم (old testament) اور عہد جدید (new testament) ـــــ عہد قدیم زیادہ ضخامت میں پائی جاتی ہیں (بیس صحائف) اور اُس کے مقابلہ میں یہی الہامی کتاب عہد جدید کی شکل میں نہایت کم ہے (چار صحائف)

عہد قدیم ـــــــ توراۃ، یہودیوں کے صحائف پر بھی مشتمل ہے جبکہ عہد جدید کو چوتھی صدی عیسوی میں ایپی فینس (Ephhihanius) اور ایتھنا سیس (Athanasius) نے موجودہ شکل میں ترکیب دی (chamber Encyclohedia Bible) حالانکہ عہد قدیم (old testament) ہی پہلی اور دوسری عیسوی میں عیسائیوں کی اصلی مذہبی کتاب تھی۔ اسے یہودیوں نے مندرجہ ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ۱۔ توراۃ (قانون یا شریعت (Law) ۲۔ صحائف انبیاء (Prohhets) ۳۔ صحائف مقدسہ (Hagiographa) یا محض (writings) لہذا توراۃ نہ تو بائبل ہے اور نہ ہی کل عہد قدیم (کیونکہ اس میں اور بھی صحائف ملتے ہیں)۔ توراۃ کو روایتاً موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اُس میں اصل توراۃ پانچ صحائف پر مشتمل ہے جو صحائف موسیٰ علیہ السلام" یا "صحائف خمسہ" کہلاتے ہیں

Marfat.com

۱۔ تکوین (Genesis) جس میں آلِ یعقوب کی اہمیت اور مذہب میں اخلاقی رُتبہ پر بحث کی ہے۔

۲۔ خروج (Exodus) یہ صحیفے ولادتِ موسیٰ، مقدس میثاق وقوانین پر مشتمل ہے۔

۳۔ لاوِیسیس (Leviticus) بنی اسرائیل کے لئے قوانین عبادت ہے۔

۴۔ اعداد (Numbers) اس میں خروج کے واقعات وتاریخ وتبصرہ ہے۔

۵۔ تثنیہ (Deuteronomy) تاریخی پس منظر مجموعۂ قوانین و وفات موسیٰ علیہ السلام

اس طرح کل ملا کر صحائف کی تعداد چوبیس بنتی ہے لیکن انگریزی بائبل میں ان صحیفوں کو مزید تقسیم کر کے ۳۹ صحائف پر شمار کیا گیا ہے لیکن ان ترتیب بھی ردو بدل کی نذر ہوتی رہی ہے۔ مثلاً عہدِ قدیم (Old Testament) کا ترجمہ یونانی زبان میں پہلی اور تیسری صدی ق م کے درمیان کیا گیا۔ تو اُن صحائف کو موضوع کے اعتبار سے ستر مترجموں نے مل کر مکمل کیا تھا (گو یہ بھی غلط ہے) (Septuagint: E.B) یعنی تین حصوں پر مشتمل ہے (۱) تاریخ (۲) اینثار (۳) پیشگوئیاں (Prophecy)

قرآن سے ثابت ہے کہ خدا نے وحی تمام انبیاء پر نازل فرمائی (کَمَا اَوْحَیْنَا اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِہٖ) موسیٰ علیہ السلام کے بعد دو صحیفے زبور اور انجیل نازل ہوئے۔ لیکن شریعت موسوی جو کہ توراۃ میں نازل ہوئی برقرار رہی۔ قرآن کی رو سے ثابت ہے کہ توراۃ چالیس دنوں میں نازل ہوئی۔ قرآن کے علاوہ کوئی مذہبی کتاب ایسی نہیں جس نے توراۃ کی تعریف کی ہو لیکن پھر قرآن نے اعلان کردیا کہ بنی اسرائیل اپنی سرکشی اور قتل انبیاء کی بنا پر مردود و مغضوب ہوگئے (قرآن سورۃ

۱۵۵ تا ۱۵۰) ـــــــ متی (بائبل ۲۳ : ۳۳ تا ۳۹) ـــ (اشعیاء ۴۲ تا ۴۴ اور آرمیا ۹ : ۸ تا ۱۵) جہاں اُن کے اِس قسم کے اعمال اور اُن کے کرتوت کی وجہ سے انہوں نے تورایت کو محرف اور متغیر کر کے اس کو اصلی وحی کی حالت میں قائم نہیں رکھا (سورۃ ۵ : ۱۴ اور سورہ ۴ : ۴۵) اسی طرح عہد قدیم کے ذکر صحائف سے متشرح ہوتا ہے کہ تحریف کا آغاز بہت ابتدائی زمانہ سے ہونا شروع ہوا۔ بعض انبیاء بنی اسرائیل نے خود اعتراف کیا (اشعیاء ۲۸ : ۵-۱ ارمیاء ۲۳ : ۳۶) لیکن یہود ونصاریٰ اُسے اصل وحی لفظ بلفظ ثابت کرتے ہیں۔

آریگن ۱۸۵ تا ۲۵۴ (origen پہلا عیسائی عالم ہے جس پر صاف طور پر منکشف ہوکہ بائبل خصوصاً "عہد قدیم" میں بعض عبارتیں ایسی ہیں جو یا تو معنوی اعتبار سے صحیح نہیں یا اخلاقی اعتبار سے پست و مذموم ہیں (E.B. Bible) لیکن اس نے فیلو (Philo) کا طریقہ تمثیل (Method of Allegory) کر کے اپنی تسلی کی ـــ یہی بظاہر الفاظ سے ماوراء معنی آگسٹس (Augustine) (۳۵۴ تا ۴۳۰) اور ٹامس ایکوناس (Aquinos) (۱۲۲۵ تا ۱۲۷۴) نے اختیار کیا E.B Bible) یہود ونصاریٰ نے اس نظریہ میں سولہویں صدی کی مسیحی اصلاح تحریک (reformation) تک کوئی شک وشبہ نہیں کیا۔ سوائے پورفری (Porphyry) (۲۳۳ تا ۳۰۴) نے خیال ظاہر کیا تھا کہ صحیفہ دانیال (Daniel) (بابل) کی جلاوطنی کے زمانہ میں نہیں لکھا گیا بلکہ چار صدی بعد ضبط تحریر ہوا تھا۔ اسی طرح ہسپانوی عالم دین عزراء ۱۰۹۲ تا ۱۱۶۷ نے تحقیق کی کہ صحائف خمسہ Pentateuch موسیٰ علیہ السلام کے بعد کی تالیف ہیں۔ اس طرح تنقیدی مطالعہ تاریخ دور جدید کے

Marfat.com

علوم اور فلسفہ نے قوتِ فکر کو آزاد کیا۔ اور حقائق سامنے آئے۔ فرانسیسی عالم کاپلو
(Capellus ۱۶۲۴) نے ثابت کیا کہ تورات کا اصل عبرانی متن بغیر ماسوری
(Massoretic) اعراب کے اور طریقوں پر بھی پڑھی جا سکتی ہے نیز یہ کہ جو عبرانی متن
موجود ہے وہ بھی حتمی طور پر صحیح نہیں ہے۔ ایک اور فرانسیسی عالم موریئنز (Morinus
۱۶۳۳ نے ثابت کیا کہ یونانی سبعین (septuagint) کی عبارت اکثر جگہ عبرانی متن
سے زیادہ صحیح ہے۔ ایک اور عیسائی عالم رچرڈ سائمنیں (Richard Simon
۱۸۸۵) نے یہ نظریہ پیش کیا کہ بائبل کا مطالعہ تاریخی تنقید کے اصولوں پر ہونا چاہیے۔
اس طرح تنقید کی ابتداء ہوئی اور ایک فاضل جرمن عالم ریمارس (Reimarus
نے ۱۷۷۴ میں ایک ضخیم کتاب میں بائبل کی منزل من اللہ (Revelation)
ہونے سے انکار کیا۔ ایک اور جرمن عالم لیسنگ ۱۷۲۹-۸۱ (Lessing) نے
بھی دعوے کیا کہ واقعات مندرجہ بالا اعتبار سے محقق نہیں ہیں۔ لہذا کسی مذہبی عقیدے
کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ اس تنقید کا سترھویں اور اٹھارھویں صدی کا زمانہ نہایت
اہم ہے جبکہ فلاسفر مثلاً سپنوزا (Spinoza) وہابس (Hobbes) خاص
طور پر قابل ذکر ہیں۔ جدید تنقید اور تحقیق نے ثابت کر دیا کہ موجودہ تورات بعد دیگر صحائف
عہد قدیم مذہبی عقیدے کے اللہ کا کلام نہیں بلکہ انسانوں نے مختلف زمانوں میں
تالیف و تصنیف کیا موجودہ تورات موسیٰؑ کے بعد کی تالیف ہے۔

علی ھذا القیاس بائبل کی ہر کتاب و صحیفہ بلا استثنیٰ انسانی تالیفیں ہیں جو
ان نبیوں کے بہت بعد کے زمانہ میں مرتب ہوئیں۔ اور یہ قرآن سے بھی واضح
قرآن سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تورات حوادث زمانہ کے ہاتھوں گئی یا تلف ہو

Marfat.com

در اصل اِن حوادثات کی تاریخ وہ ہے جو یہودی قوم پر متعدد بار نازل ہوئی۔ مختصراً ۷۰۵ ق م سے ۱۳۵ء تک فلسطین متواتر مختلف حملہ آوروں اور فاتحین کی جولان گاہ بنا رہا۔ اس میں سناخریب Senacherib اور بخت نصر قابل ذکر ہیں جنہوں نے یروشلم کو تباہ کیا۔ اس تباہی میں توراۃ بھی خاکستر ہوگئی تھی اور یہودیوں کو مملکت بابل میں جلاوطن کر دیا اس کے بعد یہودی واپس فلسطین آئے ۵۳۸ ق م کے ایران و روما سکندر اعظم کے زیر نگیں رہا ——— ۶۳ ق م میں پامپی Pompey نے یروشلم فتح کیا۔ ہیکل دوبارہ تعمیر ہوا۔ پھر ۷۰ء میں ٹائیٹس Titus نے معبد ہیکل Temple synagogue) کو تباہ کیا۔ پھر ہیڈرین Hadrian نے یہودیوں کی جداگانہ حیثیت کو فنا کیا ——— اس سے ظاہر ہے کہ یہودیوں کے اصل صحائف مقدس ان حوادث زمانہ کی نذر ہو گئے اور بعد میں تالیف و مرتب ہوئی ——— (قرآن کی طرح نوطیت زبانی حفظ نہ کرتے تھے اس طرح اس کو دوبارہ اصلی شکل میں تالیف کرنا ناممکن ہے) عام خیال ہے کہ عزرا Ezra نبی اُن کو دوبارہ معرض وجود میں لائے اور مستند قرار دیا ایک روایت ہے کہ عزرا نے ۹۴ صحائف کو چالیس دن میں پانچ کتابوں میں دوبارہ لکھوایا (۲۴ صحائف عہد قدیم اور ستر صحائف جو بعد میں غیر مستند Apocryphal قرار دیئے گئے) لیکن یہ ——— بھی افسانہ ہے یہ ظاہر ہے کہ عزرا نے منقول کیا ہوگا نہ کہ پھر وحی سے نازل ہوا اور عزرا کے بعد تین بار پھر تباہی آئی لیکن یہ نقلی حالت میں ہم تک پہنچ گئے۔

اس کتاب مقدسہ کا عبرانی متن جو اس وقت مخطوطات اور مطبوعات کی شکل تک پہنچی اور ساتویں صدی کے درمیان متعین کیا گیا۔ عبرانی متن کو منضبط کرنے

کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ اصل عبرانی کتاب Script میں حرکات نہیں ہوتی تھیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ایک زمانہ گزرنے کے بعد الفاظ اور عبارتوں میں غلط معانی ہونے لگا۔ کیونکہ یہ مختلف طریقوں سے پڑھے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا علمائے یہود نے پانچویں اور نویں صدی عیسوی کے درمیان علامات و حرکات یعنی Accents Vowel signs ایجاد کئے۔ لہٰذا اس طرح معنوں کے تعین کرنے اور تاویل کا بہت دخل ہوا۔ موجودہ عہد میں بہت سی ایسی مثالیں ایسی ہیں جن میں غلط حرکات لگ جانے سے عبارت بے معنی ہو گئی ہے ـــــ بہر حال بڑا کام یہ کیا گیا کہ عبرانی میں انہیں متعین کر دیا گیا۔ اس متن کو massoretice text کہتے ہیں۔ عہد قدیم کا قدیم ترین نسخہ عبرانی قلمی نسخہ ۹۱۶ عیسوی میں تحریر ہوا۔ دوسری صدی عیسوی سے قبل جو مخطوطات تھے وہ ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں ـــــ سامری توراۃ Samartan versions اور خصوصاً یونانی سبعین Septuagint کی قدیم روائتیں ہم تک پہنچتی ہیں۔ اُن کے اختلاف کا ثبوت ملتا ہے۔ عبرانی متن میں ایسے آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ جن سے یہ بھی ہوتا ہے کہ اوائل زمانہ میں مختلف وجوہ کی بنا پر متن میں رد و بدل کرنا جائز سمجھا جاتا تھا ـــــ اتنا تو علمائے یہود تسلیم کرتے ہیں کہ توراۃ میں اٹھارہ جگہ ایسی ہیں جہاں اوائل زمانہ میں کاتبوں نے عمداً تبدیلیاں کیں جن کا ثبوت ہمارے پاس ہے۔ اس کے علاوہ کتنے تغیر و تبدل کا ثبوت حکایتیں ہیں۔ اس ماسوروی متن کے علاوہ قدیم زمانہ میں اور بھی علامتیں تھیں جواب ناپید ہیں۔ اور یہ روائتیں ایک دوسرے سے اہم اختلاف رکھتی ہیں۔

حوالہ Literature of the O.T: E.B. Bible_materially (Bower)

جدید تحقیق و تنقید نے یہ ثابت کر دیا کہ توراۃ مع مختلف صحائف وحی اللہ کی جانب سے نہیں جہاں تک یہود و نصاریٰ کا تعلق ہے پوپ لیو سیزدہم ۱۸۷۸ تا ۱۹۰۳ XIII Leo نے حال ہی میں ان کا موقف واضح کر دیا کہ یہ مطلق غلط اور ممنوع ہے کہ وحی کو کتاب مقدسہ میں فقط چند مقامات کے لئے محدود کر دیا جائے۔ یا یہ تسلیم کیا جائے کہ کسی صحیفہ کے مصنف سے غلطی سرزد ہوئی ہے ــــــ یہ اعلان ایک خاص فرمان میں کیا تھا۔ جمہور نصاریٰ (رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ) نے تا حال اختیار کیا ہوا ہے

(E.B. Bible)

"It is absolutely wrong and forbidden either narrative inspiration to certain parts only of Holly scripture or to admit that sacred writer has erred."

لیکن اب بھی یہود و نصاریٰ اتنی تحقیق کے ہوتے ہوئے بھی قرآنی دعوے کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے بلکہ اکثر نے تو قطعی طور پر وحی سے انکار کر دیا چہ جائے کہ وہ تسلیم کرتے کہ توراۃ لفظاً و معناً منزل من اللہ ہے۔

اس مادہ پرستی کے زمانہ میں بھی بعض لوگوں کی کوتاہ بین نظریہ دیکھنے سے قاصر رہی کہ جہاں توراۃ میں انسانی ہاتھوں کی لکھی ہوئی تحریریں موجود ہیں وہاں اس میں اب بھی وحی الٰہی کے جواہر ریزے تک رہے ہیں جن کی تصدیق اور بعض تحریف شدہ بیانات کی تصحیح قرآن کریم کرتا ہے (سورۃ طٰہٰ: ۴۸ اور سورۃ ۲۶:۱۲۷) قرآن نے توراۃ میں داخل غلط باتوں کی تصحیح کی مثلاً قرآن کریم نے انبیاء کے متعلق جو نازیبا باتیں اس

وقت توراۃ میں درج ہیں انکا صحیح مقام دنیا کو دکھایا ـــــــ مثلاً اس میں اکثر ایسی ہیں جنہیں کوئی مسلمان زبان پہ لانا بھی گوارہ نہیں کرتا۔ مثال کے طور پہ یہ قطعات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ تکوین ، ۳۴ (متعلق ہارون علیہ السلام)

۲۔ سیموئیل ۱۱ : ۲ تا ۱۳ (متعلق داؤد علیہ السلام)

۳۔ اسلوک ۱۱ : ۴ (متعلق سلیمان علیہ السلام)

۴۔ تکوین ۱۹ : ۳۱ تا ۳۴ (متعلق لوط علیہ السلام)

۵۔ تکوین ۲۷ (متعلق یعقوب علیہ السلام) وغیرہ

جب کتاب مذکور نے ان نبیوں کی عظمت سے انکار کیا اور نبوت سے انکار کیا تو قرآن نے تصدیق کی ـــــ بروقت ظہور اسلام یہودیوں کے پاس کچھ اصل توراۃ موجود تھی۔ لہذا بعد ازاں توراۃ کا بقایا حصہ بقول قرآن سورۃ ۵ : ۴۳ اور سورۃ ۵ : ۴۴ کا محافظ قرآن بنا دیا ـــــ یہ قانون قدرت ہے کہ جب کسی چیز کی افادیت ختم ہو جاتی ہے تو وہ بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اور بنی نوع بشر کے لئے جو چیز مفید ہوتی ہے وہ باقی رہتی ہے۔

وَاَمَّا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ ۔ سورۃ ۱۳ : ۱۷

اور جو چیز انسانوں کو نفع دیتی ہے وہ زمین میں قرار پکڑتی ہے۔

(ماخوذ۔ اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام پنجاب یونیورسٹی لاہور باب توراۃ)

Marfat.com

اِسلام

(تصوّرِ وحدانیت)

اشیائے کائنات پر غور فرمائیے یہ ابتدائے آفرینش سے ایسی نہیں تھیں جیسی آج نظر آرہی ہیں۔ سورج، چاند، ستارے، زمین پر خشکی تری، پہاڑ اور صحرا وغیرہ ابتدا میں کچھ تھے اور اُس کے بعد نامعلوم کتنے ارتقائی منازل طے کرکے موجودہ شکل کو پہنچے اور نامعلوم کتنے مزید مراحل طے کرکے انجام کو پہنچیں گے۔ کائنات کی ساری تگ وتاز اور سعی وکاوش "رب" سے ہوتی ہے کیونکہ سب کچھ قانون خداوندی کے مطابق سرانجام پا رہا ہے اور یہی "رب العٰلمین" کے معنی ہیں اسی لئے وہ درخود ہزار حمد وستائش ہے۔ لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ ذہنی اختراع اور بعض نظریات نے کسی بھی ایسے "رب العٰلمین" کی حیثیت سے مطلق انکار کردیا اُن کے نظریہ کے مطابق یہ دنیا ومافیہا آپ ہی آپ وجود میں آگئے

اور اس کائنات کا خدا اور رب خود انسان ہے ـــــ اگر ہم تعصب سے بالا اور ذہن کو ہر نظریہ سے آزاد کر کے غور کریں تو خدا کے وجود کو ثابت کرنا ذرا بھی مشکل نہیں۔

گو خدا کا وجود کسی مادی طور پر ثابت کرنا ناممکن ہے لیکن مظاہر اور اثرات سے بہت حد تک ممکن ہے ـــــ کیا کسی نے بجلی کو دیکھا ہے؟ جس طرح بجلی نظر نہیں آتی لیکن ہم پنکھا چلتے دیکھ کر یا روشن بلب سے اندازہ لگاتے ہیں کہ اُس کی پشت پر کوئی قوت کارفرما ہے اسی طرح کیا مٹھاس مٹھائی سے علیحدہ یا مٹھائی سے باہر کوئی وجود رکھتی ہے؟ کیا خوشبو کی پھولوں اور عطر سے باہر کوئی ہستی ہے؟ اگر آپ ان سوالات کا جواب دیں تو خدا کی ہستی ایک الگ حقیقت کی حیثیت سے مسلم ہے۔ پھر یہ بھی سوچئے کہ کیا ہر شئے بذات خود کوئی وجود رکھتی ہے یا انسانی ذہن کے ذریعہ وجود میں آتی ہے۔ اس سلسلہ میں اگر ہم تسلیم نہ کریں کہ مٹھاس ایک تجرید (abstraction) ہے لیکن اُس کا وجود کسی کے ذہن سے باہر نہیں۔ مندرجہ بالا امثال سے یہ بھی ثابت ہو سکتا ہے کہ خدا کا موجودہ تصوّر انسانی ذہن تک محدود ہے۔ تو ہم جواباً عرض کریں گے ـــــ فرض کیجئے آج دُنیا بالکل تباہ ہو جائے اور ایک ذہن بھی وجود میں نہ رہے تو اس کا مطلب ہوا کہ اس تصوّر (خدا کے وجود) کا بھی تہس نہس ہو جائے گا اس طرح یہ نظریہ اصل نکتہ تک رسائی نہ پا سکا ـــــ اپنی فناہ اور بے بسی کو ناگزیر پا کر انسان نے ہمیشہ طاقت اور اس کے مظاہر کی پرستش کی۔ اُس نے سانپ کو پوجا۔ لیکن جلد ہی دیکھا کہ سانپ فنا ہو جاتا ہے۔ پھر اُس نے آگ کی پرستش کی جو کہ تباہ کن تھی لیکن آگ بھی پانی سے زیر ہو گئی۔ اُس نے سورج کی عبادت کی ـــــ لیکن سورج پر بھی مات غالب آجاتی ہے۔ بالآخر اُسے خیال آیا کہ مکمل ہستی وہ ہو گی جس میں یہ سب صفات ہوں لیکن وہ خود فنا سے بالاتر ہو۔ چونکہ علم کی حدود میں ایسی ہستی موجود نہ تھی۔ اس لئے انسان نے فیصلہ کیا کہ حواس اور علم کی حدود سے بالا ایک ایسی مکمل ہستی ہیں یقین رکھے

جو فنا سے مُبرّی اور سب صفات سے متصف ہوتا کہ اس کائنات میں کچھ معنیٰ پیدا ہوں ——
اس طرح اللہ تعالیٰ کا وجود اظہر من الشمس ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اپنا اقتدار اعلیٰ (Sovereignty) لوگوں کے ذہنوں میں راسخ کرنے اور اصلاح اقوام کے لئے اپنے نیک اور صالح بندوں کی خدمات سے فائدہ اٹھا کر انسان کو روحانی قدروں سے آگاہ کیا اور اپنی وحی (guidance) کے ذریعہ قوموں کو ایک لائحہ عمل دیا —— اس طرح اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں یہ بھی واضح فرماتا ہے کہ وہ "وحدہٗ لاشریک" ہے اس کے سوا کوئی مشکل کشا نہیں۔ کوئی نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان —— وہی خالق ہے —— وہ ہی رازق ہے اور حاجت روا بھی —— وہ جو چاہے تو کسی کی مجال نہیں کہ روک سکے اور اگر نہ دے تو کوئی دلوا نہیں سکتا —— ہر جاندار کی حیات و ممات اُس کے قبضہ میں ہے —— دونوں جہان اس کے حکم سے برسرِ پیکار ہیں —— "حیّ" صرف وہ ہی ہے "قیوم" صرف اسی کی ذات ہے —— اجرامِ فلکی، دریا، پہاڑ، سمندر اور ہوائیں سب اسی کے حکم سے عمل پیرا ہیں تمام کائنات پر اسی کی حکومت اور خدائی ہے اس میں کوئی شریک و ساجھی نہیں —— وہی "عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ" ہے —— کونین کی تمام مخلوق اُس کی تابع اور محتاج ہے اور اس کے سوا کوئی انسان ایک مکھی یا جھنگے تک کو پیدا نہیں کر سکتا۔ پیدا تو کیا اگر وہ ان سے کچھ لے اڑے تو اُن سے واپس لینے کی طاقت تک نہیں رکھتا۔

مشیّتِ ایزدی اور اختیارِ انسانی

انسان کو جہاں کچھ اختیار حاصل ہے وہاں وہ مشیتِ ایزدی کے آگے سرِ خم کئے بغیر صحیح مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں سطحی مطالعہ رکھنے والے اکثر علماء مسئلہ تقدیر و تدبیر کی تشریح و توضیح کرنے سے کتراتے ہیں یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کا حل نکالنے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے زندگی کا اصل مقصد اُس کے سامنے آجاتا ہے —— جہاں

تک تقدیر کا تعلق ہے انسان تقدیر کے ہاتھوں ہی مجبور نہیں کیونکہ اگر انسان نوشتۂ تقدیر کے مطابق اس دنیا میں پیدا کیا گیا ہوتا تو پھر کشمکش حیات چہ معنی دارد ؟ ـــــ اگر ہر فعل خواہ بُرا ہو یا بھلا تقدیر کے ہاتھوں لکھا ہوتا کہ پتّا بھی نہیں ہلتا بغیر اُس کی رضا کے" ـــــ تو پھر انسان لاچار اور بے بس ہُوا یعنی جو خدا چاہتا ہے وہی انسان سے سرزد ہوتا ہے ۔ اور اس طرح بندہ بے اختیار ہے تو پھر "جنت و دوزخ کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے ؟" اور جزا اور سزا انسان کے لئے کیوں مقرر کی گئی ؟ پس مجبور انسان سے ایک عمل کرا کے (اضطراری کیفیت) اُس کو سزا بھی دی جائے تو خدائے تعالیٰ "رحمٰن" اور "غَفُوْرٌ رَّحِیْم" کیوں کہلائے ؟

مسئلۂ تقدیر و تدبیر کا حل اِن دونوں کے درمیان ایک میانہ روی ہے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ نہ تو تمام افعال اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجودِ انسانی سے سرزد ہوتے ہیں اور نہ بندہ مطلق بے اختیار ہے اور نہ ہی یہ کہ انسان ہر فعل میں اختیارِ کل کا مالک اور اللہ کی مشیت کا بالکل اس میں دخل نہیں ۔ مشیت کا تعلق جہاں تک ہے وہاں ایک فعل مشیت ایزدی کے حکم سے پورا ہوتا ہے اور جہاں تک اختیار انسانی کے بس میں ہے وہاں انسانی جدوجہد و کشمکش حیات فرما ہوتی ہے اور بعض افعال ایسے بھی سرزد ہوتے ہیں جن میں اختیار اور مشیت دونوں کا دخل ہوتا ہے جیسے کوئی شخص تنگ دست ہو یا اُس کے ہاں اولاد نہ ہو گویا کہ اُسے مشیت ایزدی سے یہ چیزیں حاصل نہ ہوں اور نہ اُس آدمی کی اپنی کاوشیں کامیابی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ہوں ـــــ ایسی صورت میں اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور اختیار و مشیت کی ہم آہنگی سے مقصد حل ہو جانا تیسری شکل ہے ـــــ گویہ حقیقت ہے کہ لوحِ محفوظ جس میں اللہ تعالیٰ نے سب کچھ لکھ رکھا ہے (حوالہ سورۃ الانعا

Marfat.com

۵۹) یا غیب کی چابیاں ہیں جسے کوئی نہیں جانتا بلکہ تمام کتاب مبین میں مرقوم ہیں (سورۃ فاطر آیت ۱۱)

انسان کی تقدیر انسان کی پیدائش سے قبل اللہ تعالیٰ کا ایک اندازہ ہے اُس بندے کے لئے جو کچھ لکھ دیا گیا وہ محفوظ ہے اس انسان کے اوپر جبر نہیں بلکہ اندازہ تقدیر ہے جو اُس کے عالم الغیب ہونے کی دلیل ہے اس طرح واقعات زندگی جو انسان کو پیش آتے ہیں خدا تعالیٰ کے اندازے کے مطابق ہوتے ہیں اور یہ اندازے اللہ تعالیٰ بعض وقت دعاؤں کے طفیل بدل دیتا ہے، لہٰذا اس اندازے کو اللہ تعالیٰ سے "جبر" کا نام دے کر منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ ماسوائے اُن کے جو مشیت الٰہی کے تابع ہیں جسے کوئی طاقت ٹال نہیں سکتی باقی میں انسان کو اختیارات حاصل ہیں (سورہ الکہف آیت ۲۹)

"پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے"

اس آیت الٰہی کی رو سے انسان جو عمل دنیا میں کرے گا اُس کا بدلہ اُسے عاقبت میں ملے گا۔ اور جزا و سزا کا مستحق گردانا جائے گا۔

مشیت ایزدی و تقدیر کا جہاں تک تعلق ہے انسان مجبور اور بے اختیار ہے (سورۃ ابراہیم آیت ۴) "پس گمراہ کر دیتا ہے اللہ جسے چاہے اور ہدایت کرتا ہے جسے چاہے" (سورۃ الدھر آیت ۳۰) "تم چاہ نہیں سکتے کوئی بات مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے" ——— لیکن اللہ تعالیٰ نے صرف چند امور میں ہی انسان کو پابند کیا ہے جس میں انسانی تدابیر ناکام ہوتی ہیں اور باقی تمام حالات میں انسان کو دنیا میں اختیار دے دیا گیا کہ وہ جو کمائی کرے ——— مشیت ایزدی یا تقدیر کے مندرجہ ذیل امور میں انسان مجبور ہے یعنی ——— خدائے تعالیٰ کا فضل و کرم ——— ہدایت و گمراہی ——— انسان کی پیدائش و موت ——— عذاب

Marfat.com

الٰہی ــــــ علمِ غیب ــــــ اور معجزات ۔ اِلّا ماشآءَ اللّٰہ اِن امور میں انسان مطلق تابعِ تقدیر ہے مگر اللہ چاہے تو کُنْ فَیَکُوْنُ ؕ ــــــ وہ قادرِ مطلق ہے ۔

انسان اِن امور کا حشر کے دِن جواب دہ نہ ہوگا۔ باقی آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک اولادِ آدم کو ذاتی اختیارات کا حامل بنایا چونکہ انسان اپنے اختیار، تدبیر اور کشمکشِ حیات کے چکر میں برسرِ پیکار ہے ادھر شیطان بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے انسانی اعمال کے سرزد ہونے میں دخل انداز ہوتا ہے کیونکہ اس نے انسان کو بھٹکانے کا وعدہ لیا ہے لیکن خدائے تعالیٰ نے ساتھ ہی فرمادیا کہ جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہ چلے گا اور جو تیری (شیطان کی) پیروی کریں گے تجھ سمیت اُن سے دوزخ کو بھر دوں گا ــــــ پس جب انسان کے اختیار میں اپنا سنوارنا اور بگاڑنا موقوف ہے تو اُسے چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرے دین اسلام کی صحیح اسپرٹ کو سینے میں بسائے اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی نئی راہیں نکالے کیونکہ بُرائی لیکر کے فقیر بنے رہنے کے اُس کو سوائے ذلت، خواری، جہالت، غلامی اور انحطاط کے علاوہ کچھ بھی نہ ملے گا۔ آج ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ اسلام ہی دنیا کو نجات، امن، خوشحالی اور انسانیت کی معراج سے ہمکنار کرا سکتا ہے جو کہ عیسائیت، ہندومت، بدھ مت، کیمونزم یا دہریت سے ممکن نہیں ہمارے سامنے رسولِ مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اسوۂ حسنہ موجود ہے ہمیں صحابۂ کرام کا کیر یکٹر مجاہدینِ اسلام کی جوانمردی ہمت اور عزم اور شہیدِ کربلا سے قربانی کا درس حاصل کرنا ہوگا۔ تب ہی اسلام کی سربلندی ہوگی ۔

Marfat.com

تصوّرِ رسالت

اُسوۂ حسنہ حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم مغربی علماء و مستشرقین کی نظر میں

ابتدا میں اِن باتوں کا اظہار کر دینا نہایت ضروری ہے زیرِ نظر سطور حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بابرکت ذاتِ گرامی کی مناسبت سے مختلف امور کے تحت ضبطِ تحریر میں لائی گئی ہیں۔ اس میں حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مقدس تعلیم کا ضمناً ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کے مقام کو دیگر لوگوں کی نظر میں اجمالاً بیان کیا گیا ہے تاکہ بوقتِ مطالعہ اس امر کا اندازہ ہو سکے کہ آپؐ کو دُنیا کس نظر سے دیکھتی اور آپؐ کے بارہ میں کیا کچھ خیالات رکھتی ہے۔

آج کے موجودہ دَور میں انسانیت جس کرب و بلا میں تڑپ رہی ہے اور اپنی بے بسی کے جس نازک دَور سے گزر رہی ہے اُس کی حالت نہایت ہی قابلِ رحم ہے۔ اگر انسانیت کی اس بیماری کا علاج نہ کیا گیا تو پھر کوئی طاقت ایسی نہ ہوگی جو دنیا کو تباہ و برباد ہونے سے بچا سکے ——— فی زمانہ انسانی حقوق کی پامالی سے اندازہ لگایا جانا آسان ہے کہ ہر بڑا اپنے چھوٹے کے حقوق پر بڑی دھٹائی سے ڈاکہ ڈال کر اپنی مطلب برآوری سے صرف مطمئن ہی نہیں بلکہ پوری طاقت سے عمل پیرا رہنے کا عزم کیے ہے۔ آئے دن مختلف الخیال لوگ باہمی اتفاق سے اس اندھیر گردی کو دُور کرنے کے بارے میں سوچ بچار کر کے انسانی حقوق کے اعلانات کرتے ہیں لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو خود ہی اُن کی خلاف ورزی میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ الجزائر، کشمیر، فلسطین وغیرہ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں ———

انسانی حقوق کا چارٹر موجود ہے اُس پر تبصرہ بھی ہوتا ہے انسانی حقوق کی نگہداشت کے لئے

Marfat.com

اُس کی تشہیر بھی خوب کی جاتی ہے۔ مثلاً جب فرانس کی حکومت نے حقوقِ انسانی کے تحفظ کے لئے " انسانی حقوق کا چارٹر (The declaration of the right of man) منظور کیا تو یورپ کے مشہور مورخ لارڈ ایکٹن نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا" یہ کاغذ کا پرزہ دنیا بھر کے کتب خانوں سے زیادہ وزنی اور نپولین کی قشونِ قاہرہ سے زیادہ پُرشکوہ" ــــ لیکن کیا موصوف کا یہ تبصرہ ایک مبالغہ آرائی پر منتج نہیں ہوتا جبکہ فرانس ظلم و تشدد میں اپنی مثال نہیں رکھتا ــــ کیا الجزائر میں مظلوم مسلمانوں پر چیرہ دستیاں اِن انسانی حقوق کی دھجیاں ہوا میں نہیں بکھیرتیں؟ اس طرح اقوامِ متحدہ کا انسانی حقوق کی حفاظت کا اعلامیہ بے مقصد نہیں ہو جاتا؟ جبکہ کسی بھی ملک میں اُس کا احترام نہیں کیا جاتا، چہ جائے کہ اُس پر عمل کیا جاتا۔ اگر مشاہیرِ عالم بنظرِ عمیق آج سے چودہ سو سال قبل کا مطالعہ کر سکنے کا جذبہ رکھ کر اُس محسنِ اعظم کے اُس ذی شان خطبہ پر ایک نظر دوڑائیں تو اُنہیں آج تک کی مختلف اقسام کے انسانی حقوق کے اعلانوں سے زیادہ کارآمد سہل اور قابلِ عمل وہ خطبہ نظر آئے گا جسے تاریخ اسلام میں خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس کے مقابلہ میں انسانی حقوق کے یہ بودے چارٹر کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ تاریخ کی ورق گردانی کر لیجئے لیکن سیاہ اوراق اِس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ اگر حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اُس چارٹر کے بارہ میں اس طرح اظہارِ خیال کیا جائے تو کوئی مبالغہ آرائی نہ ہو گی۔ کہ چرخِ گردوں کی کج بینی اور رفتارِ زمانہ کے ناسا عدات کے باوجود انسانیت کو اعلیٰ و ارفع مقام پر پہنچانے کے لئے اس خطبہ سے زیادہ پُردرد، پُراثر اور پُرخلوص آواز کسی کے ذہن سے نہ نکل سکی ــــ دُنیا کی کسی بھی ہستی نے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بڑھ کر انسانی حقوق کے سلسلہ میں کوئی

Marfat.com

چیز پیش نہیں کی اور نہ ہی آئندہ کسی سے توقع ہو سکتی ہے۔ کیونکہ آپ کی ذاتِ بابرکات ہر لحاظ سے تمام اشخاص سے مکمل اور ارفع ہے۔ انسانی حقوق جن کا ذکر بار بار آئے دِن آتا ہے بغیر کسی راہبری کے تحفظ میں قطعاً نہیں آسکتے۔ اگر راہبر ہر طرح سے بلند اور اکمل ہوگا تو اس کی تعلیمات ادھوری نہ ہونگی۔ چنانچہ اس خیال کی ترجمانی پروفیسر باسورتھ اس طرح کرتے ہیں کہ "بلاشک حضرت محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) خدا کے رسول ہیں اور اگر پوچھا جائے کہ افریقہ بلکہ دُنیا کو مسیحی مذہب نے زیادہ فائدہ پہنچایا یا اسلام نے تو جواب میں یہی کہنا پڑے گا کہ اسلام نے" ـــــ اسلام کی سربلندی جس محنت و جانفشانی سے کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو قرآنی ضابطۂ حیات کے سانچے میں ڈھالا اُس سے آپؐ کا مقام تمام انبیاء میں افضل ہوگیا۔ آج کی مہذب دنیا میں بڑے بڑے فلاسفر، شعراء ادباء، سیاستدان اور مصلح حضرات کے درمیان حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شان مبارک اُس منور خورشید کی مانند ہے جس کی تابانی سے کل عالم افادہ کرتا ہے یا اُس کی مثال اُس ہیرے کی مانند ہے جو پتھروں کے درمیان اپنی آب و تاب اور چمک دمک میں نظیر نہیں رکھتا!

اِس صدی میں جمہوریت کا بول بالا ہے۔ ہر وہ ملک مہذب ملک کہلاتا ہے۔ جہاں جمہوری طرزِ حکومت ہو۔ جمہوری سیاست دانوں اور فلاسفروں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اُن کو دُنیا کے بڑے بڑے لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے جمہوریت کے زندہ کرنے والوں کو پیغمبر جیسا رتبہ عطا ہوتا ہے لیکن اُس شخص کی طرف بھی کسی نے نظر اٹھا کر دیکھا جو کہ آج سے چودہ سال قبل دورِ جہالت میں بھی جمہوریت کا دلدادہ تھا اگر مبالغہ نہ ہو تو کوئی شک نہیں کہ محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم میں وہ پہلے شخص کے جنہوں نے دنیا

Marfat.com

کے تختے پر جمہوریت کی پہلی بنیاد رکھی۔ اور اُس جمہوریت کی مدد سے جاہلیت اور کفر کو مٹانے کی سعی کی۔ اس کی جگہ نئی تہذیب، نیا تمدن اور نیا سماج عالم وجود میں آیا جس کی نظیر آج کل کوئی بھی جمہوری ملک پیش نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کوئی جمہوری ملک بھی آنحضرت صلعم کی جمہوریت کی کسوٹی پر پورا نہیں اُترتا۔ پروفیسر مارگیولتھ فرماتے ہیں کہ ——

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد اُن کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہا۔ آپ ایک سلطنت کی بنیاد ڈال چکے تھے جس کا ایک سیاسی اور مذہبی دارالخلافہ مقرر فرمایا۔ آپ نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا اور عرب کو ایک مشترکہ مذہب عطا کیا اُن میں رشتہ اخوت قائم کیا جو دیگر رشتوں اور خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم تھا" —— اسی لئے اسلامی نظریہ حکومت اور اس کی جمہوری خوبیوں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اسلام کی ہمہ گیر اور سیلانی طاقت کا مطالعہ فرمانے کے بعد جارج برنارڈ شا فرماتے ہیں۔

"آنے والے سو سالوں میں ہماری دنیا میں صرف مذہب اسلام ہی ہوگا" —— اسی قسم کے خیالات کا اظہار رابندر ناتھ ٹیگور کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"وہ وقت دور نہیں جب کہ اسلام اپنی ناقابلِ انکار صداقت اور روحانیت کے ذریعہ سب کو اپنے اندر جذب کرے گا اور وہ وقت آنے والا ہے جبکہ اسلام ہندو مذہب پر غالب آجائے گا اور ہندوستان میں صرف ایک ہی مذہب اسلام ہوگا"

خیر و فلاح اور تعمیر و بناؤ کی مہم میں حصہ لینے والے تاریخی ہیروز کی صفوں کا جب بھی جائزہ لیا جائے اُن میں انبیاء و رسل کی صفِ اوّل اپنی امتیازی شان کی وجہ سے پیش از پیش خراجِ عقیدت حاصل کرتی۔ اور چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سب انبیاء و رسل سے افضل ہے اور حقائق واضح طور پر آشکارا ہیں کہ دنیا آج تک اس جیسا جلیل القدر شخص

پیدا نہ کر سکی۔ انبیاء کرام کا ذکر کر دینے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی ممیز ہو جاتی ہے کیونکہ جو تعلیم دیگر انبیا نے فرداً فرداً دی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجموعی طور پر اسے عالم کے سامنے پیش فرمایا اور اس طرح اپنی برتری کا انمٹ ثبوت مہیا کیا۔ اور اس سلسلہ میں آپؐ نے خود فرمایا کہ جتنی تکلیف مجھے پہنچائی گئی ہے اتنی کسی کو نہیں پہنچی ——— حضرت نوحؑ کے ساتھ اُن کی قوم نے کیا سلوک کیا اور اُن کا انجام کیا تھا؟ ——— حضرت ہُود اور حضرت صالح علیہ السلام جو سچائی اور نیکی کی دعوت دیتے تھے مگر قوم کا کیا رویہ تھا اور وہ قوم آخر کار کس انجام کو پہنچی؟ ——— حضرت ابراہیمؑ شگفتہ مزاجی اور بیدار مغزی کی خوبیوں کے مالک جب اس میدانِ عمل میں آئے تو قومی غدار اور دینی مجرم اُن کو آگ میں ڈالنے کا فیصلہ کرتے ہیں ——— حضرت لوط، یحیٰی، زکریا علیہ السلام کے قصص اُن کی تعلیمات [illegible] کی قوموں کا اُن سے سلوک اور اُن قوموں کے انجام کے مکمل مظہر ہیں ——— حضرت موسیٰؑ اور یوسفؑ جیسی پاکباز اور باحمیت ہستیوں کے ساتھ کیا کیا برتاؤ نہ کئے گئے؟ اور پھر اس دنیا کے لالچی انسانوں نے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ کیا انہیں [illegible] اور تبلیغ دین اسلام کی پاداش میں تختہ دار پر چڑھانے کا فیصلہ نہیں کیا گیا تھا؟ ——— انبیاء کرام کی ہمہ کوششوں اور جد و جہد میں مسلسل ناکامیوں کو دور کرنے کے لئے اور گمراہ دنیا کو راہ راست پر لانے کیلئے ایسی ہستی کی ضرورت محسوس کی جانے لگی جو ہر طرح سے جامع اور دیگر انبیاء کرام کی ہمہ صفات کی حامل ہو چنانچہ اس مقصد کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کی نظر انتخاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی اور آپؐ نے بھی اپنے حسن عمل سے قلیل مدت میں دنیا کی کایا پلٹ دی وہ حیرت انگیز ہے ——— دنیا آپؐ کا خیر مقدم جی تاریکی جور و ستم ظلم و استبداد کے بھیانک منظر میں کرتی ہے۔ آپؐ قدم قدم پر آزمائے جاتے

Marfat.com

ہیں لیکن آپؐ نے جہالت کے گرد باد ظلم و ستم کی تیز آندھیوں اور گمراہی کی تاریکیوں کا جو مردانہ وار باعزم و استقلال مقابلہ کیا اُس کی مثال پیش کرنے سے اوراقِ تاریخ شرمسار ہیں۔ دُنیا کو ہر قسم کی آلائش سے آپؐ نے پاک فرمایا اُس کی مثال تلاش کرنا عبث ہے۔ کیا دُنیا کے پاس ایسی رقت آمیز مظلومیت اور ایسے عزم و استقلال کی کوئی مثال موجود ہے۔ یقیناً ہرگز نہیں۔

ہزاروں لوگ آپؐ کو طعنوں کے نشتر سے ایذا دیتے رہے اور جواباً آپؐ صبر اور دعا سے کام لیتے رہے ——— کچھ آپؐ کو شاعر کہہ کر پکارتے ہیں۔ اگر اُن خیالات کی روشنی میں ایسا سمجھ بھی لیا جائے تو کیا ایسے شاعر کو بطورِ مثال پیش کیا جا سکتا ہے جس نے قلیل عرصہ میں سارے ملک کی کایا پلٹ دی ہو؟ ——— حالانکہ آپؐ شاعر نہیں تھے ——— کچھ کہتے ہیں آپؐ بہت بڑے آرٹسٹ ہیں اور آپؐ کے پاس بہت بڑا ادیبانہ زور ہے؟ تو کیا کوئی اُمّی ادیب و شاعر بن سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ کچھ بس نہ چلتا تو لوگ حرف زنی کرتے کہ آپؐ کے ہاں سوائے لڑکیوں (جنہیں عرب معیوب سمجھتے تھے) کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ اِس کا جواب اللہ تعالیٰ سورہ کوثر میں دیتے ہیں ——— "انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اولاد حقیقت انبیاء کرام کے وہ کارنامے ہوتے ہیں جن سے دُنیا مادی روحانی فیض حاصل کرے" ——— پیغمبروں کو جان و مال آل اولاد سے کیا غرض؟ کیا اولاد نرینہ ہی کسی شخص کا نام تا قیامت رکھتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو آج دشمنانِ رسولؐ کو دُنیا کیوں یاد نہیں آتی؟ ان کی آن بان اور شکوہ و غرور کہاں باقی ہے؟ لیکن حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اولاد تو وہ تعلیمات ہیں جو تا قیامت زندہ رہنے والی ہیں جن سے تا قیامت آپؐ کا نام روشن رہے گا۔ پونے چودہ سو برس قبل کی عرب فضا میں کھو جائیے وہ شخص جس نے چالیس برس

تک خود کو ساری کسوٹیوں پر کھرا ثابت کر دکھایا اور دشمنوں سے بھی صادق اور امین کا لقب پایا لیکن جب توحید و نیکی پیغام سُناتے ہیں تو صرافیانِ قریش کی نگاہوں میں کھوٹا سکّہ ہو جاتے ہیں۔ کاش اُن کی نگاہ بصیرت ہوتی اور وہ بغض و تنگ نظری سے بالا ہو کر عقل کو کام میں لاتے تو دُنیا و آخرت میں ذلیل و خوار نہ ہوتے ——— اُن کے معیار غلط تھے مفاد و تعصب نے انہیں مجبور کر دیا تھا کہ وہ آنکھیں رکھتے ہوئے اندھے ہو جائیں آپ کی بعثت کے وقت عربوں کی جاہلانہ مذہبیت ایک فریب کارانہ روپ دھار چکی تھی اور قریش کی مذہبی ٹھیکیداری بجائے خویش ایک کاروبار تھی ایسے ماحول میں بھی ایسے جواہر ریزے تھے جن کی چمک دمک زمانہ کے گرد و غبار سے ماند پڑی ہوئی تھی۔ مثلاً اسی جاہلانہ دور میں ایک شخص زید نامی تھا جس کے دل میں حقیقت کو ڈھونڈنے کی جستجو پیدا ہوئی جو جاہلی اور بت پرستی سے ہٹ کر صحیح مسلک کی تلاش میں تھا۔ کبھی لوگوں کو بھی تلقین کرتا اور جب بھی خانہ کعبہ کے بت خانہ میں جاتا تو کہتا "زید! خانہ کعبہ میں صرف خداوندِ ذوالجلال کی عبادت کے لئے حاضر ہوا ہے" ——— ابراہیمی دین کی جستجو میں مارا مارا پھرتا رہا اسی جستجو میں دمشق کے ایک راہب نے اُسے بتایا کہ جو تو چاہتا ہے وہ تجھے کہیں اور نہ مل سکے گا ہاں البتہ ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے جو دین ابراہیمی کا علمبردار ہوگا۔ اس لئے جہاں سے تو بھاگ کر آیا ہے وہاں پہنچ کر اُن سے مل ——— اُن دِنوں آنحضرتؐ کی بعثت ہو چکی تھی لیکن جب وہ مکہ کی طرف روانہ ہوا تو قسمت نے یاری نہ کی اور وہ راستہ ہی میں بلاد لخم میں قتل ہوا کیونکہ اُس وقت دشمنانِ اسلام کا زور تھا وہ مسلمانوں کو یا اُن کے ہم خیال لوگوں کو اسلام سے باز رکھنے کی کوشش کرتے اور جب یہ زید پر یہ کوششیں کارگر نہ ہوئیں تو انجام کو پہنچا دیا گیا۔ لیکن اُن کے فرزندوں نے اسلام قبول کیا اور آنحضرت صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلّم نے زید کے لئے دعائے مغفرت کی ــــــــ علاوہ ازیں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیمات و دین میں کشش کا اندازہ اس سے بھی لگائیے کہ حضرت خدیجہؓ پہلی ہی دعوت میں مشرف باسلام ہوئیں۔ اُس کے بعد آپؐ کے رفیق دوست حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرتؐ کی بیعت کی اسی سلسلہ میں سردارانِ قریش کو جب دعوت کے موقعہ پر اسلام پیش کیا گیا تو لوگوں نے دعوتِ حق پر لبیک کہنے کی بجائے آپؐ پر استہزار کی لیکن اُن میں سے بھی ایک بچہ کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے۔

"میں آشوبِ چشم میں مبتلا ہوں، میری ٹانگیں پتلی ہیں، لیکن پھر بھی میں اس کام میں آپؐ کا ساتھ دینے کا وعدہ کرتا ہوں" ــــــــ یہ کمزور و نحیف حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت اور دین اسلام کے سایہ میں پرورش پاکر شیرِ خدا کے مرتبہ کو پہنچے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی رواداری کی طرف بھی سرسری توجہ کر لینا مناسب ہوگا کیونکہ آنحضرتؐ دنیا کے وہ سب سے بڑے محسن ہیں کہ جس پہلو سے اُن کی زندگی کا مطالعہ کریں اُن میں گوناگوں عظمتیں درخشاں نظر آئیں گی تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ انسان بُرائی کی کبھی اتنی مزاحمت نہیں کرتا جتنی کہ نیکی کے مقابلہ میں کرتا ہے چنانچہ اسی فارمولے کے تحت جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو دنیا کو پیامِ حق اور صداقت درس رواداری اخوت و انصاف کا پیغام پہنچایا تو تاریخ نے خود کو دہرایا یعنی حضور اکرم صلی اللہ وسلّم کو پیغامِ حق پہنچانے کی پاداش میں بڑی قیمت دینا پڑی۔ دُنیا نے آپؐ کو طرح طرح کی نت نئی اذیتیں اور صعوبتیں دیں۔ گو آپ چاہتے تو ایک اشارے سے ہی دنیا کو نیست و نابود کرا دیتے لیکن جو ہستی سراپا رحمت، شفقت اور حلیم بن کر آئی ہو وہ کوئی قدم کس طرح اٹھا سکتی ہے

میں قوم کی بھلائی مقصود نہ ہو۔ آپؐ نے سخت سے سخت ترین آزمائش اور اہل طائف کے ظلم و ستم سہنے کے بعد بھی خدا کے حضور میں رحمت کی دعا کی۔ آخر انہیں ظلم و ستم نے جب آپؐ پر اور آپؐ کے صحابہؓ پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تو اللہ میاں کے حکم سے ہجرت کرنے پر کمربستہ ہو گئے۔ اس دور میں صحابہؓ نے کمال استقلال کا ثبوت دیا جن میں حضرت بلال حبشیؓ کے استقلال کا ذکر نہایت ضروری ہے جن کو ریگستانِ عرب کی تپتی ریت پر لٹایا جاتا سینہ پہ وزنی پتھر رکھے جاتے اور ایسی ہی دیگر ایذائیں پہنچا کر بھی کفار ان کے دل سے محبتِ رسولؐ دور نہ کر سکے۔ دین کا جذبہ اتنا پایہ کا تھا کہ جتنا ظلم و ستم زیادہ روا کیا جاتا آپؓ کی زبان سے "احد احد" ہی نکلتا ——— دیگر صحابہؓ مثلاً عمار بن یاسرؓ کو اتنا زدوکوب کیا جاتا کہ بے ہوش ہو جاتے اور اسی طرح اُن کے والد پر بھی طبع آزمائی کی جاتی۔ تاکہ اسلام کی محبت اُن کے دلوں سے نکل جائے۔ لیکن حضرت یاسرؓ جیسے صحابہؓ نے ظلم و ستم سہ کر شہادت پائی لیکن دل میں رسولؐ اور دین کی محبت میں ذرا فرق نہ آیا۔ حضرت صہیبؓ کو اتنا مارا جاتا تھا کہ اُن کا دماغی توازن بگڑ جاتا ——— یہی نہیں کہ صرف صحابہؓ نے ہی دین کی خاطر ظلم و ستم سہے بلکہ حضور اکرمؐ کی زندہ مثال بھی ہمارے سامنے ہے۔ آپؐ نے دنیا کی بھلائی اور دین اسلام کی سربلندی کے لئے بہت صعوبتیں اٹھائیں۔ اسلام بچانے کے لئے دورانِ جنگ اگر صحابہؓ بھوک و پیاس کی شدت سے اپنے پیٹ پر ایک پتھر باندھے پائے جاتے تو آپؐ کے شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے نظر آتے ——— آپؐ کی گردن مبارک میں چادر باندھ کر مروڑا جاتا اور اس طرح گھسیٹا جاتا کہ آنکھیں باہر نکل پڑتیں لیکن اسلام کے راستے میں سب کچھ برداشت کرتے۔ آخر ہجرت کرنے پر مجبور کر دیئے جاتے ہیں آپؐ اپنے وطن سے بے سہارا و بے یار و مددگار نکلتے ہیں لیکن خداوند قدوس آپؐ کو اور

دینِ اسلام کو غلبہ عنایت فرماتے ہیں اور جب ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ جن قریش
آپؐ اور صحابہ ظلم و ستم توڑے اور ہجرت کرنے پر مجبور کیا فتح مکہ کے بعد اُنہیں مسلمانو
کے رحم و کرم پر آگرے تو اس اہم اور نازک موقعہ پر اہل قریش کے ساتھ آپؐ کا سلو
قابلِ ستائش ہے ۔ اہلِ قریش کو فراخدلی سے معاف کر دیا جاتا اس واقعہ
متاثر ہو کر ایک انگریز مورخ لکھتا ہے۔

"یہ عجیب و غریب منظر تھا ایسا عجیب و غریب جس کی مثال تاریخِ عالم میں نہیں
سکتی۔ یعنی پرانے شہر (مکہ) کو ہر امیر و غریب چھوڑ چکا تھا جن کو طاقت کے بل پر
گیا تھا جب علاقہ (مکہ) فتح ہوا تو انہوں نے ولنگٹن کی طرح مغلوب لوگوں پر ظلم نہ کی
کی لاشوں کو درختوں پر نہ لٹکایا انہوں نے چنگیز خان اور ہلاکو کی طرح بربریت
مظاہرہ نہ کیا بلکہ آنحضرتؐ نے مکہ والوں سے انتقام نہ لیا۔ فاتح فوج نے مفتوح
قبضہ کر لیا لیکن گلیوں میں خون کا قطرہ تک نہ بہا۔ رواداری اور فراخدلی سے اہل
کے مظالم کو معاف کر دیا۔ کسی عورت کی بے حرمتی نہ کی گئی۔ کسی پر ظلم نہ کیا گیا ——
تاریخ میں کوئی فتح بھی اس کی نظیر نہیں رکھتی فتح مکہ پر عام معافیاں دینے پر انسانیت
دنیا تک فخر کرے گی۔"

آج بھی مہذب دنیا کو چیلنج ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کسی
سے بڑے شخص کا موازنہ کرے لیکن وہ ایسا کرنے کی ہمت نہیں رکھتی اور بالکل
ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہ واحد نبی ہیں جن کی حیاتِ پاک مکمل
چلی آرہی ہے۔ دنیا کو دعوتِ عام ہے کہ حضور اکرم کی پاک زندگی کو اپنی
وضع کردہ اخلاق عظمت پاکیزگی، معصومیت اور شرافت کی کسوٹی پر رکھ کر

Marfat.com

اُن کا ثانی تلاش نہ کر سکے گی۔ حالانکہ چودہ صدیاں گذر چکی ہیں اور وہ شخص مادی لحاظ سے دنیا کی نظر سے اوجھل ہو چکا ہے لیکن گذشتہ دو صدیوں سے عیسائیت کے پرستار اہل مغرب جن کا خود تصور مذہب ناقص ہے مسلمانوں سے شدید تعصب میں مبتلا ہیں۔ اور سیاسی لحاظ سے یہ تاثر نہایت مستحکم ہے۔ گو صلیبی جنگوں کے لحاظ سے وہ اسلام کو خواہ مخواہ ہدفِ ملامت بناتے ہیں لیکن رسول اکرم صلّی اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذات بابرکت عیسائی علماء اور نقادوں سے بھی دادِ تحسین لئے بغیر نہ رہ سکی۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ رسولِ اکرمؐ کی حیات طیبہ مکمل طور پر محفوظ ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں باسورتھ نے لکھا ہے

"ہم زرتشت اور کنفوشس کے متعلق اس سے کم جانتے ہیں جو سولن اور سقراط کے متعلق جانتے ہیں ——— موسیٰ اور ——— بدھ کے متعلق اس سے کم جانتے ہیں جو اس پردیس اور سیزر کے متعلق جانتے ہیں۔ ہم درحقیقت مسیح کی زندگی کے متعلق چند حصوں میں سے صرف ایک حصہ جانتے ہیں لیکن اسکا کتنا حصہ ہے جسے ہم نہیں جانتے۔ ہم مسیح کی ماں۔ مسیح کی خانگی زندگی اُن ابتدائی حالات، احباب کے ساتھ تعلقات اُن کے روحانی مشن کے بتدریج یک بیک ظہور کی نسبت ہم کیا جانتے ہیں؟ مسیح کے بارہ میں کتنے سوالات ہم میں سے کتنوں کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جو ہمیشہ سوالات ہی رہیں گے لیکن اسلام میں ہر چیز ممتاز ہے یہاں دھندلاپن اور راز نہیں۔ ہم تاریخ رکھتے ہیں۔ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق اس قدر جانتے ہیں کہ جس قدر لوتھر اور ملٹن کے متعلق جانتے ہیں۔ کوئی شخص نہ یہاں دوسرے کو دھوکہ دے سکتا اور نہ خود کو ——— یہاں پورے دن کی روشنی بے جوہر چیز پر پڑ رہی ہے۔ اور ہر ایک تک پہنچ رہی ہے"۔ ———

اس طرح کے خیالات جان ڈیون پاٹ (John Dern port) پیش فرماتے ہیں۔

Marfat.com

"اس میں شبہ نہیں کہ تمام مقننّ اور فاتحین میں ایک بھی ایسا نہیں جس کی زندگی کے واقعات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وقائع حیات سے زیادہ مفصل اور سچے ہوں۔"

امتدادِ زمانہ کی گہری گرد و غبار اور تاریکی گذشتہ نبیوں کے حالات کی پردہ پوشی کئے ہوئے ہے۔ اس کے خلاف پیغمبرِ اسلام کی زندگی کے لیل و نہار کارنامے، غزوات، تبلیغی سرگرمیاں حیاتِ طیبہ کا ایک ایک واقعہ، سیاسی و معاشی حالت، حسب و نسب، قبائل سے تعلقات صحابہ کے ساتھ تعلقات اور یہ کہ آپؐ نے کس طرح، کس ماحول میں اور کیسے زندگی بسر کی۔ پس، اتنی ممیز ہستی کے تمام حالات کا حرف بحرف موجود ہونا کسی معجزے سے کم نہیں ـــــــ (چونکہ کسی شخص کی گھریلو زندگی اس کی سیرت و کردار کی آئینہ دار ہوتی ہے اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ باہر کی زندگی میں ظاہرداری کا لبادہ کا ڈھونگ رچائے نکلتا ہو اور جو کچھ اس کی حقیقت ہے وہ اس سے مختلف ہو۔ لیکن گھریلو زندگی میں وہ اپنے اوپر اس قسم کا پردہ ڈالے رکھنے میں زیادہ عرصہ تک کامیاب نہیں ہو سکتا۔ پس کسی شخص کے کردار و سیرت کو پرکھنے کے لئے دراصل کسوٹی صرف اس کے گھریلو زندگی و واقعات ہوا کرتے ہیں۔ مشہور تاریخ دان سٹینلے پول لکھتا ہے کہ

"سب سے پہلے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو اور احباب کو دعوتِ اسلام دی اور اس حقیقت سے کسی بھی صورت انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے سب سے گہرے دوست اور زندگی کے رفیق جو ان کے ساتھ ہر وقت رہتے تھے سب سے پہلے ایمان لائے۔ جن میں حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علی کرم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ پس کسی نبی پر اس کے گھر والوں کا ایمان لے آنا اس کے اخلاص و کردار اور نیک سیرت پر دلالت کرتا ہے۔" ـــــــ گھر والوں سے صرفِ نظر کر کے آپؐ دشمنان

اسلام پر بھی نظر ڈالئے گو وہ حضور صلعم کے سب سے بڑے دشمن تھے لیکن وہ بھی حضورؐ کی صداقت سیرت و کردار پر فریفتہ تھے۔ عزت و تکریم اُن کے دلوں میں تھی۔ ہمیشہ صادق اور امین کے القاب سے پکارتے اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ ابو سفیان جیسے کٹر دُشمنِ رسول دربار نجاشی (شاہ حبشہ) میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و شرافت کا واضح اعتراف کرتا ہے۔)

"آج وہ شخصیت نہیں! لیکن اس کی روشن کی ہوئی شمع ابھی تک دُنیا میں اپنی کرنوں سے ضیاء پاشی میں مصروف کار ہے۔ ان شعاعوں میں وہ رحمت و عظمت پنہاں ہے جو کسی بھی چیز میں نہیں تمام انبیاء کرام جو آپ سے قبل رشد و ہدایت کا سرچشمہ بن کر آئے وہ بھی قرآن کریم سے بڑھ کر کوئی چیز نہ کر سکے۔ اگر سابقہ الہامی کتب کا سرسری طور پر جائزہ لیا جائے تو راۃ میں قانون شریعت کے سوا کچھ نہیں۔ اُس میں اخلاق و مواعظت نہیں ـــــ انجیل اخلاق و مواعظت کی حامل ہے لیکن قانون شریعت سے محروم اسی طرح زبور صرف دعاؤں اور مخاطبات قلبی کا مجموعہ ہے لیکن دیگر صفات اسے نصیب نہیں حضرت مسیحؑ کے صحیفے میں حکایت کی ہنگامہ آرائیوں کے سوا کچھ نہیں وہاں استدلال کا فقدان ہے ـــــ صحف بنی اسرائیل پیشگوئیوں سے لبریز ہے لیکن وقائق حکمت اور اسرار ایمان و عمل سے خالی ہے ـــــ دنیا میں صرف ایک ہی کتاب ہے جو قانونِ شریعت بھی اور اخلاق و مواعظت بھی ہے۔ مخاطبات قلبی اور دعاؤں کا گنجینہ بھی ہے تو دیگر کتاب الہیہ کی صفات کی حامل بھی ہے اس کتاب میں خطابت بھی ہے اور استدلال و فکر بھی حکمت و حقائق بھی ہیں اور پیشگوئیاں بھی اور ایمان و عمل کی تعلیم بھی دیتی ہے اور سب سے بڑی صفت یہ ہے اس نے اپنی اصلیت کو اب تک برقرار رکھا ہوا ہے اور جس

Marfat.com

طرح حفاظ نے اپنے سینوں میں اسے جگہ دی ہے اِس سے اُس کی اصلیت تا زمانہ برقرار رہے گی۔ یہ کرامت اُس محسن اعظم کی ہے کہ قرآن اب تک محفوظ چلا آرہا ہے جس طرح دین اسلام سابقہ ادیان کی ہمہ صفات لئے ہوئے ہے اُسی طرح حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذات میں وہ تمام خوبیاں مرکوز ہیں جو سابقہ انبیاء و رُسل کا خاصہ تھیں ——— اسی لئے اسلام کا مطالعہ کرنے سے اور حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اسوۂ حسنہ کے مقابلہ میں دنیا میں کسی دوسرے مذہب کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی۔ اسی لئے جب ۱۹۱۱ء میں بیروت کے ایک مسیحی اخبار "الوطن" کے لاکھوں عرب عیسائیوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟ تو اس کے جواب میں ایک عیسائی عالم نے یہ نہ لکھا کہ سب سے بڑا شخص جن کو کہا جائے وہ یسوع مسیح تھے بلکہ وہ لکھتا ہے

"وہ شخص دنیا کا سب سے بڑا انسان ہے جس نے دس سال میں نئے مذہب نئے فلسفہ نئی شریعت اور ایک نئے تمدّن کی بنیاد رکھی۔ جنگ کا قانون تبدیل کر دیا۔ نئی طویل العمر سلطنت قائم کی۔ اب تمام کارناموں کے باوجود جب ہم یہ دیکھتے کہ وہ صرف امّی و ناخواندہ تھا تو انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ وہ شخص محمد بن عبداللہ اللہ کے رسولؐ ہیں جنہوں نے قرآنی زبان کو دنیا کی دائمی اور عالم گیر زبان بنا دیا"

اسی طرح کارلائل لکھتا ہے۔

"مذہب کے بانیوں میں محمدؐ نبوت کے ہیرو ہیں؟ اس کے علاوہ انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا میں لکھا ہے کہ تمام نبیوں میں اور مذہبی لوگوں میں محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم سب سے زیادہ کامیاب رہے جو قرآن سے بھی واضح ہے۔

Marfat.com

مذہب اسلام اور سائنس

کائنات کے سربستہ رازوں کی جستجو سے متعلق تمام علوم "سائنس" کے زمرے میں آتے ہیں قرآن سے قبل لوگوں کا نظریہ کائنات مثلاً سقراط کا زاویہ نگاہ کہ مشاہدہ "انسان" ہے نہ کہ کائنات پولٹو نے یہ کہہ دیا تھا کہ کائنات محض فریب نگاہ (Illusion) ہے۔ انسان اس قابل نہیں اور نہ ہی اس کے حواس خمسہ اس قابل ہیں کہ کائنات کی تحقیق کر سکے۔ تقریباً تمام مذاہب انہی نظریات سے متاثر بلکہ بہت حد تک ان نظریات کو قبول بھی کر چکے تھے۔ مثال کے طور پر "ہندو" کہتے ہیں کہ مادی کائنات سراب ہے اور یہ تو پرمیشور کا سپنہ ہے ——— یہ تو ایشور کی لیلا ہے (ناٹک ہے) اور ایشور اس میں ہیرو (chief actor) کی حیثیت سے پارٹ لے رہا ہے ——— قرآن نے ان باطل خیالات کو چیلنج کیا اور پولٹو کے نظریات کو غلط ثابت کیا۔ "ہم نے کائنات کی بلندیوں اور پستیوں میں جو کچھ پیدا کیا ہے وہ باطل نہیں۔ یہ ان کا ظن ہے جو حقیقت سے انکار کرتے ہیں یہ ان کی قیاس آرائیاں ہیں۔" (الرعد)

خدا نے کائنات کو حقیقت ثابت کر کے پیش کیا کیونکہ بے مقصد اور کھیل تماشہ کر کوئی کام کرنا اس کے شایانِ شان نہیں ——— یہ تو علم کی وجہ سے ہے اور علم سے ہی سمجھ میں آئے گا ——— علم پھر کیا ہوا؟ کیا ہے؟ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ جس کا تمہیں علم نہ ہو تم مت اس کے پیچھے بھاگو (بنی اسرائیل)

علم وہ چیز ہے جو سمع و بصر ادراک اور حواس کے ذریعہ حاصل کیا جائے۔ اور پھر علم اعداد و شمار (Data) و فکر پیش کر کے اُسے اپنے ذہن (mind) کے پاس

Marfat.com

لے جائے۔ اور اِس طرح دماغ جو کچھ آخری فیصلہ دے وہ "علم" کہلائے گا۔ پس جب بھی کائنات کی حقیقت کو دل و دماغ کے قریب لایا جائیگا تو حقائق پر سے پردے اُٹھ جائیں گے۔ کائنات کی نشانیاں علم والوں کو اُس کی تخلیق پہ غور و فکر کرنے کی دعوت دیتی ہیں اور اس طرح اُس سے جو نتائج و فوائد اخذ ہوتے ہیں۔ انہیں مدِنظر رکھ کر انسان یہ کہنے پہ مجبور ہو جاتا ہے۔ کہ اے خدا تو نے اس کائنات کو باطل پیدا نہیں کیا۔ ہوا اور موسم کی تبدیلیاں، دن رات، فضا میں بلا سہارے تیرتے ہوئے کرّے۔ ایک ان دیکھی کشش (کشش ثقل) ہر ایک کو مقررہ راستے (مدار) میں جکڑے ہوئے ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی شان اور عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ پس جوں جوں انسان اس کائنات کا علم حاصل کرتا جائے گا۔ تو اُس پر کائنات کے سربستہ راز کھلتے چلے جائیں گے اور انسان خود قرآنی آیات کا ثبوت مہیا کرتا چلا جائے گا ——— علم انسان کو لکیر کا فقیر بننے نہیں دیتا بلکہ اُسے ریسرچ کی دعوت دیتا ہے۔ تاکہ وہ کانوں سے سُن کر دل و دماغ سے تولنے پرکھنے کو آمادہ کرتا ہے۔ لہٰذا جو بھی اِس دنیا میں تحقیق یا ریسرچ سے کام لے گا (مسلم ہو یا غیر مسلم) اُس پر کائنات بے نقاب ہو جائے گی۔ قرآن ایسے لوگوں کو "متقین" کے نام سے خطاب کرتا ہے جن کو آخرت میں جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے تیرھویں صدی عیسوی کے ابتداء سے مسلمانوں نے جب اِس تحقیق و ریسرچ کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا تو ان کا زوال ناگزیر ہو گیا کیونکہ سائنسی ترقیات و ایجادات مسلمانوں سے اُس کے بعد نہ ہو سکیں۔ بلکہ مسلمانوں کی تحقیقی خصوصیات اقوام مغرب نے اختیار کر لیں گو وہ فطرت کی خفتہ قوتوں کو اب تک بے نقاب تو کرتا ہے لیکن بطریقِ احسن انہیں استعمال کرنے میں ٹھوکر کھائی۔ کیونکہ فطرت کی نعمتوں کو اپنے

Marfat.com

مرضی کے مطابق صرف کرنا شروع کر دیا تھا اِس طرح اپنی خود غرضی اور مادہ پرستی سے اپنی ہی جنس یعنی بنی نوع اِنسان کے دیگر گروہوں کو یکسر نظر انداز کر دیا ——— گو انہوں نے سورج کی کرنوں سے توانائیوں کو نچوڑ تو لیا لیکن یہی اہلِ مغرب اِنسانی زندگی کی شب یلدا کو سحر عطا نہ کر سکا۔ کیونکہ انہوں نے نیچر کی قوتوں کو مسخر کر کے مُہلک سائنسی ایجادات ایٹم، ہائیڈروجن، نائٹروجن بم و راکٹ اور میزائیل سے دوسروں کے لئے تباہی و بربادی کے سامان مہیا کیے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی رو سے اللہ کی بہترین نعمت کے حقدار نہیں ——— اُن کے مقابلہ میں ایک مسلمان جو بھی تحقیق و ریسرچ سے ایجادات کرتا ہے تو تمام بنی نوع انسان کی فلاح اُس کا مقصود ہوتی ہے۔ اسی لئے نیچر کو مسخر کر کے مسلمان تو جنت کا حقدار بن جاتا ہے اور اقوام غیر محروم۔

علم ہیئت (astronomy) اور سائنس کے موضوع پر قرآن کے علاوہ تمام مذاہب کی کتب خاموش ہیں ——— قرآن جہاں سیاسی، معاشی، معاشرتی مسائل کا حل پیش کرتا ہے وہاں مذہب اسلام سائنس کو بھی انسانی ضابطہ حیات کا لازمی جزو تصور کرتا ہے۔ آج جب سطحی علم رکھنے والے تنگ نظر علما چاند اور ستاروں پر کمند ڈالنے کی خبر پڑھتے ہیں تو تحقیق کرنے والوں پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں اور قیامت کے آنے کا پیغام دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں پچاسوں جگہ ریسرچ کی دعوت دیتا ہے اور مختلف آیاتِ قرآنی اس زمین کے علاوہ دیگر ستاروں اور سیاروں پر آباد مخلوق کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ مثلاً قرآن کی ابتدائی سورۃ فاتحہ میں خدا تعالیٰ کی تعریف یوں بیان ہوتی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

Marfat.com

اِس میں دو لفظ "رَبّ" اور "عٰلَمِین" غور طلب ہیں۔ لفظ "رَبّ" کا مطلب اُس ذات سے ہے جو جاندار مخلوق کی پرورش کرنے والا، نگہبان اور رازق ہے۔ خواہ وہ اس دنیا پر ہو یا یہ مخلوق کسی ستارے یا سیارے پر۔ دوسرا لفظ "عَالَمِین" ہے یہ لفظ عَالَم کا صیغۂ جمع ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایک عَالَم (دُنیا) کا "رَبّ" نہیں بلکہ "عالمین" کا "رب" ہے اور اس طرح اس دنیا (زمین جو کہ خود ایک سیارے کی مانند آسمان میں دیگر ستاروں و سیاروں کے درمیان چمکتا دمکتا کرّہ ہے) کے علاوہ ایسے ہی دیگر سیاروں و ستاروں یا چاند کا بھی "رب" ہے تو وہاں پر مخلوق کا آباد ہونا ضروری ہے۔ اب یہ تحقیق انسان کے لئے باقی رہ جاتی ہے کہ وہ تلاش کرے کہ کن ستاروں اور سیاروں پر مخلوق آباد ہے اور کن پر نہیں۔ پس خدائے تعالیٰ نہ صرف اس زمین کا پیدا کرنے والا ہے بلکہ فضائے کائنات (Space - cosmos) میں جتنے سیارے (ستارے یا اُن کے چاند ہیں (جس طرح زمین کا ایک چاند ہے مشتری کے گیارہ اور زُحل کے نو چاند ہیں) اُن پر آباد مخلوق کا پالنے والا "رَبّ" ہے۔ جو دُنیا پہلی تھی وہ اب مٹ گئی یا جو اب ہیں یا آئندہ پیدا کی جائیں گی۔ جیسا وہ اُن سب کا پالنے والا اُن کی نگہبانی اور کنٹرول کرنے والا ہے۔ ویسا ہی وہ اُن کو تباہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ (مَالِكِ يَوْمِ الدِّين یعنی قیامت کے دن سارے نظام کا درہم برہم کرنے والا) "قیامت" وہ مقررہ دن ہے جس دن اِس کائنات و زمین کی موت واقع ہو گی۔ کیونکہ اُس روز تمام فضائی کائنات تہ و بالا کر دی جائے گی۔ اُس میں زمین کا حال ایسا ہو گا گویا پانی اُبل رہی ہو اور اُس پر کے پہاڑ روئی کی طرح اُڑتے پھریں گے۔ زمین پھٹ جائے گی اور اپنے اندر سے ہر چیز اُگل دے گی۔ اس قیامت

Marfat.com

موجب خود انسان ہوگا اور اپنے اعمال کا ذمہ دار ہوگا۔ خود انسانی ایجاد کردہ ایٹم اور ہائیڈروجن بموں سے ہی کائنات میں قیامت برپا ہو جانا بعید از قیاس نہیں۔

ابتداء میں عیسائی مشنری کا اعتقاد تھا کہ زمین تمام عالم فضا کے درمیان واقع ہے جس میں خدا یسوع مسیح کی شکل میں اترا ہے۔ لیکن اِس نظریہ کو اہل قرآن نے اور پھر سائنسی ایجادات نے غلط ثابت کر دیا۔ قرآن نے چودہ سو سال قبل کائنات کی طرف توجہ دلائی جبکہ انسان نے کوئی دوربین یا تحقیقی آلات ایجاد بھی نہیں کیے تھے۔ مثلاً قرآن میں یوں فرمایا گیا۔

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ آسمانوں و زمین سب کا پیدا کرنے والا وہی ہے۔

لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت خدا ہی کے لئے ہے۔

وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ ۙ سورج اور چاند کو تمہارے حکم میں لگا دیا گیا کہ دونوں (دن اور رات) ایک ہی طریقہ پر چل رہے ہیں۔

اِسی طرح دوسری گواہی قرآن نے یہ دی کہ سورج اور چاند اپنے مدار پر محور کے گرد حرکت ہیں ——— اِس سے قبل دُنیا اس کائناتی و سائنسی اصول سے بے خبر تھی۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّہَا ؕ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ

کہ سورج اپنے اس محور پر گھومتا ہے جو قانون کے مطابق اُس کے لئے مقرر کیا گیا ہے"

اِس طرح قرآن نے چودہ سو سال قبل علم ہیئت (astronamy) کے اصل صحیح اور مستند اصول پیش کیے۔ جن کو پہلے تسلیم نہ کیا گیا لیکن بعد میں سائنسی ایجادات نے اُس پر مُہر تصدیق ثابت کر دی۔ اور اب بھی پچاسوں حقائق ایسے ہیں۔ جہاں

سائنسدانوں کی تخلیقی قوت جواب دے چکی ہے۔ لیکن قرآن اُن پر روشنی ڈالتا ہے۔

اَوَلَمْ یَرَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ط اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ط "وہ لوگ میرا انکار کرتے ہیں۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ تمام آسمانی کائنات اور زمین ملا کر اپنے کام میں لگا دیئے گئے۔ ہم نے انہیں علیحدہ اور تمام زندہ جانداروں کو پانی سے پیدا کیا اُس پر بھی ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں" ——— اس آیت قرآنی سے دو بڑے سائنسی حقائق پیدا ہوتے ہیں جن سے دُنیا ابھی تھوڑے عرصہ قبل تک آگاہ نہ تھی۔ اور وہ یہ کہ پہلے تمام فضائے عالم میں صرف ایک ہی ستارے کا جھنڈ تھا جو کہ اپنے محور پر حرکت کرنے کی وجہ سے لاکھوں ستاروں کے جھنڈ میں تقسیم ہو گئے۔ اور اس طرح اپنے اپنے مدار پہ حرکت میں لگ گئے۔ اور دوسرا اصول یہ کہ زندگی کی ابتدا پانی سے ہوئی۔

قرآن علم ہیئت یا سائنسی موضوع پر اور کائنات کے حقائق کو اپنی دو ہزار آیات میں زیر بحث لاتا ہے انہی آیات تو مسائل روزہ، حج، زکوٰۃ اور نماز وغیرہ کیلئے بھی موجود نہیں کیونکہ اُن کی تعداد صرف ڈیڑھ سو کے قریب ہے۔ میں قرآن سائنس کو مذہب سے علیحدہ کر کے نہیں پیش کرتا کیونکہ روحانیت کے بغیر کائنات کے تمام سربستہ راز نہیں کھل سکتے اور نہ ہی کوئی شخص کائنات کا مطالعہ کئے بغیر روحانیت کی حد کو پا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے دیگر مذہب والوں کی طرح کائنات کی پوجا نہیں کی بلکہ اپنے لئے تحقیق و ریسرچ کا سہارا لے کر خدا کو پہنچاننے کا ذریعہ بنایا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ابتدائی مسلمانوں نے کائناتی ریسرچ پر اتنا مواد مہیا کیا کہ آنے والے سائنسدانوں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوا۔ جب روس نے سب سے پہلے اپنا مصنوعی سیارہ

Marfat.com

سپوت نیک (Sputnik) چھوڑا تو یہ تسلیم کیا گیا کہ اس کامیابی کے لیے مسلمانوں کے آٹھ سو سال قبل دور کے ایک قدیم عربی نسخہ سے کافی استفادہ کیا گیا جو کہ جرمنی کی ایک لائبریری سے دستیاب ہوا تھا۔ چونکہ عرب مسلمانوں کو علم ہیئت پر تحقیق کاوش اور کائناتی علوم پر دسترس حاصل تھی۔ اس لئے آج کے فضائی دور اور خلائی سفر کے راہنما (Pioneer) عربی مسلمان ہی کہلا سکتے ہیں۔ جنہوں نے دُوربین، الجبرا حساب کے فارمولے بنائے اور علم ہیئت کے اصول مرتب کئے۔ جس کی مدد سے سیاروں، ستاروں یا چاند تک پہنچنا ممکن ہو سکتا ہے ——— حیرانی کا عالم ہے کہ رُوس نے اپنے مصنوعی سیارے "سپوٹ نک" Sputnik کو فضا میں خلائی سفر کی پہلی کوشش قرار دیا۔ حالانکہ اس سے صدیوں قبل دورِ عباسیہ میں ایک مسلمان سائنسدان خود ساختہ روشن چاند کو کافی بلندی پر معلق ٹکانے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ لیکن اُسے نظر انداز کر کے مسلمانوں کے کارہائے نمایاں کی پردہ پوشی کی گئی ہے۔ اِسی طرح حقائق پر دوسری پردہ پوشی جب روسی سائنسدانوں کی مدد سے گیگرین Gagarin اور امریکہ کے مسٹر شیپرڈ Shepard کے خلائی سفر Spaceflight کے زمین پر اتارا گیا تو یہ دعویٰ کیا گیا کہ انسانی تاریخ میں یہ پہلا خلائی سفر ہے لیکن دنیا کی تاریخ میں یہ پہلا خلائی سفر نہیں۔ دنیا میں سب سے پہلے حضرت بابا آدم علیہ السلام جنت الفردوس سے دنیا میں بھیج دیئے گئے ——— یقیناً وہ کوئی اس دنیا سے ماورا جگہ تھی جس کے اور زمین کے درمیان فضا حائل تھی جس میں سے گزر کر آپ دُنیا میں تشریف لائے۔ اِسی طرح دُنیا سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اوپر اٹھا لیا جانا یہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ ہم صلیب دیئے جانے کو تسلیم نہیں کرتے) یہ یکطرفہ

Marfat.com

خلائی سفر تھا۔ اسی طرح حضرت جبرائیل اللہ تعالیٰ کا حکم (Divine message) لے کر تمام انبیاء و رُسل کے پاس آتے اور واپس تشریف لے جاتے۔ لیکن یہ انسان نہ تھے اس لئے ان کو زماں و مکاں (Space Time) کی قید نہ تھی۔ لیکن سب سے کامیاب انسانی خلائی سفر دُنیا کے ایک مکمل ترین شخص نے بھی کیا۔ یہ خلائی سفر "معراج" ہے۔ جس میں محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم خلا سے گزر کر "سدرۃ المنتہیٰ" تشریف لے گئے۔ اور معراجِ انسانیت حاصل کر کے بغیر کسی ضرر کے واپس تشریف لائے یہ چاروں خلائی سفر اِس چیز کی بھی گواہی دیتے ہیں کہ زمین کے علاوہ فضائے کائنات میں اور بھی مخلوق کا دیگر سیاروں پر گمان ہو سکتا ہے۔ اس مخلوق میں انسان، فرشتے اور جن شامل ہیں۔ جن کا پرورش کرنے والا وہی "رب العٰلمین" یعنی خدائے تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس طرح جناب غازی سراج الدین منیر صاحب جو قرآن سائنس اور خلائی سفر وغیرہ کے موضوع پر اچھے مقرر ہیں کا نظریہ (جو وہ اکثر کالجوں اور یونیورسٹی گورنمنٹ کالج سرگودھا[1] میں پیش کر چکے ہیں) کہ دیگر سیارہ گان پر آبادی نہیں۔ بلکہ اس زمین سے دیگر سیاروں پر مخلوق کی ابتدا ہو گی۔ اس لئے باطل ہے کہ انسان چونکہ اس کرۂ زمین کے فطرتی قوانین (Constitution) کے تحت باری تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس لئے وہ صرف یہاں کی ہی آب و ہوا کشش ثقل یا خوراک پر زندہ رہ سکتا ہے کیونکہ اسی کو مدنظر رکھ کر انسانی جسم اور دل و پھیپھڑوں کی ساخت بنائی گئی۔ جس طرح پانی میں رہنے کے لئے مچھلی کے جسم اور پھیپھڑوں کی ساخت پانی کے علاوہ جس طرح وہ ہوا میں زندہ نہیں رہ سکتی انسان پانی میں زندہ نہیں اسی طرح ہر فضا کے مطابق پرندے پیدا کئے۔ گو انسان اس فضا سے نکل

---

[1] ۲۰ر جنوری ۱۹۵۸ء اور ۲۷ر جنوری ۱۹۵۹ء

مستقل طور پر کسی دوسرے کرہ چاند یا ستارے پر زندہ نہیں رہ سکتا کیونکہ وہاں کے فطرتی قوانین کے مطابق اس کو نہیں بنایا گیا اس کا ثبوت وہاں کی آباد مخلوق ہو گی جو کہ ہم سے بالکل مختلف ہو گی۔ یہ تحقیقاتی ریسرچ انسان کو دیگر سیاروں پر لے جا سکتی ہے اور کچھ عرصہ شاید یہ مصنوعی ذرائع سے خوراک و ہوا اور کشش وغیرہ جو کہ اُن کے بدن کے لئے ضروری ہیں فراہم کریں یا وہاں لے جائیں لیکن مخلوق کا جا کر آباد ہونا اور نئے فطرتی قوانین کے مطابق خود کو ڈھالنا محض خوش فہمی اور خیالی نام ہے انسان فطرتی قوانین کی رو سے بے بس ہے۔ مگر قرآن کی بہت سی آیات سے دیگر سیارگان Planets پر آباد مخلوق کا گمان ہوتا ہے۔ مثلاً

۱۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ (الحج ۲۲ : ۱۸) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو (مخلوق) آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چارپائے اور بہت سے انسان خدا کو سجدہ کرتے ہیں (قارئین کو یہ آیت پڑھ کر سجدہ کرنا واجب ہے۔

۲۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (النور ۲۴ : ۴۱، ۴۲) کیا تم نے دیکھا کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں خدا کی تسبیح کرتے ہیں۔ اور پر پھیلائے ہوئے جانور بھی۔ اور سب اپنی نماز اور طریقہ سے واقف ہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اور آسمان اور زمین کی بادشاہی خدا ہی کے لئے ہے۔

پس مندرجہ بالا آیات سے صاف واضح ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق زمین اور آسمانوں (آسمان سے مراد دو ستاروں کا درمیانی خلائی فاصلہ اور اس فضا میں تیرتے ہوئے چاند سیارے اور ستارے) میں آباد مخلوق اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کرتی ہے کیونکہ اس زمین کی طرح دیگر سیارے و ستارے بھی اللہ تعالیٰ کی سلطنت کے صوبوں میں سے ہیں اور تمام ارض و سما پر اسی کا اقتدار اعلیٰ (sovereignty) ہے۔ اور جس میں ہر طرح کی آباد مخلوق اس کی رعیت ——— اور اس کائنات کا تمام نظام اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق جاری و ساری ہے۔

اس طرح امریکہ اور روس کی راکٹ اور میزائیل ایجادات یا فضا میں عظیم الجثہ سٹلائٹ (مصنوعی سیارے) کے فضا میں چھوڑے جانے کا حوالہ بھی قرآنی آیات سے ملتا ہے۔ جس کو قرآن نے "دابات الارض" سے تعبیر کیا ہے۔ جس سے عیاں ہوتا ہے کہ فضا (Cosmos) کو چھاننے اور تسخیر کرنے کی کوششیں کی جائیں گی اس ضمن میں تفسیر میں یوں آیا ہے۔ کہ مشرق و مغرب کے لوگ "دابات الارض" کو بیک وقت دیکھ سکیں گے (پرواز کرتے ہوئے) اسی طرح ایک اور مستند روایت ہے کہ دابہ" ("جانور" ——— ہماری مراد راکٹ یا سپوٹ نک سے ہے) ہر بڑے شہر سے ظاہر ہوگا اور اس کے ظہور کا وہ وقت بتایا جبکہ دنیا میں عام بے اطمینانی اور اختلافات و نظریات کی کشمکش کا خطرہ لاحق ہوگا ——— جو کہ موجودہ دور پر صادق آتا ہے۔ جس میں راکٹ اور مصنوعی سیارے فضا میں چھوڑے جا رہے ہیں ——— فضائی پرواز کے سلسلہ میں زمین کی کشش سے فضا میں نکل جانا ہی موجودہ سائنسدانوں

کے لئے سب سے مشکل مسئلہ رہا ہے۔ آخر کار روس و امریکہ کے سائنسدان طاقت (زور) کی مدد سے راکٹ[1] کو زمین کی کشش سے آزاد کر کے فضا میں پرواز کرنے کے قابل ہوئے جس سے دوبارہ کسی سیارے یا چاند کی کشش میں داخل ہو کر ہی اس پر اُترنا ممکن ہے اس فضائی پرواز کے سلسلہ میں کشش ثقل کا حوالہ سورۃ الرحمٰن کی اس آیت سے ملتا ہے۔

يَمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَٰوٰتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا ۚ لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَٰنٍ ۚ (الرحمٰن ۵۵ : ۳۳)

(اے گروہ جن وانس اگر تمہیں قدرت ہو کہ آسمان و زمین کے کناروں (کناروں سے مراد کشش ثقل سے نکل کر خلا میں پرواز کرنا ہے) سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ اور زور (centrifugal force) کے سوا تم نہیں نکل سکتے)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خلائی پرواز ممکن تو ہے جو کہ صرف اسی وقت ہو سکتی ہے جب آپ کشش ثقل (centrifugal force or gravitation pull) پر کنٹرول کرلیں اور اس قوت کے مقابلہ میں زیادہ زور یا جھٹکے سے ہی راکٹ یا مصنوعی سیارہ زمین کے کناروں (کشش) سے نکل کر فضا میں تیرتے ہوئے کسی سیارے ستارے یا چاند وغیرہ کے حلقہ کشش میں دوبارہ داخل ہونے پر اس سیارہ کی کشش اس کو اپنی طرف کھینچے گی۔ اس طرح راکٹ کا اترنا ممکن ہو جاتا ہے[2]۔ لیکن قرآن یہ کہہ دیتا ہے کہ اگر تم اس زور طاقت یا کشش پر کنٹرول نہیں کر سکتے تو پرواز ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج سائنسدان اس چیز پر قابو پا چکے ہیں اس لئے قرآن کی رو سے خلائی سفر میں کامیاب ہوں گے۔

بڑی طاقتوں نے جب سے ایٹمی میدان میں قدم رکھا ہے اُس وقت سے انسانیت کو بہت بڑا خدشہ لاحق ہوا۔ کیونکہ ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کی ایجاد نے دُنیا کو تباہی کے

حوالہ [1] ۲ جنوری ۱۹۵۹ء کو سورج کی طرف روسی راکٹ کی پرواز
[2] اٹھارہ ہزار میل فی گھنٹہ رفتار کی ضرورت ہوتی ہے۔

Marfat.com

غار پر لا کھڑا کیا۔ قرآن میں اس کا بھی حوالہ اس طرح ملتا ہے۔

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنَ النَّارِ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ۔

(الرحمٰن ۵۵ : ۳۵) "تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا تو پھر تم مقابلہ نہ کر سکو گے"۔ یہ آیت اس خطرہ کا بین ثبوت فراہم کرتی ہے کہ اگر ایٹمی جنگ چھڑ گئی اور یہ مہلک بم ہیروشیما اور ناگاساکی کی طرح بڑی طاقتوں نے ایک دوسرے کے خلاف استعمال کئے تو پھر دنیا میں سوائے آگ اور دھوئیں کے کچھ نہ ہوگا۔ ایسی حالت میں کسی میں مقابلہ کی سکت کس طرح باقی رہ جائے گی۔ جبکہ دنیا میں پورا قیامت کا منظر برپا ہوگا؟

آخر ہم نے دیکھا کہ فضاء کی تسخیر اور دیگر تحقیق و ریسرچ کا جو کام مسلمانوں کے سپرد ہوا تھا جن کے پاس رہنمائی کے لئے guidance بھی تھی آج وہ زمین کی اتھاہ غاروں میں کیوں گرتا جا رہا ہے؟ ——— اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ان قرآنی اصولوں guidance کو اقوام مغرب نے اپنے ہاتھوں میں لے کر عروج ثریا پر پہنچنے کی جدوجہد کرتی رہی ہیں اور اس پر ستم ظریفی یہ کہ مسلمانوں کے ہر ذخیرۂ علوم و فنون افکار و نظریات اور بغداد جیسے تمدن کے مخزن کو ایک متعصب پالیسی کے تحت تباہ و برباد کر کے مسلمانوں کی تخلیقی قوت کو ہمیشہ کے لئے مفلوج کر دیا اور یہ کوششیں صلیبی جنگوں کے بعد ہنوز جاری ہیں۔ اس طرح مسلمانوں کی ذلت خواری کے غار میں دھکیل کر اُس کے اسلاف کی ناکامی کا بڑے شدومد سے پروپیگنڈہ کیا گیا۔ تاکہ انہیں اپنے سرمایہ افتخار کارناموں پر ایک نظر بھی ڈالنے کی خواہش پیدا نہ ہو۔ اس طرح اقوام مغرب نے جو ٹھوکر لگائی اُس سے مسلمان اب تک نہ سنبھل سکا۔ اور اُس کے حلقۂ غلامی میں آنے کے بعد تو بالخصوص مسلمانوں پر ترقی اور برتری کی تمام راہیں مسدود کر دی گئیں۔

Marfat.com

اس قوم کو کبھی آزادانہ سوچنے اور پنپنے کا موقعہ فراہم نہ ہونے دیا۔ ان حالات میں اقوام مغرب کا ترقیاتی و تحقیقی میدان میں ابھرنا ناگریز تھا۔ اور دوسری طرف مسلمانوں میں تعلیم کی کمی جہالت اور غلامانہ ذہنیت کی وجہ سے وہ ہمیشہ احساس کمتری کا شکار رہے حالانکہ خود قرآن میں باری تعالیٰ نے یہ پیشگوئی کر دی تھی کہ ہم ایسی نئی ایجادات کا سلسلہ جاری رکھیں گے جس کا تمہیں اب علم نہیں۔ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ "اور وہ (اور بھی چیزیں) پیدا کرتا ہے جن کی تم کو خبر نہیں"۔ پس موجودہ دور میں جتنی ایجادات و ترقیاں سائنسی معاشرتی وصنعت وحرفت میں ہوئی ہیں یا آئندہ ہوں قرآن مسلمانوں کو پوری تیاری کی دعوت دیتا ہے خواہ غیر مسلموں نے ایٹم ہائیڈروجن بم یا راکٹ و میزائل اور مصنوعی سیارے کیوں نہ بنائے ہوں۔ اگر آج مسلمان تیاری کریں تو انکو پکڑ لینا مشکل نہیں کیونکہ قرآن خود اس کے لئے مسلمانوں کو تیار کرتا ہے۔ کہ وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ ط کہ جہاں تک ہو سکے اپنی پوری صلاحیت و قوت کے ساتھ دشمن کے مقابلہ میں مستعد رہو اور پوری تیاری رکھو۔ کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔

مسلمانوں کے سرمایۂ افتخار سائنسدان

تیرھویں صدی کی ابتداء میں جب بدقسمتی سے مسلمانوں کا زوال شروع ہوا تو اس کے بعد ایجادات میں مسلمان اپنا حصہ کماحقہٗ ادا نہ کر سکے۔ لیکن ان کی سابقہ کارگزاریاں تحقیق ریسرچ و ابتدائی ایجادات ہمارے لئے سرمایۂ صد افتخار ہیں۔ یہ سرمایہ وہ مواد جو مسلمانوں کی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔ اہل مغرب نے جس قدر اس سے استفادہ کیا اس سے کسی کو انکار نہیں۔ ۱۹۶۰ء میں آئزن ہاور نے واشنگٹن میں اور ملکہ الزبتھ نے

Marfat.com

اپنے دورۂ مشرقی پاکستان میں خود اِس کا اعتراف کیا کہ تحقیق و ریسرچ کو آج جو مقام حاصل ہے مسلمانوں اُس کے میرِ کارواں (Pioneer) ہیں ــــــ سب سے پہلے مسلمان سائنسدانوں کی نوشتہ کتب کا ترجمہ لاطینی زبان میں ہوا جہاں سے پھر دیگر یورپی زبانوں میں ترجمہ ہوا اور اس طرح اقوام غیر پر بھی سائنس کے میدان میں جولان کرنے کے لئے دروازے کھل گئے ــــــ چونکہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا تھا اس لئے یہ مسلمانوں کی قومی اور مذہبی زبان کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ اسلئے وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ انتظامیہ سائنس ثقافت کا سرمایۂ علوم اسی زبان کا خاصہ بن گیا اور بغداد صدیوں تک اسلامی علوم و فنون اور ادب و سائنس کا مرکز بنا رہا۔ اُس وقت عربی زبان کی حیثیت یہی تھی جیساکہ یورپ میں لاطینی زبان کو مقام حاصل تھا لیکن یہ زبان فلاسفی، دینیات اور سائنس کی زبان نہ تھی۔ جیساکہ عربی میں صلاحیت پائی جاتی ہے کہ ہر علم کو اپنے سینہ میں جگہ دے سکتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں لاطینی زبان کا زیادہ تر سیاست اور ڈپلومیسی سے تعلق تھا ــــــ (Sarton) ہٹی خود ایک جگہ لکھتا ہے۔ کہ سارٹن نہایت جذباتی انداز میں اعلان کرتا ہے کہ "انسانیت کا سب سے بڑا کام مسلمانوں نے سرانجام دیا" ــــــ مثال کے طور پر انسانیت کی اس خدمت نے مندرجہ ذیل مسلمان مفکرین اکابرین مؤجد تاریخدان حساب دان اور سائنسدانوں [illegible] تعلق تھا۔ جنہوں نے وسائل کی کمی ہونے کے باوجود عربی زبان میں ذخیرہ علوم کتابی صورت میں پیش کیا مثال کے طور پہ عظیم خلا سفر، الفارابی، عظیم حسابدان ابو کامل اور سنان مسلم ہی تھے، جو دیگر علوم اور جغرافیہ میں یکتائے روزگار تھے ــــــ المسعودی طبری عظیم مسلمان تاریخ دان تھے۔ ان ہی مسلمانوں کی نگارشات تھیں جنہوں نے [illegible]

جغرافیہ، علم ہیئت (ASTRONOMY) اور ادویات medicine and (PHARMACY) میں خاص مقام پیدا کیا۔ اور مغربی علوم نے ان سے پورا استفادہ کیا۔ حساب اور الجبرا میں صدیوں تک جناب محمد ابن موسیٰ الخوارزمی مشرق و مغرب میں اپنا مقام روشنی کے مینار کی مانند رکھتے تھے۔

علم الجبرا اور علم ہیئت جن کے موجد بالخصوص مسلمان ہیں انہوں نے ان علوم پر جو مواد مہیا کیا اُس نے مغربی سائنسدانوں پر تحقیق و ریسرچ کے دروازے کھول دیئے۔ آج اُنہیں فارمولوں اور اصولوں اور ابتدائی تحقیق کی روشنی میں راکٹ اور میزائیل کی ایجاد کے بعد مصنوعی سیاروں اور خلائی پرواز سے ستاروں اور سیاروں پر پہنچنے کے انتظامات ہو رہے ہیں ——— مثال کے طور پر عظیم حساب دان الخوارزمی کا زیچ (astronomical table) عرصہ تک مشہور رہا۔ جسے بعد ازاں دسویں صدی عیسوی میں مسلمہ نے نظرثانی کر کے پیش کیا۔ اور انہوں نے ہی زمین کا نقشہ چند سائنسدانوں کی مدد سے تیار کر کے اپنی کتاب "صورت الارض" میں پیش کیا۔ اسی طرح مسلمانوں میں علم ہیئت میں سب سے اول تحقیق کرنے والے ابو عبداللہ ابن جبیر البتانی مسلمان سائنسدان تھے جو کہ اب تک لاطینی دنیا میں Albateganius کے نام سے مشہور ہیں جنہوں نے سورج کی حرکت اور زمین کے تعلق سے سورج گرہن کے گھٹنے بڑھنے پر تحقیق کی ——— ابو العباس محمد ابن طہر الفرغنی جو لاطینی میں Alfrugamus کے نام سے مشہور ہیں نے مامون کے عہد میں "دار الحکمہ" کی بنیاد رکھی۔ اور زمین کی پیمائش کی۔ مغربی سائنسدانوں میں اُن کی کتاب "حرکات السماویہ و جوامع علم النجوم" نے کافی شہرت حاصل کی۔ جو کہ لاطینی زبان میں seuntia stellarum کے

---

* سپوتنک ۴ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو فضا میں پہلا روسی مصنوعی سیارہ چھوڑا گیا۔

نام سے مشہور ہے. اور ڈانٹے Dante کے علم ہیئت پر زیادہ تر اعداد و شمار (Data) اسی کتاب سے اخذ شدہ ہیں ابو مشعر جو یورپ میں (Albumasar the astrologer) کے نام سے مشہور ہیں سب سے پہلے شخص ہیں جس نے سمندری لہروں پر چاند کے اثرات بیان کئے ——— ابوالقاسم سید الطلاطلی (Abu Alqasim altalaytuli) جو کہ عظیم حسابدان اور اس علم میں یکتا اور مانے ہوئے authority تھے۔ جنہوں نے سائنسی "تاریخ" پر بڑی کتاب Tabaqatul Umam کے نام سے مشہور ہے جس سے بعد میں لکھنے والوں نے خوب استفادہ کیا جابر ابن فلاح اشبیلیہ (Seville) جن کا لاطینی نام Geber ہے۔ انہوں نے (armillarysasphere) ایجاد کیا تاکہ آسمانی سیارہ گاں کی زمین سے دوری کی پیمائش کرکے ان کی پوزیشن معلوم ہو سکے ——— باٹنی (Botany) میں ابوالاعباس النباطی نے پودے دریافت کرکے ان کی لسٹ اپنی کتاب میں پیش کی۔ اسی طرح ابوجعفر نے بھی بہت سے درختوں کو جمع کرکے عربی اور لاطینی نام دیئے۔ ابن رُشد مُوسیٰ ابن مامون ادویات (medicine) کے میدان میں خاص مقام رکھتے ہیں ——— علم الابدان میں عبداللطیف بغدادی نے انسانی ڈھانچہ کا مطالعہ کرکے اس علم میں غیر معمولی اضافہ کیا ——— اسی طرح ابوسینا فارابی اور خیام کا مقام مشرق و مغرب میں کسی سے پوشیدہ نہیں۔ پس موجودہ تحقیق ریسرچ اور سائنسی ایجادات یعنی دور عباسیہ کے سائنسدان ماہر علوم و فنون اور موجد سائنس ہی اصل راہ دکھانے والے ہیں۔

Marfat.com

ریسرچ اور تحقیق کے میدان میں اسلام کے غازی سائنس اور روحانیت کو ہمیشہ شانہ بشانہ لیکر چلے ہیں یہی وجہ ہے کہ رسول مقبولؐ، خلفاء، صحابہ اور آئمہ کرام کی نگاہ بصیرت کسی بھی معاملہ کی گہرائی تک پہنچنے میں ذرا تامل نہ کرتی تھی۔ اُن کے مقابلے میں اب تک محققین و سائنسدان کسی بھی نکتہ کے حل یا ایجاد کے لئے تحقیقاتی کمیشن یا سائنسی لیبارٹریوں میں تحقیق و تجربات کرکے کروڑوں روپیہ صرف کیا اور مواد (Data) جمع کرکے برسوں میں کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ پھر بھی وہ موجودہ مسائل کا حل فطرت کے قوانین، روحانیت اور فلسفہ کی مدد سے نکالنے کی پوری صلاحیت نہیں رکھتے اسی لئے انہیں اپنے حصولِ مقصد میں متعدد بار کامیوں کا منہ دیکھنا پڑا لیکن مسلمان جب اسلام کے ذخیرہ افکار سے مستفیض ہوتے تو روحانیت کا دامن تھام کر ایسے مافوق الفطرت کارنامے سرانجام دیئے کہ مغربی مفکرین و مستشرقین یا سائنسدان (روحانیت سے نابلد ہونے کے سبب) ہمارے اسلاف کے کارنامول کی حقیقی روح کو پالینے سے قاصر رہے۔ اس لئے بھی کہ معجزات یا مافوق البشر کارنامے سرانجام دینا پیغمبرانِ خدا اور یا پھر صرف مسلمان فقراء و صوفیاء کرام کے ہی حصہ میں آیا ہے۔ ہمارا یہ چیلنج ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ کوئی قوم بھی کائنات کے سربستہ رازوں اور فطرت کی حقیقت کو پالینے کی صلاحیت نہیں رکھتی اس لئے یہ طے شدہ امر ہے کہ بغیر اسلام کے ذخیرۂ افکار سے استفادہ کئے فلسفہ اور روحانیت کو ساتھ لیکر نصوص قرآنیہ کا دقیق مطالعہ کئے بغیر کائنات کی تحقیق و تسخیر ممکن نہیں۔ مادیت پسند طبقہ سے بس یہی توقع کی جاسکتی ہے۔ کہ دیگر دنیاوی، ملکی اور سماجی کاموں کی طرح کائنات کی تسخیر کا کام بھی ادھورا چھوڑ کر اپنی عقل کی نارسائی تسلیم کرلے گا۔

Marfat.com

طب و تشریح Anatomy

اس وقت ہمہ قسم کے عقلی علوم و عملی فنون سے متعلق بے شمار کتب بھری پڑی ہیں اور مختلف ذخائرِ افکار کے پلندوں سے لائبریریاں اٹی پڑی ہیں لیکن اب بھی بہت سے ایسے پہلو باقی رہ گئے ہیں۔ جن پر تحقیق و ریسرچ بہت پہلے ہونی چاہیئے تھی ــــــ مثلاً ایک پہلو خود انسان کی اپنی ذات ہے۔

کائنات کی تمام اشیاء کیوں، کس طرح اور کس نظریے کے تحت معرض وجود میں لائی گئیں؟ ان کی موجودہ شکل کے علاوہ دوسری صورت کیوں مناسب نہیں؟ــــ مچھر، مکھی، سانپ، کیڑے مکوڑے، درندے، چرند و پرند اور مختلف اقسام کے جانوروں وغیرہ کی پیدائش حتیٰ کہ خود حضرت انسان کو ایسی مخصوص ساخت و شکل و شباہت میں پیدا کرنا آخر کیوں مقصود تھا؟ ــــ اس موضوع پر تحقیق کے اعداد و شمار و مواد مفقود ہے۔ اتنا اہم موضوع نہ معلوم کیوں اہل مغرب سے سہو نظر ہوا اور تحقیق نہ کی گئی کہ آخر انسان کی اپنی حقیقت کیا ہے؟ ــــ اس کا فلاں اعضاء موجودہ شکل میں ہے ایسا کیوں بنایا گیا اور آخر اسے فلاں جگہ ہی لگانا کیوں بہتر تھا؟ ــــ کاش دہریت پسند اگر صرف اپنی ہی ذات کی ساخت پر غور کر لیتے تو خدائے تعالیٰ کی شان عظمت اس کی وحدانیت و کارسازی کے قائل ہو جاتے اور ان کے دلوں میں احساس کے حقیقی رب العالمین ہونے کا ذرا شک و شبہ باقی نہ رہ جاتا ــــ گو سرجری، اٹیمی، شعاع اور فارمیسی وغیرہ نے انسان کو بے انتہا فائدہ پہنچایا ہے اور تشریح Anatomy علم الابدان اور علم الامراض وغیرہ پر بے حساب تحقیق کی گئی لیکن جہاں ماہرین نے Anatomy کی متعدد قسمیں بیان کیں وہاں اس خاص قسم کی تشریح

Anatomy) کو جداگانہ علم کی صورت میں پیش نہ کیا اسلئے کہ اس کی تشریح میں اعضاء جسم کی مخصوص ساخت، شکل و شباہت سے بحث و استدلال کیا جانا چاہیئے تھا۔ مثلاً سر ایک کیوں پیدا کیا یا سر گول کیوں ہے؟ آنکھیں بادام کی مانند سر میں کیوں پیدا کی گئیں؟ گھٹنے کا جوڑ پیچھے کیوں مڑتا ہے؟ بال بے جان کیوں بنائے گئے وغیرہ وغیرہ ——— لہٰذا اگر اس قسم کی تشریح بھی مدنظر رکھی جائے اور تحقیق کی جائے تو نہ صرف ایک ضروری علم کی ابتداء ہو سکتی ہے بلکہ اس کے توسط سے اُن انسانی اعضاء کے خالق اور پروردگارِ عالم کی معرفت اور خود اپنی حقیقت سے آگاہی حاصل ہو جائے۔ چونکہ اس قسم کی تشریح کے لئے استدلال کی ضرورت ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد مغربی مفکرین اس پر سوچ بچار کریں اس لئے قبل از وقت ہی بہتر ہوگا کہ اس علم پر بھی کچھ روشنی ڈالی جائے کیونکہ اس میدان میں بھی علمی تحقیق مسلم مفکرین سے پوشیدہ نہ تھی ——— پہلی صدی ہجری میں دورِ اسلامیہ کی ایک یگانہ ہستی حضرت امام ابو عبداللہ جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام کی تعلیمات سے بھی واضح طور پر اس قسم کی علمی بحث پر روشنی پڑتی ہے۔ آپ اس تشریح کے ذریعہ خداوند عالم کے وجود کو ثابت فرمانے اور اس کی قدرت کاملہ کی عظمت اور شان کا ثبوت فراہم کرتے تھے۔

امام جعفر صادق علم و حکمت و دانائی کے بحرِ بے کراں تھے اور آپ کے چشمہ علم سے مسلم و غیر مسلم سب ہی سیراب ہوتے تھے۔ ویسے بھی باب العلم حضرت علیؑ کی اولاد یعنی خاندان رسالت کے چشم و چراغ تھے۔ یہاں آپ کے ارشاداتِ تشریح پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دورِ جدید کے محققین۔ ڈاکٹروں اور مفکرین تک یہ پہنچ سکے اور اسلامی ذخیرۂ افکار کی افادیت کا انہیں بھی کچھ اندازہ ہو سکے ——— پہلی صدی میں

امام جعفر صادق نے منصور دوانیقی کی مجلس میں ایک کامل ہندی طبیب سے انسانی اعضاء کی ساخت پر اٹھارہ سوالات کئے تھے اور وہ فاضل مردِ طبیب ان میں سے ایک کا جواب نہ دے سکا۔ آخر آپ نے ایسے تشریحی جوابات دیئے کہ طبیب ایمان لا کر حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ آپ نے اُن تشریحی سوالات کے درج ذیل جواب ارشاد فرماتے تھے

۱۔ اوّل یہ کہ سر میں دروز (Satures) اس لئے ہوتے ہیں کہ وہ جوف دار ہوتا ہے اور ہڈیوں کی ان دروز کا فائدہ یہ ہے کہ اگر ایک ہڈی کو آفت پہنچے تو سر کی تمام ہڈیوں میں سرائیت نہ کرے۔

۲۔ سر کے اوپر بال اس لئے بنائے گئے کہ اُن کے توسط سے دماغ سے روغنیات پہنچ سکیں اور ان کے آزاد سروں سے بخارات خارج ہوں اور حرارت و برودت دفع ہو۔

۳۔ پیشانی بالوں سے خالی اس لئے ہے۔ کہ اس کی طرف سے آنکھوں کی جانب روشنی پہنچتی ہے۔

۴۔ پیشانی پر خطوط اور جھریاں اس لئے ہوتی ہیں کہ سر سے آنکھوں کی طرف آنیوالا پسینہ ان میں رُک جائے اور اُن کے ذریعہ جانبین کی طرف بہہ نکلے۔

۵۔ بھویں آنکھوں کے اُوپر اس لئے ہوتی ہیں کہ روشنی کی مناسب مقدار آنکھوں تک پہنچ سکے (اکثر تیز روشنی میں آدمی ہاتھ اپنی آنکھوں کے اوپر رکھتا ہے)

۶۔ آنکھیں بادام کی مانند اس لئے بنائی گئیں ہیں کہ دوا کی سلائی آنکھ میں بآسانی پھیل جا سکے اور مرض رفع ہو سکے۔

۷۔ دونوں آنکھوں کے درمیان ناک اس لئے پیدا کی گئی کہ روشنی دو حصوں میں منقسم

Marfat.com

ہو کر دونوں آنکھوں کو برابر پہنچے۔

۸۔ ناک کا سوراخ نیچے کی جانب اس لئے رکھا گیا تاکہ اس کے ذریعہ دماغ سے فاسد مادے اور فضلات نیچے اتر کر خارج ہوں اور خوشبو مرکز شامہ کی طرف چڑھے (اگر سوراخ اوپر ہوتا تو نہ مادے خارج ہونے اور نہ بو محسوس ہوتی)

۹۔ مونچھیں اور لب منہ کے اوپر اس لئے بنائے گئے کہ دماغ سے نازل ہونے والے مواد منہ تک پہنچیں یا کھانے پینے میں حائل نہ ہوں۔

۱۰۔ مردوں کی داڑھی مرد اور عورت میں تمیز کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

۱۱۔ نکیلے دانت چیزوں کو کاٹنے کے لئے اور ڈاڑھیں غذا پیسنے اور چبانے کے لئے ہیں۔

۱۲۔ دونوں ہتھیلیاں بالوں سے خالی اس لئے کہ ان کے ذریعہ اشیاء کا مس مقصود ہے۔ بال ہونے پر کوئی چیز چھو کر محسوس نہ کر سکتا۔

۱۳۔ بال اور ناخن اس لئے بے جان کہ طوالت بری اور تکلیف دہ ہوتی ہے اس لئے کہ کاٹے جا سکیں تو تکلیف نہ ہو۔

۱۴۔ قلب صنوبر کے دانے کی طرح اس لئے کہ وہ اوندھا (منکس) ہے اور راس دقیق اس لئے کہ وہ پھیپھڑوں میں سما سکے اور ان کی ٹھنڈک کی ترویح حاصل کر سکے ورنہ اس کی گرمی دماغ کو اذیت پہنچاتی۔

۱۵۔ پھیپھڑے دو اس لئے کہ قلب دونوں کے مابین داخل ہے اور ان کی حرکت و تنفس سے ترویح حاصل کرتا ہے۔

۱۶۔ جگر محدب اس لئے ہوتا ہے کہ معدہ پر بوجھ ڈالے اور اس کو گھیر کر نچوڑے تاکہ

Marfat.com

اس سے بخارات خارج ہوں۔

۱۷۔ گھٹنے کا جوڑ پیچھے کی طرف اس لئے مڑتا ہے کہ انسان اپنے سامنے کی طرف چلنے پر قادر ہو۔

۱۸۔ تلوے نیچے سے خالی اس لئے ہوتے ہیں۔ کہ زمین پر چلنا آسان ہو۔ چپٹے ہوتے تو سارے بدن کا بوجھ پڑتا۔

(۲) حوالہ طب الامام الصادق علیہ السلام بقلم محمد خلیلی مطبوعہ نجف ۱۳۸۴ھ — کتاب الخصال ابن بابویہ القمی مجلد ثانی صفحات ۹۷-۹ ۱۴۱ پران)

اس کے علاوہ ایک نصرانی کے جواب میں جسم انسانی کی تشریح کا خاکہ یوں بیان فرمایا حالانکہ اس وقت سرجری۔ مردے کی چیر پھاڑ۔ ایکسرے وغیرہ کا وجود نہ تھا اور نہ ہی تحقیقی مواد اس موضوع پر مستند پیش کیا جاسکتا تھا۔ اس وقت آپ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بارہ وصل (وصل سے مراد بارہ اعضاء جو باہم ملتے ہیں۔ مثلاً سر گردن۔ بازو کا جوڑ۔ ران کا جوڑ وغیرہ) ۲۴۸ ہڈیوں اور ۳۶۰ رگوں پر تخلیق فرمایا۔ یعنی دونوں ہاتھوں میں ۸۲ ہڈیاں (ایک ہتھیلی میں ۳۵ ہڈیاں۔ کلائی میں دو۔ بازو میں ایک۔ مونڈھے میں تین (کل مجموعہ ایک ہاتھ ۴۱ ہڈیاں)) پاؤں میں ۴۳ ہڈیاں۔ صلیب (ریڑھ) میں ۱۸ مہرے۔ اور ہر پہلو پر ۹ پسلیاں۔ گردن میں ۸ اور سر میں ۳۶ اور منہ میں ۳۲ ہڈیاں ہوتی ہیں۔ (حوالہ طب الامام الصادق علیہ السلام بقلم محمود الخلیلی ومناقب ابن شہر آشوب وبحارالانوار جلد ۱۴۔ صفحہ ۴۸۰)

اس طرح مسلمان نہ صرف علم الابدان بلکہ تشریح Anatomy ۔ جڑی بوٹیوں سے ادویات فارمیسی میں ہی ماہر و یکتائے روزگار تھے۔ بلکہ کیمیا سے سونا تک بنانے کی اہلیت رکھتے تھے ——— موجودہ ترقی یافتہ سائنسی دور سے ۱۴ سو سال

قبل تاریک دَور میں اسلام کے ذخیرہ افکار نے ہمہ قسم کے علوم و فنون کے جواہر ریزے بکھیرے جنکی خوشہ چینی کرکے اقوامِ مغرب نے موجودہ دَور میں ضیا پاشی کی ہے. قرآن پاک نے زرّیں اصول پیش کئے تو مسلمان اس وقت کچھ نہ سمجھ سکا۔ آج جب حقیقت پر سے پردہ اٹھا تو قرآن کی صداقت سامنے آجاتی ہے. مثال کے طور پر سب سے پہلے صدیوں قبل قرآن نے بتایا کہ سیارے اور چاند ستارے کشش سے جکڑے ہوئے حرکت کرتے ہیں. یہ کہ کائنات کی تخلیق پانی سے ہوئی ـــ اور یہ کہ پودوں میں بھی مخالف جنس (نر و مادہ) ہوتے ہیں وغیرہ ـــــ اسی لئے آج جب مغربی محققین سائنسدان اور ماہرین اپنی جدید تحقیق کو صدیوں قبل کی الہامی کتب میں اس کا حوالہ پاتے ہیں تو گنگ رہ جاتے ہیں۔

Marfat.com

اسلامی نظریۂ حکومت وسیاست

"اِسلام اور حکومت دو جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں کوئی بھی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہوسکتا۔ اسلام کی مثال ایک عمارت ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے جس عمارت کی کوئی بنیاد نہ ہو وہ عمارت گر جاتی ہے اور جس کا کوئی نگہبان نہ ہو وہ لوٹ لیا جاتا ہے۔" (ارشادِ گرامی نبی اکرم صلعم)

اسلام محض ایک مذہب یا چند عقائد و رسومات کا نام نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے یہ ان اصول وضوابط پر مشتمل ہے جو انسان کی ہر پہلو سے کشمکش حیات میں رہنمائی کرتا ہے ایسا نظامِ حیات کوئی مذہب نظریہ یا ازم پیش کرنے سے قاصر ہے صرف اسلام ہی تمام قسم کے مسائل خواہ وہ سیاسی نوعیت کے ہوں یا معاشی و معاشرتی کے لئے چند اصول پیش کرتا ہے جن کی روشنی میں ہم ان کا حل تلاش کرتے ہیں۔ یہ زرّیں اصول ہمیں کلامِ حکیم سے حاصل ہوتے ہیں اور ان پر عمل پیرا ہونے کا خلاصہ ہمیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ یا صحابہؓ کے کردار اور خلفائے راشدہ کے دورِ حکومت سے ملتا ہے۔

سیاسی نظریہ

اسلام جہاں انسانی ترقی کے بنیادی اصولوں کے ساتھ ہمہ گیر نظریہ پیش کرتا ہے۔ وہاں انسان کے سیاسی پہلو پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ اسلام انسانی جدوجہد کے سیاسی وغیر سیاسی مسائل میں تفریق نہیں کرتا ——— "جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی"

Marfat.com

اسلامی حکومت میں سیاست کی بنیاد قرآن کے ان بنیادی اصولوں پر استوار ہوتی ہے جو انسانی زندگی کے ہر لائحہ عمل میں کارآمد اور قابلِ عمل ہوتے ہیں۔ اس لئے آج بھی اسلامی نظریہ کو انسانی مسائل حل کرنے میں جو کامیابی حاصل ہو سکتی ہے وہ کسی بھی مغربی سیاسی نظریے سے ممکن نہیں۔ ہمارا یہ ایمان اور اعتقاد ہے کہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اختیار کردہ سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی اصول ہی اسلامی سیاست کے بنیادی مدار ہیں انہیں اصولوں پر اسلامی حکومت کی بنیاد کھڑی کی جاتی ہے جن کا مختصر خاکہ زیرِ نظر ہے۔

اقتدارِ اعلیٰ یا Sovereignty

اسلام میں قانون سازی انفرادی یا اجتماعی طور پر کسی مذہبی فرقے یا عوام لی حاصل نہیں اور نہ انہیں ایسے بنائے ہوئے قوانین ملت پر ٹھونسنے کا حق حاصل ہے لکہ قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ ہے۔ ان قوانین کا نزول وحی احکامات الٰہیہ کی صورت میں پیغمبروں کے توسط سے ملت کے لئے ہوتا ہے۔ جس میں فراد تو کیا پیغمبر تک کو اضافہ یا تحریف کی اجازت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اسلامی قانون کی رُو ے امیر و غریب پیغمبر یا فرد سب برابر متصور ہوتے ہیں۔ پس اسلامی ریاست کی بنیاد ان بنیادی اصولوں پر استوار ہوتی ہے جس میں اوّلاً اقتدارِ اعلیٰ sovereignty للہ تعالیٰ یا شریعت کو حاصل ہے۔ اِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ (سورۂ یوسف) حکم فقط اللہ ہی کے لئے ہے جس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی دینِ قیم ہے۔

الٰہ کا مطلب ہی یہی ہے کہ وہ ذات جس کو کل اقتدار حاصل ہے کیونکہ وہی

Marfat.com

مالک الملک ہے اور اس کی تمام کائناتِ ارض و سما کی حکومت و انتظامیہ میں کوئی شر
نہیں ——— اِس اقتدار کو خدائے تعالیٰ بجائے خود ملّت میں جاری و ساری
(execute) کرنے کے لئے شریعت کو اقتدارِ اعلیٰ کی حیثیت سے متعین کر
ہے۔ اور یہ شریعت (Divine guiding principles) ہی وہ ضا
ہے۔ جسے ملّت کا ہر فرد من و عن قبول کرتا ہے ——— اسلامی ریاست میں ملّت، فرد ا
حکومت علیٰحدہ وجداگانہ حیثیت کی حامل نہیں بلکہ یہ مکمل طور پر ایک ہی جسم کے مختلف اع
ہیں۔ اس طرح اسلام موجودہ طرز کی جمہوریت سے ہٹ کر ایک اچھوتا تخیلِ اقتدار اور نظ
سیاست پیش کرتا ہے جس میں مذہب کو ریاست سے اور اخلاق کو سیاست سے علیٰحدہ نہ
کیا جا سکتا۔ تمام افرادِ ملّت اسلامی مملکت میں صرف اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار رعیّت ہیں
جن کو چار (catagories) میں تقسیم کیا گیا ہے۔ وہ مُسلِمین، مُؤمِنین صالح
اور متقین ہیں۔ اسلامی معاشرہ میں کسی فرد کا تقویٰ ہی اُس کو اسلامی ریاست میں
ایک اعلیٰ مقام عطا کرتا ہے۔ اس لئے اس نیم مذہبی جمہوریت (Divine dem-
ocracy) میں اللہ تعالیٰ جس کو چاہے حکمرانی دے اور جس سے کوئی عہدہ
چھین لے کیونکہ اُس کے اقتدارِ اعلیٰ میں کوئی بھی شریک نہیں۔ لَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيْكٌ
فِي الْمُلْكِ (بنی اسرائیل) "اس کی سلطنت میں اس کا کوئی شریک نہیں"۔

اسلامی حکومت کا ڈھانچہ

خلیفہ اللہ تعالیٰ اپنے اقتدارِ اعلیٰ کا اختیارِ حکومت ملّت میں سے سب
زیادہ متقی اور پرہیزگار مسلمان کو اپنے خلیفہ کی حیثیت سے سپرد

Marfat.com

ہے۔ یہ خلیفہ امیر یا صدر مملکت اللہ تعالیٰ کا نائب اور امت کا خلیفہ ہوتا ہے۔ جس کو تمام ملت کا اعتماد حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ بھی اسلامی شریعت کی خلاف ورزی نہیں کرتا اور اگر وہ ایسا کرے تو عوام کو اُسے برطرف کرنے کا حق حاصل ہے۔ اُس کی جگہ ملت میں سے کسی اور متقی اور پرہیزگار فرد کو خلیفہ چُنا جا سکتا ہے۔ شریعت کے تمام اصولوں و اسلامی قوانین کی ترویج و حفاظت کی ذمہ داری اسی خلیفہ یا (Vice-gerent) پر ہوتی ہے "وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (۲۵ : ۵۵) "اللہ تعالیٰ نے تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اُن کے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور اپنا خلیفہ بنائے گا جس طرح کہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو اپنا نائب بنایا تھا۔" ——— پس اسلامی مملکت کا صدر امیر یا اللہ تعالیٰ کا خلیفہ (Vice-gerent) صرف ایک متقی مسلمان ہی ہو سکتا ہے۔

انتظامیہ Executive

اس طرز حکومت میں ایک انتظامیہ (Executive) یعنی اسلامی نظام کو چلانے یا صدر مملکت کو مشورہ دینے کے لئے ایک کابینہ ہوتی ہے جو کہ مسلمانوں کی عام مرضی یا اکثریت رائے ... امیر خلیفہ کی منشا کے مطابق معرض وجود میں آتی ہے انتظامیہ کے ممبران کو صدر مملکت ... یا خلیفہ نامزد کر سکتا ہے۔ اور اُسے انہیں برطرف کرنے کا حق بھی حاصل ہے اور ... مجلس شوریٰ خلیفہ کو ملکی معاملات کا حل عوامی رائے عامہ انصاف یا شریعت کی روشنی میں آپس کے مشورہ سے طے پاتے ہیں۔ "وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (شوریٰ) اور ان کے معاملات باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں"

Marfat.com

صدر اپنی کابینہ کیلئے کابینہ کے افرادِ ملت کے صالحین سے منتخب کرتا ہے جو کہ اعلیٰ قابلیت انصاف پسندی کے علاوہ نگاہِ بصیرت رکھتے ہوں انکا وسیع معلومات کے علاوہ دیگر علوم و قرآن و سُنّت میں وسیع و گہرا مطالعہ ہوتا ہے کیونکہ ان کے ذمّے انتظامیہ کے بنائے ہوئے اصولوں کو جاری و ساری اور شریعت کے اصولوں کی نگہبانی کرنا ہوتی ہے۔

صدرِ مملکت، وزراء یا مشاورتی کونسل کے افراد کو مندرجہ ذیل خصوصیات کا حامل ہونا چاہیئے۔

(۱) وہ امین (trust worthy) ہونا چاہیئے۔

(۲) متقی اور اللہ کا خوف رکھنے والا ہونا چاہیئے۔

(۳) ایسا لیڈر ہو جسے عوام چاہتے ہوں اور وہ بھی ملّت سے محبت رکھتا ہو اور وہ ایک دوسرے کے لئے دعا کرتے ہوں۔

(۴) جو ایسے عہدے کی خواہش و لالچ نہ رکھتا ہو لیکن اگر کوئی فرد کسی ایک کام میں ماہر اور یا کسی عہدے کے لئے موزوں ترین ہو تو وہ خود کو پیش کر سکتا ہے۔ جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے عزیزِ مصر کو خزانے و خوراک کی نگہبانی کے عہدے کی تقرری کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ جو کہ منظور کر لی گئیں۔

(۵) اس عہدے کے لئے عورت کی خدمات نہ لی جائیں تو بہتر ہے۔ کیونکہ بخاری شریف میں مذکور ہے۔ لَن یُّفلِحَ قَومٌ وَلَّوا اَمرَھُم اِمرَاَۃً۔ کہ جس قوم نے اپنے مملکتی امور عورت کے سپرد کئے وہ کبھی پنپ نہیں سکتی۔ اس سے سیاست و انتظامیہ میں عورت کا حصہ نہ لینا بہتر ہے۔ لیکن ان کو مستقلاً نا اہل یا (Debar) نہیں کیا گیا۔

Marfat.com

(۶) یہ وہ لوگ ہیں جو کہ صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ بُرائی سے روکتے اور بھلائی کی دعوت دیتے ہیں۔ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ۔ (النساء)

(۷) پس اگر کوئی تنازعہ پیدا ہو تو یہ لوگ اللہ کی کتاب اور سنتِ رسول کی طرف رجوع کریں کیونکہ اس طرح فیصلہ کرنا ہی صحیح اقدام ہے اور جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اُس کے مطابق اگر فیصلہ نہیں کرتے تو وہ ظالم، منکرین اور فاسقین ہیں۔

(۸) پھر حکم دیا گیا کہ اگر کوئی بدصورت غلام بھی کسی عہدے پر مقرر ہو جو کہ معاملات قرآن اور سنت کی روشنی میں فیصل کرے تو اس کی اتباع و تعمیل لازمی قرار دی گئی۔ اور اگر کوئی عہدیدار بھی شریعت کے بتائے ہوئے راستے پر نہ چلے تو اس کی اتباع لازمی نہیں بلکہ برطرف کرنے کا حق حاصل ہے۔

ادارۂ قانون ساز Legislature

اسلامی حکومت میں چونکہ قانون سازی یا دستور کے اصل ماخذ قرآن اور سُنّت ہی ہیں۔ اس لئے مسائل کا حل نصوص کی مدد سے ہی حل کیا جاتا ہے۔ لیکن نئے حالات اور بدلتے ہوئے تقاضوں کے پیشِ نظر اور اسلامی قانون کی بہتری، وُسعت اور ترویج دینے کے لئے علم فقہ (Islamic jurisprudence or science of law) کی ابتداء ہوئی۔ جو کہ اسلامی مملکت کے امور میں راہنمائی guidance اور اس کا خلاصہ پیش کرتا ہے ——— موجودہ دور میں خدا کی حاکمیت و شریعت کی برتری کے ساتھ

ساتھ ایک عوامی نمائندہ ادارہ قانون ساز legislature کا قیام نہایت ضروری ہے گو دورِ خلافت میں انتظامیہ، قانون سازی، اور عدلیہ تینوں شعبے امیر یا خلیفہ میں مرکوز تھے لیکن ریاستی امور انتظامیہ اور قانونی امور میں مشورہ دینے کے لئے اِس قسم کے ادارہ کا وجود ملتا ہے۔ جو کہ "اَهْلُ الْحَلِّ وَالْعَقْدِ" کہا جاتا ہے۔ خلیفہ ان ارباب حل وعقد سے مشورہ کرتے تھے۔ اس دور میں قانونی ماہرین، مجتہدین وعوامی نمائندگان جو قانون ساز اسمبلی کے اہل ہوں منتخب کر کے یہ ادارہ وجود میں لایا جا سکتا ہے جس کا کام قانون سازی اور قومی مسائل کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں تلاش کرنا ہوگا۔ اور اگر نئے مسائل پیدا ہوں جن کا حل قرآن وسنت میں نہ ملے تو پھر اجماع، قیاس استحسان یا اجتہاد سے تلاش کرنا ممکن ہوگا تاکہ نئے حالات ونئے تقاضوں کی روشنی میں ترقی کے میدان میں کسی سے پیچھے نہ رہیں۔

عدلیہ Judiciary

قانون ساز ادارے کے بنائے ہوئے قوانین کا نفاذ عدلیہ کے توسط سے ہوتا ہے۔ دورِ خلفائے راشدین میں انتظامیہ اور عدلیہ دونوں ادارے خلیفہ ہی میں مرکوز تھے کیونکہ عوام کو خلیفہ پر کلیتہً اعتماد ہوتا تھا۔ اس لئے یہی آخری عدالت نظر ثانی Court of last appeal متصور ہوتی۔ گو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں انتظامیہ اور عدلیہ کو علیحدہ علیحدہ اپنے حلقہ اثر میں کام کرنے کا اختیار دیدیا گیا تھا اس لئے موجودہ دور میں بھی کیونکہ ہمارے پاس اس معیار کے خلفاء جو کہ صدر مملکت اور چیف جسٹس کے عہدوں کی ذمہ داریاں سنبھال سکیں کا ہونا مشکل ہے اس لئے یہ دونو شعبے اپنی کارکردگی میں خود مختار independent ہوں۔

Marfat.com

اِسلام میں نظام عدلیہ کو "قضاء" کہا جاتا ہے۔ سورۃ المائدہ میں بالخصوص نہایت تفصیلی سے نظامِ عدلیہ میں قاضی کے فرائض بیان ہوئے۔ مندرجہ ذیل آیات بالخصوص قابل ذکر ہیں۔

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ آپ اُن کے درمیان اُس حق کی روشنی میں فیصلہ کریں جو اللہ نے آپؐ پر نازل فرمایا ہے۔ اور اُس حق کے مقابلہ میں اُن کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۭ کیا یہ لوگ جاہلیّت کے فیصلے تلاش کرتے ہیں؟ اور اللہ سے بڑھ کر اچھا فیصلہ کرنے والا کون ہے۔ اُس قوم کے لئے جو (اللہ کے فیصلہ پر) یقین کرتی ہے؟

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۭ "اور وزن کو ٹھیک طریقہ سے قائم کرو اور تولنے میں خسارہ نہ کریں"۔ یعنی اللہ نے آسمان سے زمین تک ہر چیز کو حق و عدل کی بنیاد پر اعلیٰ درجہ کے توازن و تناسب کے ساتھ قائم کیا ہے۔ اگر عدل و حق قائم نہ رہے تو کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ بندے بھی عدل و حق جادہ پہ مستقیم رہیں۔ اور انصاف کے ترازو کو اٹھنے اور جھکنے نہ دیں نہ کسی پر زیادتی کریں اور نہ کسی کا حق دبائیں۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ "عدل ہی سے زمین و آسمان قائم ہیں"۔

اسلامی ریاست کا مقصد اور فرائض

اُمتِ مسلمہ کا وجود چونکہ دین کی بنیادی ضرورت ہے اور

Marfat.com

قرآن کی رُو سے تمام امت ایک ہی پارٹی تصور کی جاتی ہے اس لئے اسلامی ریاست میں فرقہ بندی اور پارٹی بازی کی اجازت نہیں۔ جو لوگ خدا میں اور کتاب میں اعتقاد رکھتے ہیں۔ وہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ اور باقی مشرکین۔ اسلامی ریاست میں وہ غیر مسلم "ذمّی" متصور ہوتے ہیں۔ جن کے مال و جان کی حفاظت کا ذمہ مسلمان لیتے ہیں اور یہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ و مددگار۔ لیکن دشمن اور کافروں کے مقابلہ میں فولاد ہوتے ہیں۔ تمام امت کو فوجی ٹریننگ ہوتی ہے جو کہ بوقت ضرورت جہاد و قتال میں شرکت کرتی ہے اور اسلامی نظامِ حکومت مسلمانوں ہی کے لئے معرضِ وجود میں آتی ہے۔ جس کے فرائض حسب ذیل ہیں۔

(۱) تاکہ امت شریعت اور انصاف کی رُو سے اپنی زندگی بہتر طریق پر صراطِ مستقیم پر چلا سکے۔

(۲) ریاست لوگوں کو نماز پڑھنے زکوٰۃ ادا کرنے، برے کاموں سے ایک دوسرے کو روکنے اور نیک کام کرنے کے لئے آمادہ کرتی ہے۔

(۳) جو قرآنی احکامات کی تعمیل نہ کریں ریاست اُن کو منواتی ہیں۔

(۴) امن و انصاف کا قیام سرحدوں کی حفاظت، عام آدمی کا معیارِ زندگی بلند کرنا حاجت مندوں کی مدد وغیرہ ریاستی فرائض میں شامل ہیں۔

اسلامی ریاست کا مقصد قرآنی نصوص سے اس طرح بھی واضح ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط "تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے پیدا کیا ہے (تاکہ) تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے اور بُرائی سے روکتے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"

Marfat.com

اِسلام کا نظامِ عدلیہ

قانون کی تعریف

عہدِ جدید میں قانون سازی کا حق بنیادی طور پر تسلیم کیا جا چکا ہے۔ اس لئے آج قانون کی تعریف یہ کی جا سکتی ہے کہ انسانی زندگی کو منضبط کرنے کے لئے قواعد و ضوابط کا ایسا مجموعہ جو افراد کی رضامندی سے مرتب کیا جائے اور حکومت اُسے نافذ کرے وہ "قانون" ہے۔ اس طرح قانون کی چار شرطیں تسلیم کی جاتی ہیں یا یوں کہیئے کہ دورِ جدید میں مغربی طرزِ فکر کے مطابق قانون کی مندرجہ ذیل چار اساس تسلیم کی گئیں ہیں۔

۱۔ افرادِ انسانی کا گروہ

۲۔ قواعد و ضوابط

۳۔ اُن پر قوم کی اجتماعی رضامندی کا حاصل ہونا اور

۴۔ حکومت ان کو تسلیم کرکے اپنی عدالتوں میں نافذ کرے ——— وہ قانون کہلائے گا۔ معاشرہ میں قانون کی موجودگی جہاں ضروری ہے تاکہ ظلم و استبداد کا آغاز نہ ہو وہاں اس کی بہتات کو بھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا اسی لئے مارسٹن ایک جگہ کہتا ہے۔

"قانون کی کثرت یہ ظاہر کرتی ہے کہ یا تو بادشاہ بہت جابر ہے یا رعایا ہی بہت بے لگام" ——— جدید فلسفۂ قانون کی مشہور کتاب میں قانون کی تعریف یوں درج

Marfat.com

ہے کہ انسانی اعمال کے لئے وہ قواعد جن کی پابندی لوگوں کے لئے لازم کر دی گئی ہو۔ یا معاشرے کے کسی طبقے یا گروہ کے اعمال اور سمع واطاعت کے لئے ایک منظور شدہ حکم نامہ ــــــ اسی لئے ہالینڈ ایک جگہ لکھتا ہے۔ کہ

"قانون آزادی کے قلعے کا دربان ہے۔ یہ ہر شخص کے حقوق متعین کرتا ہے اور فرد کی آزادی و حریت کی حفاظت کرتا ہے۔ اسی طرح یہ آزادی کا ایک زبردست محافظ اور پاسبان ہے اور معاشرہ کی بہترین جائے پناہ"۔

قانون کا ابتدائی اور بنیادی مقصد چونکہ انصاف کی تلاش ہے اس لئے قانون کو ضرور مستحکم ہونا چاہیئے۔ لیکن اس کے باوجود اس میں جمود پیدا نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کے لئے استحکام اور تبدیلی کے تقاضوں میں ہم آہنگی پیدا کرنا ناگزیر ہے ــــــ نظم و نسق کی بحالی اور معاشرہ میں اندرونی امن کے قیام کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ قانون اپنی نوعیت کے لحاظ سے سخت گیر اور شدت آمیز ہو۔ اگر اس کی بنیاد ہر وقت ادلہ بدلی پر رکھی جائے تو معاشرہ میں چاروں طرف عدم استحکام، اختلال و انتشار کا دور دورہ ہو جائے گا اور وہ اپنی ساری قوت کھو بیٹھے گا۔ تاہم اگر قانون کی شدت اور سختی انصاف کے تقاضوں کو قربان کر کے قائم کی جائے تو اس قانون کا مقصد فوت ہو جائے گا ــــــ قانون میں ایک عنصر دوامی اور ناقابل تغیر قرار پاتا ہے۔ اور باقی تغیر پذیر۔ لیکن اس کا واضح جواب ابھی تک فکرِ جدید بھی فراہم نہ کر سکا۔ اور اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قومیت Nationalism اور بین الاقوامیت Inter-nationalism کے مطالبے اور تقاضے بالکل الگ الگ ہوں گے۔ کیونکہ یہ بتانا مشکل ہے کہ بین الاقوامی اخلاق کے ضوابط کو کونسی طاقت

Marfat.com

یہ نافذ کیا جا سکتا ہے۔ کیا بین الاقوامی قانون کا چلن اقوام کی آزادی اور خود مختاری
Sovereign کے تصوّر کے پہلو بہ پہلو بھی ممکن ہو سکتا ہے؟ ——— انہی
سوالات کے جوابات پہ ہمارے مستقبل کے امن و سکون کا انحصار ہے کیونکہ مارکس
نے اِس نقطۂ نظر و اشتراکی فکر سے معاملہ اور بگڑ گیا ہے جب اُس نے یہ کہہ دیا کہ قانون
ریاست سے وابستہ ہے اور ریاست مظالم ڈھانے کا ایک ذریعہ ہے۔ بلکہ درحقیقت
ریاست "ایک طبقہ کو مٹانے اور پامال کرنے کی تنظیم ہے"۔ جس کا منطقی نتیجہ یہی نکل
سکتا ہے کہ "قانون" کی تعمیری افادیت سے انکار کر دیا جائے جیسا کہ روس میں قانون
ریاست کے اشاروں پر رقص کرتا ہے اور یہ صورتِ حال انقلاب کے ابتدائی دور
میں پیدا ہوئی۔ اشتراکی سورج طلوع ہوئے چالیس سال بیت چکے ہیں لیکن پھر بھی
قوانین سیاست کے جنگل سے نجات حاصل نہ کر سکا۔ اور اس تصور کی رُو سے قانون
ریاست کا آلۂ کار اور محکوم ہو کر رہ گیا ہے۔

مذہب اور قانون

عہدِ قدیم میں مذہب اور قانون کا تعلق بہت ہی گہرا تھا۔ مگر جدید زمانہ میں مذہب کا قانون پر کوئی نمایاں اثر باقی نہیں رہا حتیٰ کہ بہت سے لوگوں میں اب یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ مذہب اور قانون کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں اور لوگوں کا مقولہ ہے کہ "مذہب" خدا اور انسان کے تعلقات متعین کرتا ہے اور "قانون" ایک انسان اور دوسرے انسان کے تعلقات متعین کرتا ہے۔ اور اِس طرح قانون کا اخلاق سے کوئی واسطہ نہیں لیکن اس حقیقت سے بھلا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے کہ دونو بڑی حد تک یعنی "مذہب" اور "قانون" ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ مذہب کے بغیر اخلاق کا وجود ناممکن ہے اور اخلاق کے بغیر قانون

کا وجود محال ہے۔" اچھا قانون نیکی کرنے کو آسان اور برائی کے ارتکاب کو مشکل بنا دیتا ہے
(گلیڈ اسٹون)

اسلامی شریعت کی تنسیخ کا سلسلہ سب سے پہلے ہندوستان سے شروع ہوا تھا
چونکہ انگریز تسلط کے بعد بھی ایک مدت تک شریعت ہی کو قانون کی حیثیت حاصل تھی
۱۷۹۱ء کے بعد ہندوستان کی تمام مسلم ریاستوں نے رفتہ رفتہ اپنے پبلک قانون برٹش
ہند کے نمونہ پر ڈھال کر شریعت کو صرف پرسنل لاء Personal law تک محدود کر
مصری حکومت نے ۱۸۸۴ میں اپنے پورے قانونی نظام کو فرینچ کوڈ French code
کے مطابق بدل لیا اور محض نکاح وطلاق و وراثت کے مسائل قاضیوں کے دائرہ اختیار
میں چھوڑ دیئے۔ اس کے بعد بیسویں صدی میں البانیہ اور ترکی نے ایک قدم آگے بڑھ
اور صاف اعلان کر دیا کہ اُن کی حکومتیں بے دین حکومتیں ہیں۔ اور اپنے ملکی قانون
اٹلی، سویٹزر لینڈ، فرانس اور جرمنی کے نمونہ پر ڈھال لیے۔ اب صرف افغانستان
اور سعودی عرب دو جگہیں ایسی باقی ہیں جہاں "شریعت" کو ملکی قانون کی حیثیت حاصل
ہے۔ ویسے بھی اللہ تعالیٰ ہر امت کے لئے علیحدہ ضابطۂ زندگی نازل فرماتا ہے۔ اسی
قرآن میں ایک جگہ آتا ہے لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا
ہم نے تم میں سے ہر ملت کو قانون اور راہ عمل دی (المائدہ ۴۸)

اسلامی نظریۂ قانون

اِسلام کا تخیل قانون اپنے اندر چونکہ ایک لچک
ہے اس لئے آج بیسویں صدی تو کیا ابد تک قابل
عمل ہے۔ دراصل ہم نے خود اس پر عمل پیرا ہونا چھوڑ دیا ہے۔ لیکن آج جب
کی افادیت کے پیش نظر اقوام غیر ان کو قبول کر کے اُن پر اپنا لیبل چسپاں کر کے

سامنے پیش کرتی ہیں تو ہم بھی جدّت پسندی کی حیثیت سے اُسے قبول کر لیتے ہیں. گویا اس طرح ترقی کی طرف خود کو گامزن پاتے ہیں۔ اگر غور و فکر اور تجسّس سے کام لیں تو معلوم ہو کہ یہ انہی کا سرمایۂ حیات ہے ——— آج کا لادین ماحول اور دہریت کا بڑھتا ہوا رجحان پھر ایک مرتبہ لمحۂ فکریہ پیش کرتا ہے ——— الکتاب اندالرسول نے جو زندگی کا نظریہ پیش کیا وہ یہ ہے۔

"یہ عظیم الشان کائنات جو تمہیں صریحاً ایک نظام میں جکڑے ہوئے ایک مقررہ قانون پر چلتی ہوئی نظر آ رہی ہے دراصل وحدہٗ لا شریک کی حکومت ہے. خدا ہی اُس کا خالق وہی اس کا مالک اور وہی اس کا فرمانروا ہے ——— یہ زمین جس پر تم رہتے ہو اُس کی بے پایاں سلطنت کے لاتعداد صوبوں میں سے ایک چھوٹا سا صوبہ ہے اور یہ صوبہ بھی مرکزی اقتدار کی اس گرفت میں پوری طرح جکڑا ہوا ہے. جس میں اس جہان ہست و بود کا ہر حصّہ جکڑا ہوا ہے. تم اس صوبہ میں خدا کی پیدائشی رعیت Born subjects ہو. تم اپنے خالق آپ نہیں بلکہ اُس کی مخلوق ہو. تم خدا کے قانون طبعی law of nature سے اس طرح بندھے ہوئے ہو کہ پیدائش کے وقت سے زندگی کی آخری ساعت تک فطرتی قوتیں اور قوانین حاوی ہیں. تمہاری زندگی کا کچھ تھوڑا اختیاری حصّہ ارادے کی آزادی و پسند کے مطابق انفرادی و اجتماعی راہیں منتخب کرتا ہے. اسی ارادی فعل سے افراد ملّت ایک وحدت میں منسلک کئے جاتے ہیں اور اُن کے اجتماع سے "مسلم سوسائٹی" کی تشکیل ہوتی ہے. اور سوسائٹی پر شریعت کی پابندی لازمی ہو جاتی ہے۔ تاکہ وہ اپنی زندگی اس سکیم کے مطابق چلائیں۔ بلاشبہ اسلامی قانون چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا دیتا ہے مگر یہ حکم ہر سوسائٹی میں جاری

ہونے کے لئے نہیں دیا گیا بلکہ اُس سوسائٹی میں جاری کرنا مقصود ہوگا۔ جس کے مالداروں سے زکوٰۃ لی جارہی ہو جس کا بیت المال ہر حاجت مند کی امداد کے لئے کھُلا ہو۔ جس کی ہر بستی کے مسافروں پر تین دِن ضیافت لازم کی گئی ہو۔ جس کے نظامِ شریعت میں سب لوگوں کے لئے بالکل یکساں حقوق اور برابر کے مواقع مہیّا ہوں۔ جس کے طبقوں میں اجارہ داری کے لئے کوئی گنجائش نہ ہو۔ اور جائز کسب و معاش کیلئے دروازے یکساں کھلے ہوں اسی طرح اسلامی قانونِ تعزیراتِ زنا۔ پر سو کوڑے مارے جاتے ہیں اور شادی شدہ زانی کو سنگسار کر دیا جاتا ہے۔ مگر یہ کس سوسائٹی کے لئے؟ ——— جس سوسائٹی میں عورتوں اور مردوں کی مخلوط معاشرت نہ ہو۔ جس میں بنی سنوری عورتوں کا منظرِ عام پر آنا بند ہو وغیرہ وغیرہ۔

اس مسلم سوسائٹی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر دیگر خصوصیات کے علاوہ سیاسی اقتدار کی بھی گنجائش نکالے۔ کیونکہ قوانین کا نفاذ اقتدار کے بغیر مشکل ہے۔ سیاسی اقتدار اس غرض کے لئے درکار ہوتا ہے کہ شریعت کے تجویز کردہ نظامِ زندگی کی حفاظت کرے۔ اُسے بگڑنے سے روکے۔ اس کی منشا کے مطابق بھلائیوں کی نشوونما اور برائیوں کی استیصال کا انتظام کرے اور اس کے اُن احکام کو نافذ کرے جن کی تنفیذ کے لئے ایک نظامِ عدالت کا ہونا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ جتنا کہ اقتدار کا ——— یہی وہ آخری حصّہ ہے جسے ہم اسلامی قانون کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ کیونکہ اصلاحِ قانون میں قانون کا اطلاق اُن احکام پر ہوتا ہے جو سیاسی اقتدار کے ذریعہ نافذ کئے جائیں اس لئے ہم شریعت کے صرف اس حصّہ کو "قانون اسلام" قرار دیتے ہیں۔ جسے وہ نافذ کرنے کیلئے خود اپنے اصولوں اور مزاج کے مطابق ایک سیاسی اقتدار کی تشکیل دے

Marfat.com

اسلام کا سیاسی پس منظر

سیاسی اقتدار کی تشکیل کے لئے سب سے پہلے ایک دستوری قانون constitunal law کی ضرورت ہوتی ہے، دستور کی تفصیلی شکل وصورت ہم خود اپنے حالات وضروریات کے مطابق بنا سکتے ہیں۔ کیونکہ شریعت نے کوئی مفصل دستور ہر زمانہ کے لئے بنا کر پیش نہیں کیا ——— آئین کی تشکیل اور اُس کی نفاذ کے بعد اسلامی ریاست کو چلانے کے لئے ایک تنظیمی قانون Administrative law کے بنیادی اصول شریعت نے ضرور واضح کر دیئے ہیں۔ جو کہ رسولِ اکرم اور خلفائے راشدین کے عہد کے مطالعہ سے ہمیں حاصل ہوتے ہیں۔ باقی نظم ونسق میں ہمیں اپنے حالات کے مطابق تغیر وتبدل کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن اجتہادی رائیں شریعت کی حدود میں رہ کر ہی نکالنا ممکن ہے۔ پھر معاشرہ امن وانصاف بحال کرنے کے لئے ملکی قانون Public law اور شخصی قانون Personal law جو اصولی ہدایات وتفصیلی احکامات شریعت نے جو ہمیں فراہم کئے ہیں اُن کی مدد سے کسی دور میں معاملاتِ زندگی کو حل کرنے کے لئے شرعی حدود سے باہر جانے کی ضرورت درپیش نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ ابد تک ہر ملک اور ہر دور کی سوسائٹی میں یکساں صحت سے جاری ہو سکتے ہیں۔ اسیطرح بین الاقوامی تعلقات کے لئے بھی اسلامی ریاست کا برتاؤ اور اُس کے لئے تفصیلی ہدایات ملتی ہیں۔ اسلامی قانون کا اٹل، قطعی اور واجب الاطاعت حصّہ دراصل وہ چیز ہے جو اسلامی تہذیب وتمدن کے حدود اربعہ اور اس کی مخصوص شکل وصورت متعین کر دیتا ہے۔ ان مستقل قوانین کا ایک معتد بہ حصہ ایسا ہے جس پر کل تک دنیا اعتراض کر رہی تھی مگر آج وہ اپنی قوانین کی خوشہ چینی پر مجبور ہے۔ مثلاً اسلام کے قانونِ

ازدواج اور قانونِ میراث وغیرہ ——— اس پائیدار اور اٹل عنصر کے ساتھ ایک دوسرا عنصر ایسا ہے جو اسلامی قانون میں بے اندازہ وُسعت پیدا کرتا ہے اور اُسے زمانہ کے تمام بدلتے ہوئے حالات میں ترقی پذیر بناتا ہے۔ یہ عنصر کئی اقسام پر مشتمل ہے جو تعبیر تاویل، قیاس، اجماع، اجتہاد اور استحسان وغیرہ کی مدد سے ہماری رفتارِ ترقی کو سیدھی راہ پر لگانے کے ساتھ ساتھ زندگی کو بے راہ روی سے بچاتا ہے۔

عربوں میں چونکہ ابتداء سے ہی قضا (عدلیہ) یا حکومت کے قوانین وغیرہ کسی مدوّن مجموعہ کی صورت میں نہیں تھے۔ اور نہ اُن کا کوئی واضح تصور تھا۔ تمام تر روایات و رسم و رواج عربوں میں نسلاً در نسلاً چلے آرہے تھے۔ روم، ایران و دیگر ہمسایہ اقوام کے طریقے اُن کے تجربات اور فرسودہ عقائد وغیرہ بھی ان میں رائج تھے۔ لیکن قضا (عدلیہ) کسی قاعدے اور ضابطے کی پابند نہ تھی۔ طاقت ور اور بارسُوخ جو چاہتا کرتا۔ مقروض کو فروخت کر دیا جاتا یا رقم واپس نہ ملنے کی صورت میں مُرتہن تمام مال کا مالک بن جاتا ——— قتل عمد اور قتل خطا میں کوئی فرق نہ تھا۔ قتل کی سزا بعض اوقات قاتل تک محدود رہنے کی بجائے پورے قبیلہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ——— ثبوت دیوتا کی قسمیں کھا کر پیش کیا جاتا اور قسم ٹوٹنے پر سو اونٹ تک کا جرمانہ عائد ہوتا تھا وغیرہ وغیرہ

متاع یعنی marriage lease کا بھی رواج پایا جاتا تھا ——— اکثر باپ کی وفات کے بعد سب سے بڑے فرزند کے حرم میں وہ تمام اُس کی مائیں آجاتیں جو والد کے حرم میں رہی تھیں ——— اسلام نے پہلے تو اس اخلاقی انحطاط، قانونی بحران اور سیاسی بدنظمی کو دور کر کے منتشر اور منقسم سوسائٹی کو ایک وحدت کے مسلک میں پرو دیا اور اس طرح اُس کی قومی طاقت کو ایک سیسہ پلائی دیوار بنا دیا۔ تمام

ط عادات ورسومات اور انصاف کی بے ضابطیوں کو بدل ڈالا۔ چنانچہ سوسائٹی کے اخلاق
ارتقا کے ماتحت قانون کا نزول اور قانون کے ساتھ اس کے اصل روح کی عملداری
اسلامی قانون کی دو خوبیاں ہیں جو کہ کسی قانونی نظام میں نہیں پائی جاتیں۔ اسلام
ام عدلیہ میں تمام فیصلے کتاب اللہ اور شریعت کی روشنی میں کیے جاتے ہیں۔
اگر کوئی حکم یا نصِ صریح نہ ملے تو اجتہاد سے مختلف اصول و مصالح پیشِ نظر
کر فیصلہ صادر کیا جاتا ہے۔ چاروں خلفائے راشدین کے اصل فیصلے بھی قانون
شکل اختیار کر گئے۔ لیکن بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ بعض
عہ انہیں اپنے فیصلے بھی واپس لینے پڑے۔ بلکہ اکثر فیصلے قرآن سنت، یا فقہی
کامات کے ظاہری اصولوں کے خلاف صادر کئے گئے۔ جو کہ ان کی اجتہادی بصیرت
تیجہ ہیں۔ لیکن نئے حالات اور بدلے ہوئے تقاضوں کے تحت نئے قوانین وضع
نے میں شریعت کی اسپرٹ کو ہمیشہ برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی اس قسم کے اجتہادی فیصلوں
چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم کہ دورانِ جنگ میں کسی مسلمان پر حد نہ جاری کی جائے۔
قحط کے دوران کسی چور کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں وغیرہ۔ نو مسلموں کو صدقات میں حصہ دینے
ممانعت کر دی تاکہ ان کا ایمان مضبوط ہو جائے۔ اسی طرح شراب کی حد اسّی کوڑے مقرر
کی۔ اور خاص طور پہ زرعی اراضی کی تقسیم کا فیصلہ جس کی رو سے مفتوحہ اراضی فوجیوں میں
غنیمت تصور کر کے تقسیم کرنے کی بجائے اس کو ذریعہ رزق تصور کر کے زمینداروں
ان کے نسلوں کے لئے ہی مخصوص رہنے کا حکم قابل ذکر اجتہادی کارنامے ہیں ——
—— حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل بیعت کے لئے مقرر حصہ خمس بند کر دیا

کیونکہ اس نظریہ کے تحت کہ رسول کوئی ورثہ نہیں چھوڑتا بارغ فدک بھی بیت المال کا ایک حصہ بنا دیا گیا۔ اسی طرح بیت المال سے مولفۃ القلوب کی امداد بھی بند کر دی گئی ——— ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو طلاق بین قرار دے دیا گ بغداد کے قاضی القضاۃ قاضی ابو یوسف نے گندم و اجناس کو ماپ کر فروخت کر کے طریقے کو جو الرسول نے نافذ کیا تھا کو تول کر فروخت کرنے کے طریقہ سے بدل د ——— پس ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ نئے تقاضوں اور بدلتے ہوئے حالات کے تحت نئے مسائل کی روشنی میں مروجہ احکام آنے والی آئینی حکومتیں تبد با اختیار کر سکتی ہیں۔ کیونکہ جب کوئی متعلقہ رواج بدل دیا جائے تو اُس سے متعل قانون بھی بدل جانا چاہیئے اور قانونی قواعد بدلنے میں اسلامی قانون کے ماہرین گریز نہیں کرتے۔ اسی صورتِ حال کے تحت ابن خلدون نے بالکل درست کہا تھا "دُنیا کے حالات اور اقوام کی عادات رسم و رواج اور لوگوں کے اعتقادات ہمیشہ دُ تغیراتِ زمانہ اور انقلابات احوال کا دوسرا نام ہے۔ اور جس طرح اس میں تبدیلی یعنی افراد، ساعات، مقامات اور ممالک میں ہوتی رہتی ہیں اسی طرح دُنیا کے تم گوشوں، تمام زمانوں اور تمام حکومتوں میں ہوتی ہیں۔ خدا کا یہی طریقہ اور قانو ہے جو اس کے بندوں پر ہمیشہ جاری و ساری رہے گا"۔ چونکہ ارتقاء کا ساتھ د ضروری ہے۔ اس لیے اسلام نے سیاست، معیشت اور معاشرے کی جو حدود م کی ہیں۔ ان کو حالات اور ماحول کے تقاضوں کے تحت بدلا جا سکتا ہے۔ ورنہ اسلا ممالک معاشی و معاشرتی اور سیاسی بدحالی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ قانون سا کا یہ کام مجتہدین عصر کے سپرد ہوتا ہے جو علم فقہ سے نئی راہیں نکالتے ہیں۔

Marfat.com

علم فقہ اسلامی قانون سائنس Islamic Jurisprudence کا مطلب ہے اپنی محنت اور کاوش سے کسی چیز کو سمجھنا۔ علم فقہ کا مطالعہ
رنا اتنی ہی اہمیّت رکھتا ہے جتنا کہ جہاد و قتال میں شرکت کرنا سورۂ توبہ میں بالخصوص
ن کی اہمیّت پر زور دیا گیا بلکہ اس کو فرضِ کفایہ کی حیثیت دی گئی۔

"جب ایک گروہ (تم میں سے) جہاد پر جائے تو دوسرے پر واجب ہے کہ اسلام کو
ھے اور مطالعہ کرے۔" اسلامی فقہ کا اصل مطلب قرآنی نصوص اور احکام شریعت کی
روشنی میں مسائل کا حل تلاش کرنا ہوتا ہے۔ قانون شریعت وہ ضابطہ ہے جو وحی
ذریعہ اللہ نے اپنے مکمل ترین انسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ اور جو
ردوسرے انبیا پر نازل ہو چکا ہے یہ اُس کی توثیق کرتا ہے۔ کیونکہ شریعت کی سند
ن سے ملتی ہے۔ مجتہد جو قانون بنائے گا اُن کی بنیاد قرآن و حدیث پر ہو گی۔ لیکن
ا مسئلہ کے حل کیلئے اِن ذرائع سے کامیابی حاصل نہ ہو تو پھر اجتہاد کی اجازت ہے
ہاد کی اقسام اجماع، قیاس، استحسان وغیرہ ہیں۔ ایک فقیہ اور مجتہد کے لئے ضروری
کہ وہ چند خصوصیات کا حامل ہو، تاکہ اس کے اجتہاد کو سند کے طور پر استعمال کیا جا سکے
خصوصیات میں سے ضروری ہے کہ وہ عربی زبان پر عبور رکھتا ہو۔ قرآنی آیات کے
ت نزول اور وجہ نزول سے واقف اور اصولِ شریعت سے بھی پوری طرح آگاہ ہو
تمام مسائل جن کا شریعت میں حل موجود ہے۔ سے اُس کا واقف ہونا ضروری ہے۔
کے علاوہ سابقہ مجتہدین ائمہ کرام، خلفا، و رسول اللہ کے دور میں دیئے گئے
لوں سے بھی آگاہ ہونا ضروری ہے۔ گو یہ نئے حالات اور بدلے ہوئے تقاضوں
خت تبدیل ہو سکتے ہیں۔ مگر ایک مجتہد کی نگاہِ بصیرت اور نصوص قرآنیہ کی صحیح

Marfat.com

سپرٹ کا مدِ نظر رکھنا بہر حال اُس کے لیے ضروری ہے۔ اسی لئے اسلامی حکومت میں شریعت کی برتری ہی علم فقہ کی اصل روح ہے۔

اسلامی نظامِ عدلیہ

شریعتِ اسلام میں عدلیہ Judiciary کو "قضا" کہتے ہیں۔ جس کے معنے لوگوں کے باہمی جھگڑوں اور تنازعات کو احکامِ شریعت کے ذریعے حق و انصاف کے مطابق فیصلہ کرنا ہے۔ اسلامی نظامِ حکومت میں منصبِ قضا ایک غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ پہلے یہ منصب خلیفہ یا خلیفہ کی ذات میں مرکوز تھا۔ لیکن جب اسلامی ثقافت کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا مختلف علاقوں میں جہاں دیگر عہدیداران مثلاً گورنر عامل وغیرہ مقرر ہوئے وہاں قاضی بھی مقرر ہوئے۔ اس طرح قضاء کی ذمہ داریاں بعد میں جس کے سپرد ہوئیں اُس کو انتظامیہ کے اثر سے بالکل آزاد رکھا گیا۔ جج کے موقعہ پر تمام بلادِ اسلامیہ کے گورنروں، عاملوں اور قضاۃ کو جمع ہونے کا حکم تھا اور اعلان کیا جاتا کہ اگر کسی بھی مسلمان کو ان سے شکایت ہے یا انہوں نے شریعت کی خلاف ورزی کی ہے تو اُسے خلیفہ کے نوٹس میں لایا جائے۔ الزام ثابت ہو جانے کی صورت میں اس کا ازالہ کیا جاتا۔ اکثر انہیں سزا دی جاتی یا برطرف کر دیا جاتا۔ جج کے موقعہ سے قبل بھی اگر کسی گورنر، عامل یا قاضی کے طرزِ خلافِ شریعت نہیں ہوتیں تو اُسے تبدیل یا برطرف کر دیا جاتا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سب سے مستند خط جو ابو موسیٰ اشعری کو لکھا گیا اُس میں انصاف یا فیصل مقدمات کے کچھ بنیادی اصول بیان ہوئے اور ساتھ میں قیاس و اجتہاد کی اجازت دی گئی یہ خط اُن کو عراق کے قاضی کی حیثیت سے گیا۔ جس کا یہاں مطالعہ دلچسپی اور تحقیق سے خالی نہ ہوگا کیونکہ اس خط کے

Marfat.com

انون کی گذشتہ کتب میں سند کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

"واضح ہو کہ فصلِ مقدمات ایک اہم فریضہ ہے جو ہر زمانہ اور ابتدائے اسلام سے ادا ہوتا
ا ہے جب کوئی مقدمہ تمہارے پاس آئے تو اُس کے تمام پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھو اور
ب صحیح فیصلہ سُوجھ جائے تو اُس کو نافذ بھی کر دو کیونکہ زبانی فیصلے بے سود ہے جب
ـ اُسے عملاً نافذ نہ کیا جائے۔ مدعی اور مدعا علیہ کے ساتھ یکساں سلوک کرو۔
ی فریق سے التفات برتنے عدالت میں بٹھانے یا انصاف کرنے میں کوئی امتیاز نہ
وتا کہ بڑا آدمی یہ توقع نہ کرے کہ تم اُس کے ساتھ رعایت کرو گے اور غریب کو یہ
دیشہ نہ ہو کہ اس کے ساتھ بے انصافی سے پیش آؤ گے۔ مدعی سے گواہ مانگے جائیں اور
عا علیہ سے قسم لی جائے۔ مسلمان کے درمیان صلح کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اُس سے قرآن
وئی قانون نہ ٹوٹے اگر آج تم کوئی فیصلہ کر دو۔ بعد میں (مزید غور و خوض کرنے) اس
ے بہتر فیصلہ تم کو سوجھے تو پہلے فیصلہ کو رد کر سکتے ہو۔ اس لئے کہ "حق" ازلی ہے۔
ہ اس کی طرف رجوع کرنا غلطی پر اڑے رہنے سے بہتر ہے۔ خوب خوب غور کرو۔
ن مقدمہ میں جو تمہارے دل میں خلش پیدا کئے ہو جس کا حل قرآن و سنت میں تم کو
لے۔ ایسے مسائل کو اچھی طرح ذہن نشین کرو جن میں کوئی وجہ مشابہت ہو اور باہم
ے جلتے مسائل سے ملتے جلتے فیصلے کرو۔ ان فیصلوں میں سے جس کے بارے میں
مجھو کہ انصاف سے قریب تر ہے اور خدا کو سب سے زیادہ پسند ہوگا اس کو اختیار
رو کوئی شخص اگر اپنے دعویٰ ثابت کرنے یا گواہ فراہم کرنے کے لئے مہلت مانگے
اس کو مہلت دو۔ اگر میعاد مقررہ میں وہ گواہ پیش کر دے تو اس کا حق دلوا دو۔
نہ اُس کے خلاف فیصلہ کر دو۔ یہ بہترین طریق کار ہے جس سے فریقین کی نظر میں

نہ تو تمہاری غیر جانبداری مشتبہ ہوگی اور نہ ان کو تمہارے فیصلہ پر اعتراض ہوگا۔ مسلمان کو گواہی دینے کا حق حاصل ہے الّا یہ کہ کسی سنگین جرم میں کوڑوں کی بھگت چکا ہو یا جھوٹی سزا کے لئے بدنام ہو۔ یا اگر آزاد کردہ غلام ہے اس پر غلط آقا کی طرف خود کو منسوب کرنے یا (آزاد ہے تو) غلط حسب نسب بتانے کا الزام ہو تمہیں اچھی بداعمالیوں (کی سزا) کا معاملہ خدا کے ہاتھ ہے (دنیا میں قانونی) سزا کے لئے اُس نے شہادت اور حلف ضروری قرار دیا ہے۔ خبردار! انصاف کرتے وقت انصاف جو خدا کے انعام اور اچھی شہرت کا موجب ہے تمہارے دل میں اہل مقدمہ کی خفگی اکتاہٹ یا چڑچڑاپن پیدا نہ ہو۔ اور نہ (حق بات میں) فریقین کے ساتھ بد… سے پیش آؤ کیونکہ جو خدا سے اپنے معاملات میں مخلص ہوتا ہے خدا لوگوں سے اس کے معاملات ٹھکانے لگا دیتا ہے اور جو لوگوں کے سامنے ریا کرتے ہیں۔ خدا ان … اور خوار کر دے گا۔"

اسلامی عدلیہ کا یہ چارٹر کتنا جامع ہے جو قرآنی روح کی صحیح غمازی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کلام پاک میں فرماتا ہے کہ جب تم انصاف کرنے لگو تو اس میں کسر نہ اٹھا رکھو۔ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ۝ قرآن انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لئے ایک ضابطۂ زندگی پیش کرتا ہے۔ جس کی رو… تقریباً ستر آیات دیوانی مقدمات کے سلسلہ میں اور چند فوجداری قسم کے جرائم اُن کی سزا قرآن میں بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ شہادت کے اصول بھی پیش کرتا ہے۔ لیکن یہ مستقل اقدار اتنے قلیل ہیں کہ اس سے اسلامی قانون میں … یا جمود پیدا نہیں ہوتا۔ یہ صرف اس لئے کہ اس سے معاشرہ کی بھلائی مقصود …

Marfat.com

اِدکو ایک صراط مستقیم پر گامزن کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود قرآن میں فرماتا ہے لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ط اور ہم نے تم میں سے ہر ملت کو ایک قانون اور راہِ عمل دی۔ (مائدہ ۴۸) اِسی طرح قانون اور انصاف کو کبھی اسلامی معاشرہ میں جدا ہونے نہ دیا گیا جیسا کہ آج مغربی نظامِ عدلیہ کا شکوہ کولٹن ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"قانون اور انصاف ——— یہ دو چیزیں تھیں جنہیں خدا نے یکجا کر دیا تھا۔ مگر انسان نے انہیں بالکل ہی جُدا کر دیا۔"

اِسلامی نظامِ عدلیہ میں عدالت صرف ایک جج پر مشتمل ہوتی ہے۔ خراشی کہتے ہیں ایک ہی معاملہ کو فیصل کرنے کے لئے خلیفہ بیک وقت دو جج مقرر نہیں کر سکتا کیونکہ ابن قیان کے مطابق ایک جج آدھا جج متصور نہیں ہوتا ——— ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ہر شہر میں کئی قاضی مقرر کئے جائیں جن کا اپنا علیحدہ حلقہ عمل Jurisdiction ہو۔ اسلامی نظام عدلیہ میں قاضی کو مشورہ دینے کے لئے قانونی ماہرین بھی ہوتے تھے لیکن ان کا مشورہ و نصیحت جج پر لازم نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ مشورہ لینا بھی ضروری ہے ——— انصاف اور اسلامی عدلیہ کا اصل مقصد معاشرہ کی بھلائی ہے تاکہ لوگوں کو ان کے حقوق اور جان و مال کی آزادی کی ضمانت دے سکے۔ کیونکہ یہ اللہ کا مقصد گردانا جاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ اس دُنیا میں انصاف نافذ کرنا چاہتا ہے اور قرآن بھی کہتا ہے کہ انصاف کرنا تقویٰ کے قریب تر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد اسلامی نظامِ عدلیہ نہایت مستحکم بنیادوں پر قائم ہو چکا تھا۔ حتیٰ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے دورِ خلافت میں ایک اور عہدے دار

Marfat.com

چیف آف پولیس جس کو "صاحب الشرط" کہا جاتا جو کہ قاضی کے فیصلوں کو نافذ (Force) کرتا۔ اس کے علاوہ خفیف قسم کے جرائم اس کو جج کی حیثیت سے سزا دینے کا بھی اختیار د[یا] گیا مجرموں پہ کڑی نگاہ رکھنا بھی اس کی ڈیوٹی میں شامل تھا۔ مقرر کر دیا گیا اسی طرح محتسب کا عہدہ بھی تھا جو اسلام کے مذہبی اور اخلاقی قدروں کی تعظیم و تکریم و اطاعت پر نگاہ رکھتا [تھا] گویہ پولیس ڈیوٹی میں بھی شامل تھا۔

نظر المظالم دورِ خلافت تک اسلامی عدلیہ کے قضاۃ کو ہر قسم کے مقدمات فیص[ل] کرنے کا پورا اختیار حاصل تھا۔ لیکن اُن کی اتھارٹی حضرت ع[لی] کرم اللہ وجہہ کے دور ہی میں کسی حد تک کم کر دی گئی تھی۔ جبکہ حضرت علی نے خود غیر قانو[نی] اقدامات کے خلاف شکایات سُننا شروع کر دیں جو اس نئی صورت میں قضاۃ اور اقتدا[ر] کے عہدے یکجا مرکوز تصور کر کے فیصل مقدمات پہ نظر ثانی کرنے کے لئے معرضِ وجود میں آیا۔ دورِ بنو اُمیہ میں نظر ثانی کی ہر قسم کی درخواستیں نظر المظالم نے نظر ثانی کے لئے قبو[ل] کرنا شروع کیں اور یہ سلسلہ عرصہ تک جاری رہا۔ آخری دور میں ایسے مقدمات پر حکم ص[ادر] کرنے کا اختیار خلیفہ نے کسی وزیر کے سپرد کر دیا۔ اس کے نتیجہ میں قضاۃ نے اس خ[وف] سے کہ ان کے فیصلہ کی نظر ثانی ہوگی زیادہ توجہ، انصاف اور محنت سے فیصلے صادر کر[نے] لگے ——— گو ہر قسم کے مقدمات کی سماعت کا اختیار مظالم کو حاصل تھا۔ لیک[ن] عدلیہ کا یہ طریق کار جو مظالم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا اسلامی عدلیہ کے فقہی ا[نتظام] سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ صرف مالکی فقہی سکول کے علاوہ کوئی بھی اس ادارہ کو شریعہ کا حص[ہ] تصور نہیں کرتا اس لئے اُن کے فتاوی کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ——— قاضی [اور] مظالم میں فرق صرف اتنا تھا کہ مؤخر الذکر کو کافی اختیار حاصل تھا۔

Marfat.com

اسلامی نظام عدلیہ میں "وکیل" کا تصور کسی حد تک "مفتی" کے وجود سے ملتا ہے جو کہ عدالت
صحیح فیصلوں تک پہنچنے میں مدد دیتا تھا۔ اور ان کی تقرری حکومت کرتی تھی۔ اس صورت
ان کی حیثیت موجودہ وکلاء سے مختلف ہے۔ مفتی کی تقرری عوام کو مفت قانونی مشورہ
دینے کے لئے عمل میں لائی جاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے ہی اُن کی
تقرری ہونا شروع ہوئی تھی تاکہ لوگوں کے حقوق اور مقدمات کے سلسلہ میں قانونی حیثیت
تعین کرنے اور پارٹیوں کو صحیح مشورہ دینے میں مدد مل سکے۔ اس طرح یہ سلسلہ تمام اسلامی
ریاستوں میں اختیار کیا گیا۔ چونکہ اسلامی معاشرہ میں زبردست مذہبی اخلاقی اور تعلیمی
روایات اور اقدار کی موجودگی میں مقدمہ بازی بہت حد تک سطحی شکل اختیار کر لیتی ہے
اس لئے کسی مقدمہ کی پارٹیوں کی طرف سے پلیڈ کرنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی۔
جیسا کہ وکلاء کا مقصد عدالت کی مدد کم کرنا اور پارٹیوں کو گمراہ کر کے مقدمہ بازی کو طول
دینا زیادہ مقصود ہوتا ہے اس لئے اسلامی نظام عدلیہ میں وکلاء کی موجودہ تنظیم Bar
کو اپنے اندر بنیادی تبدیلیاں پیدا کرنا ہوں گی تاکہ اُن کی حیثیت کو برقرار رکھا جا سکے
اسلامی عدلیہ میں کورٹ فیس وغیرہ ادا کرنا بھی انصاف کے تقاضوں کے منافی
ہے۔ حتیٰ کہ بغداد میں مقتدر اصحاب یہاں تک دیکھنا چاہتے تھے کہ پارٹیوں کو عدالتی
کاغذ وغیرہ تک کا خرچ بھی ادا کرنا نہ پڑے ـــــ اس کے مقابلہ میں موجودہ دور میں
انصاف جتنا مہنگا ہو چکا ہے اس کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے مثال کے طور پر
انگلستان میں جہاں کا نظام عدلیہ دنیا کے تمام ممالک سے افضل ترین اور قابلِ قدر
ہے اُس کی بابت کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

"Justice is open to all like a Ritz Hotel

Marfat.com

یعنی انصاف کے دروازے ہر فرد پر اس طرح کھلے ہیں جس طرح " رٹز ہوٹل
(یہ ہوٹل اتنا مہنگا ہے کہ غریب کی حیثیت تو کیا امراء و رؤسا بھی جانے سے گھبراتے ہیں جیسا
کہ کراچی میں میٹروپول اور لاہور میں فلیٹی) ایسی صورت میں بہت سے لوگوں پر معاشرہ
میں ظلم و ستم ہوتا ہے لیکن وہ مقدمہ بازی کے خرچ سے ڈر کر دل مسوس کر رہ جاتے
ہیں۔ اگر وہ اپنا حق طلب نہیں کر پاتے تو ایسے حقوق کی گارنٹی صرف آئین میں لکھ
دینے سے کیا فائدہ ؟

اسلامی نظام عدل میں غیر مسلم چونکہ اسلامی ضابطہ ہائے زندگی قبول نہ کر کے اپنے
اوپر قرآنی عدل و انصاف کے دروازے بند کر لیتے ہیں اس لئے مسلمانوں کی طرح اُن
کو ہر قسم کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی حقوق حاصل نہیں ہو سکتے جو کہ ایک مومن کو حاصل
ہوں گے۔ کیونکہ اسلامی نظام حکومت جو کہ صرف مسلمانوں کے لئے معرضِ وجود میں آتی ہے
اُس کے تحت فوج، انتظامیہ یا عدلیہ کے کسی عہدے پر غیر مسلم کی تقرری نہیں کی جا سکتی
لیکن مسلمان حکومت اور مجاہدین پر غیر مسلموں کے جان و مال کی حفاظت لازمی ہوتی ہے
اور اُن کو اپنی مذہبی آزادی اُن کی عبادت گاہوں کی حفاظت رسومات، و عبادات وغیرہ
کی آزادی کی ضمانت دی جاتی ہے۔ اور اس طرح حکومت اُن کو ایک شہری کی حیثیت سے تمام
حقوق عطا کرتی ہے۔ حکومت غیر مسلموں کیلئے ، انہی میں سے ججوں کی تقرری کر کے علیحدہ
عدالتیں قائم کرتی ہیں تاکہ اُن کے پرسنل لاء Personal law کے مطابق
یا اُن کے رسم و رواج کی روشنی میں فیصلے صادر کر سکیں۔ ویسے اسلامی نظام عدلیہ
کے دروازے اُن پر مطلق بند نہیں۔ بلکہ قاضی ایک مقدمہ میں اُس وقت فیصلہ دے
سکتا ہے جبکہ دونو پارٹیاں (مدّعی، مدعا علیہ) عدالت کے فیصلہ کی پابندی کا عہد

Marfat.com

کرکے خود کو اسلامی قانون کے حوالہ کر دیں۔ ورنہ قاضی عام قانون کی رو سے جو دیگر اقوام غیر میں جاری و ساری ہوں فیصلہ صادر کر سکتا ہے۔

قاضی کی تقرری و خصوصیات

نظام قضاء میں قاضی (جج) کا مقام ایک خاص اہمیت کا حامل ہوتا ہے کیونکہ وہ انصاف، اخلاق اور روحانی قدروں کا علمبردار ہوتا ہے۔ اس منصب کے لئے سب سے اہم شرط یہ ہے کہ قاضی خود اس منصب کی خواہش کا اظہار نہ کرے نہ اس کا امیدوار ہو اور نہ ہی دل میں حرص ہو۔ کیونکہ یہ منصب ذریعہ معاش متصوّر نہیں ہوتا بلکہ منشائے ایزدی کی بجاآوری خیال کیا جاتا ہے۔ قرآن کی رُو سے حق کے مطابق فیصلہ کرنا سب سے بڑا فرض اور سب سے افضل عبادت ہے قضاۃ کا تقرر خود خلیفہ امیر یا صدرِ مملکت کرتا ہے۔ بعض حالات میں اپنے نائبین سے بھی کراتا ہے۔

الماوردی اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ میں قاضی کے انتخاب کے لئے سات شرائط زیر نظر رکھنے پر زور دیتا ہے۔

(۱) چونکہ قاضی کو اسلامی قانون کے مطابق اپنے فرائض کی ادائیگی مقصود ہوتی ہے اس لئے اُس کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ غیر مسلم صرف اپنے مذہبی و اقلیتی فرقہ کا جج بن سکتا ہے۔

(۲) اُس کا ایک بالغ مرد ہونا ضروری ہے۔ امام ابو حنیفہ کی رُو سے اگر مقدمہ عورتوں کی شہادت سے تعلق رکھتا ہے تو ایسے نسوانی معاملات کے لئے فضیلت lady magistrate) کا تقرر کیا جا سکتا ہے۔

(۳) صاحب عقل ذکی، عجلت سے عاری اور صاحب علم و بصیرت ہونا چاہئے۔

Marfat.com

(۴) اُس کا ایک آزاد فرد ہونا ضروری ہے

(۵) وہ عادل ہونا چاہیئے۔ یعنی پاک دامن، پرہیزگار، شبہات سے مُبرّا اور قابلِ اعتماد۔

(۶) وہ اندھا یا بہرہ نہ ہونا چاہیئے۔ لیکن امام مالک کی رو سے ایک اندھا شخص جج بن سکتا ہے۔ اور ایک گواہ کی حیثیت سے شہادت بھی دے سکتا ہے۔

(۷) قاضی کا مجتہد ہونا لازمی ہے یعنی وہ شریعت قرآن سنت، اجماع و قیاس وغیرہ کے سابقہ اجتہادی فیصلوں اور قانونی احکامات سے واقف ہونا چاہیئے۔ مجتہد نہ ہونے کی صورت میں اُس کے احکام اور اجتہادی فیصلے کسی اہمیت کے حامل نہ ہوں گے ——— امام ابوحنیفہ کی رو سے ایک شخص جو مجتہد نہیں وہ بھی قاضی بنایا جا سکتا ہے۔ اور اگر مناسب یا اس منصب کے لئے اہل آدمی دستیاب نہ ہو تو اِن شرائط کو نرم کر کے تقرری عمل میں لائی جا سکتی ہے لیکن صرف اُس وقت تک جب تک کہ مناسب فرد نہ مل سکے ——— نیز اُس کو اپنے عہدہ کا حلف وفاداری اٹھانے اور خدمات و صحیح فرائض کی بجاآوری کا بھی علم ہونا چاہیئے۔

قاضی کے فرائض اور خدمات

قضاء کا اصل مقصد تو جھگڑوں کا انصاف کی روشنی میں تصفیہ کرنا ہے اس لئے قاضی پارٹیوں میں صلح وغیرہ کرانے کی کوشش کر سکتا ہے گو قانونی نقطہ نگاہ سے اُس کو مقدمات فیصل کرنے میں نہایت سوجھ بوجھ اور سختی سے قانون اور اصول عدالت اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ الماوردی ان فرائض کو مندرجہ ذیل طر

Marfat.com

سے تقسیم کرتا ہے۔

(۱) مقدمات کا فیصلہ کرنا۔

(۲) عدالتی فیصلہ کا نفاذ اور حقدار کی حق رسی۔

(۳) کمزور کے جان و مال کی حفاظت اور نابالغ یا مخبوط الحواس بچوں کی جائداد کا تحفظ۔

(۴) یتیموں کی جائداد کا تحفظ

(۵) وقف جائداد کا انتظام

(۶) وصیت ناموں پر عمل

(۷) غیر شادی شدہ عورتوں جن کا کوئی نگہبان نہ ہو کی سرپرستی

(۸) "حد" لگانا یعنی جرائم کے ارتکاب پر مخصوص سزا دینا۔

(۹) پبلک بلڈنگ اور سڑکوں کی نگہداشت

(۱۰) گواہوں سے نیٹنا و قاضیوں کے نائبین یا مفتی حضرات کا انتخاب، وغیرہ

گو قاضی انہیں مقدمات کا فیصلہ کرتا ہے جہاں دونوں پارٹیاں اس خواہش کا اظہار کریں۔ لیکن ان جرائم میں جن پر حدود لاگو ہوتی ہے اور وہ معاشرہ کے لئے مضر اثرات کا باعث ہو تو قاضی اپنے طور پر ہی ایک مجرم پر حد لگا سکتا ہے۔

(Suo moto power)

قاضی کا رویہ

معاشرہ میں افراد کی اخلاقی تربیت ایسی ہونی چاہیئے کہ مجرم خود اقبال جرم کرکے سزا کا طالب ہو۔ ویسے قاضی کو خود اپنے رویہ پر بھی نگاہ رکھنی چاہیئے۔ مثال کے طور پر

Marfat.com

(۱) قاضی سنگدل مگر ترشرو نہ ہونا چاہیئے یعنی سخت ہو لیکن بدمزاج نہ ہو۔ نرم ہو لیکن کمزور نہ ہو۔

(۲) عدالت میں نہ تو وہ کسی کو سلام کرے اور نہ کوئی دوسرا اُسے سلام کرے۔

(۳) فریقین میں ایک کے ساتھ بے اعتنائی اور دوسرے کے ساتھ مسرت سے پیش نہ آئے

(۴) عدل وانصاف میں مساوات برتے اور غصّہ کی حالت میں فیصلہ نہ دے۔

(۵) گواہوں کی عزّت وتکریم کی جائے۔

(۶) تحفہ وتحائف سے احتراز کرے۔ اگر کوئی بھیجے تو اُسے واپس کرے یا قیمت ادا کرے ورنہ اُسے بیت المال میں جمع کرا دے۔

(۷) قاضی فریقین کو اپنے سامنے بیٹھنے کا حکم دے۔

(۸) حضرت علی کرمؓ نے اپنے عہد میں جیل کا انتظام جاری کیا تاکہ قاضی مُجرم کو حبس کی سزا دے سکتا تھا۔

(۹) قاضی کو چاہیئے کہ وہ گواہوں پر علیحدہ علیحدہ جرح کرے۔

(۱۰) اگر قاضی کا فیصلہ واقعات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ پھر بھی نافذ العمل ہوگا اور دوسری پارٹی پر پابندی لازمی ہوگی۔

اختیارِ سماعت

(۱) موجودہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ڈپٹی کمشنر کے اختیارات قاضی کے اختیارات کے مشابہ ہیں۔ قضا کو اپنے حلقۂ عمل میں مکمل اختیارِ سماعت حاصل تھا امیر خلیفہ تک کو قاضی کے اختیار سماعت میں دخل اندازی کا حق نہیں تاکہ وہ ذات بغیر کسی اثر اور دباؤ کے انصاف کے تقاضوں کے مطابق عدل وانصاف کا بول بالا رکھے۔

Marfat.com

(۳) اگر خلیفہ کے خلاف بھی الزام عائد ہو تو اُسے جواب دہی کے لئے طلب کیا جا سکتا ہے بلکہ سزا یا جرمانہ بھی کرنے کا حق قاضی کو حاصل ہے۔

(۴) عدالتی احکامات کی خلاف ورزی یا عدالت کو راستے سے بھٹکانا اور قاضی کو غلط یقین دلا کر دھوکہ سے فیصلہ حاصل کرنا وغیرہ توہین عدالت کے زمرے میں آتا ہے جس کی علیحدہ سزا دی جا سکتی ہے۔

(۴) فوجداری مقدمات میں جرائم کی سزا حدود جیل مثلاً قطع یدین، سنگسار کرنا اور کوڑے مارنا وغیرہ شامل تھے۔ Tort cases میں قصاص اور تاوان کی ادائیگی کی جاتی اور دیوانی مقدمات میں اگر حق ثابت ہو جاتا تو حق رسی کی جاتی اور معاوضہ بھی دیا جاتا۔

(۵) چونکہ گواہوں کی وجہ سے حقوق عامہ زندہ ہیں اس لئے ان کو ڈرانا دھمکانا یا ان کو نقصان پہنچنے پر عدالت کڑی گرفت لے سکتی ہے۔

(۶) اخلاق سوز اور کردار تباہ کرنے والے طریقوں پر پابندی عائد کی جاتی تھی اور ایسے لوگوں کو سزا دی جاتی تھی جو قومی اخلاقی کردار تباہ کرنے کا موجب ہوں۔

(۷) غلط تعمیرات کی دیکھ بھال بھی قاضی کا فرض ہے اور مخدوش عمارتوں کو گرانے کا حکم بھی دے سکتا ہے۔

(۸) قاضی کسی شخص کو خواہ وہ خلیفۂ وقت ہو گواہ کی حیثیت سے طلب کر سکتا ہے۔

(۹) رمضان اور عید وغیرہ کے متعلق خیر دینا بھی اُس کے فرائض میں شامل ہے۔

(۱۰) اسلامی عدلیہ میں مجرموں کو ضمانت پر رہا کرنے کی صراحت بھی ملتی ہے۔

(۱۱) منصب قضاء کے فرائض میں جیل خانوں کے اجرا پر نگرانی اور سکے ڈھالنے

Marfat.com

کی ٹکسال کی سرپرستی شامل ہے۔

عدالتی کاروائی یا دستور العمل

(۱) مقدمہ کی پیشی اور گواہ گزارنے کی تاریخ مقرر کرنا۔

(۲) کسی جماعت کی غیر حاضری میں یک طرفہ کاروائی۔

(۳) مدعی یا مدعا علیہ کی خواہش پر کسی گواہ وہ عامل ہو یا گورنر، امیر یا خلیفہ کو طلب کیا جانا۔

(۴) مقدمات کے فیصلے تنہائی میں کرنا۔

(۵) مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم نہ کرنا۔

(۶) قاضی کا مدعی اور مدعا علیہ دونوں کے بیانات سُن کر فیصلہ کرنا۔

(۷) یہ فیصلے تا ئیین یا جیوری Jurry کی مدد سے بھی ہو سکتے ہیں اور فیصلے کا دلیل کے مطابق کیا جانا قضا کے دستور العمل Court Procedure میں شامل ہے۔

فیصلہ کرنے میں مندرجہ ذیل وسائل و ذرائع استعمال ہوتے ہیں۔

(۱) ہر وہ ذریعہ جو امر حق واضح کر دے۔

(۲) دعویٰ تو ثابت کرنا مدعی پر ہے لیکن اس کو جھٹلانے کے لئے قسم مدعا علیہ پر

(۳) شاہد کیلئے ضروری ہے کہ اگر واقعہ سورج کی طرح روشن ہو تو وہ گواہی ضرور دے۔

(۴) حلف صرف اللہ تعالیٰ کے نام کے علاوہ کسی دیوتا، باپ بھائی یا اپنی جان وغیرہ کی قسم کھا کر نہیں اٹھایا جا سکتا۔

(۵) فریقین کو صلح کے لئے کہا جا سکتا ہے کیونکہ عدالتی فیصلے دلوں میں کینے کے

Marfat.com

بیج بو دیتے ہیں۔

(۶) قیافہ شناسی، فراست، شجامت وغیرہ بھی قضاء کے وسائل میں سے ہیں۔

(۷) اگر کسی جرم یا قتل وغیرہ کا سُراغ نہ مل سکا ہو تو گردو نواح کے لوگوں سے قسم اٹھوائی جائے کہ وہ مقتول یا مجرم کا علم نہیں رکھتے۔

(۸) گو فیصلہ کرنے میں ظاہری علامات و دلائل کو اہمیت دی جاتی ہے۔ لیکن اکثر معمولی چیزوں کا فیصلہ قرعہ اندازی سے بھی کیا جاتا ہے۔

عدالتی فیصلے

(۱) اگر قاضی کسی فوجداری مقدمہ میں غلط فیصلہ کرے اور اس طرح کوئی جان یا عضو تلف ہو جائے تو اس کا معاوضہ بیت المال سے ادا ہو گا۔

(۲) اگر فوجداری مقدمہ میں غلط فیصلہ سے کوئی جان یا عضو کا نقصان نہ ہو تو کوئی جرمانہ ادا نہ ہو گا۔ مثلاً شراب نوشی جو فوجداری کیس ہے جس میں حد لگتی ہے لیکن اس سے جان یا عضو کے ضائع ہونے کا احتمال نہیں ہوتا۔

(۳) دیوانی مقدمہ میں غلط فیصلہ ہو جائے تو حرجانہ اُس سے وصول کیا جائے گا جس کو اس مقدمہ سے فائدہ پہنچا ہو۔

(۴) اگر قاضی نے دیدہ دانستہ فیصلہ دیا ہے تو حرجانہ خود قاضی سے وصول کیا جائیگا۔

(۵) قاضی کے فیصلوں کی اپیل قاضی القضاۃ امیر خلیفہ یا نذر المظالم کے پاس ہو گی۔

(۶) کوئی مقدمہ ابتداء ہی میں قاضی کی بجائے خلیفہ یا امیر کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔

(۷) اگر کسی فیصلہ کی اپیل نہ کی گئی ہو یا امیر خلیفہ، اور قاضی نے خود اپنے فیصلہ کو بدل نہ دیا ہو تو اس پر ہر حیثیت پر عمل درآمد ہو گا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر غلط

Marfat.com

ہی کیوں نہ معلوم ہو مگر مخالف پارٹی پر اس کی اطاعت لازمی قرار دی گئی۔

قسامت اور اصولِ شہادت

کسی مقدمہ میں ثبوت فراہم کرنے کے دو ہی ذرائع ہوتے ہیں۔

(۱) "شہادت" (۲) "قسامت"۔

(۱) شہادت کے سلسلہ میں گواہ کا عادل ہونا شرط ہے۔ خائن وزانی یا خائنہ وزانیہ وغیرہ کی شہادت جائز نہیں۔ اور نہ ہی دشمن کی شہادت قابلِ قبول ہے۔

(۲) جس شخص پر خیانت کی حد لگ چکی ہو اور وہ چھوٹا ثابت ہو چکا ہو اُس کی شہادت بھی قابلِ قبول نہیں۔

(۳) گھر والوں کے حق میں ان کے نوکر، غلام، لونڈیاں اولاد رشتہ داروں اور دوستوں وغیرہ کی گواہی معتبر تصور نہیں کی جاتی۔ اس لئے آقا کے لئے ملازم کی باپ کے حق میں بیٹے کی اور شوہر کے حق میں بیوی کی گواہی قابلِ قبول نہیں۔ بجز اُس صورت کے کہ کوئی عینی شہادت موجود نہ ہو۔

(۴) جو لوگ زنا کی تہمت لگا کر ثابت نہ کر سکتے ہوں وہ بھی غیر معتبر ہیں۔

گواہ کے لئے مندرجہ ذیل خصوصیات ہونی چاہئیں۔

(۱) عقل، سن بلوغیت، قوتِ حافظہ، قوتِ سماع اور طاقت بینائی وغیرہ ایک مسلمان عادل مرد کے لئے لازمی ہیں۔

(۲) بچوں کی شہادت بھی قابلِ قبول نہیں اگر ہوشمند ہوں تو قابلِ قبول ہے۔

(۳) غلاموں اور لونڈیوں کی شہادت بھی دورِ خلافت میں قابلِ قبول نہ تھی۔

(۴) مسلمانوں کے معاملات میں غیر مسلموں کی شہادت بھی قابلِ قبول نہیں سوائے

Marfat.com

اس وقت جبکہ وہ ایک پارٹی ہوں۔

(۵) دیوانی مقدمات میں مسلمانوں کی بجائے کافر اور فاسق جو اُن میں سب سے بہتر ہو اُس کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے۔

(۶) اگر مسلمان مسافرت میں ہو یا قریب المرگ ہو اور اُسے وصیت کی شہادت کے لئے کوئی مسلمان مُیسّر نہ ہو ایسی صورت میں غیر مسلم گواہ بنایا جا سکتا ہے۔

(۷) اگر معاملہ عورتوں کا ہو جیسے حمل یا رضاعت اور جسمانی عیوب وغیرہ کے سلسلہ میں ثبوت بہم پہنچانے کے لئے عورتوں کی گواہی لازمی ہے جو کہ تعداد میں کم از کم تین ہوں۔ لیکن بچے کی ولادت کی گواہی کیلئے صرف ایک دائی کی گواہی کافی ہے ——— اگر کسی مقدمہ میں عینی شہادت مرد کی موجود نہ ہو۔ تو عورت کی گواہی قابلِ قبول ہو گی۔

قسامت

(۱) مالی اور دیوانی مقدمات میں دو عورتوں کی شہادت قابلِ قبول ہوتی ہے یا مدعی کی قسم پر بھی فیصلہ ہو سکتا ہے۔

(۲) ثبوتِ زنا کے لئے چار عینی گواہوں کو پیش کرنا لازمی ہوتا ہے۔ لیکن گواہ چار سے کم ہوں یا کوئی عینی شہادت نہ ہو تو زنا کی تہمت زبان تک پر لانے کی اجازت نہیں۔ اس قسم کی شہادت میں ایک رعایت رکھی گئی ہے۔ یعنی جبکہ صرف خاوند ہی عینی شہادت ہو تو وہ زنا کی تہمت لگا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں اُسے عدالت کے رُو برو چار بار قسم کھانا پڑے گی۔ کہ اس نے اپنی عورت کو غیر محرم سے زنا کرتے دیکھا اور پانچویں مرتبہ قسم کھائے گا کہ اگر وہ جھوٹ بولتا ہو تو اللہ کا غضب اُس پر نازل ہو۔ صفائی میں اُس کی بیوی کے لئے دو صورتیں

Marfat.com

ہیں اگر تو الزام کو تسلیم کرلے تو وہ سنگسار کردی جائے گی۔ بصورتِ دیگر اس کو چار بار قسم اٹھانی ہوگی کہ اس کا خاوند جھوٹ بولتا ہے اور پانچویں بار کہے گی کہ اگر وہ جھوٹی ہو تو اُس پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ اِس طرح اس پر حد تو نہ لگے گی لیکن نکاح ساقط ہو جائے گا۔

(۳) اگر کسی علاقہ میں قتل ہو جائے اور مقتول کا پتہ نہ چلتا ہو تو اُس علاقہ کے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے کہ واقعہ قتل کا علم نہیں اور نہ ہی وہ مقتول کو جانتے ہیں

قیاس، قتل، دیوانی یا فوجداری مقدمات و جرائم کے سلسلہ میں نظامِ قضا میں تحریری ثبوت کو زیادہ اہمیت حاصل نہیں۔ حالانکہ اُس تحریر کو تصدیق کرنے والے دو گواہوں کی شہادت تحریری ثبوت کے مقابلہ میں زیادہ قابل قدر ہوتی ہے اسی لئے کہا گیا کہ تمام پبلک یا پرائیویٹ تحریروں Documents کی تصدیق کم از کم دو گواہوں سے ضرور ہونا چاہیئے۔

اسلام کا اقتصادی نظام

سوال کیا جا سکتا ہے کہ اگر مسلمانوں کا اقتصادی نظام ہمہ خوبیوں کا حامل تھا جیسا ہمارا دعویٰ ہے کہ اُس جیسا نظامِ معیشت ابھی تک کوئی مذہب یا ازم پیش نہ کر سکا پھر آج مسلمانوں کی یہ خستہ و زبوں حالی کیوں؟ اور اُن کے مقابلہ میں دیگر مذاہب یا ازم کے پیروکار مثلاً برطانیہ، امریکہ، روس وغیرہ مادی اور اقتصادی اعتبار سے دنیا کی معیشت کو کس طرح کنٹرول کئے ہوئے ہیں ——— آخر اُن کامیابی اور مسلمانوں کی ناکامی کا سبب؟

Marfat.com

اِن سوالات کے پیچھے ایک تاریخ ہے جس نے وہ حالات پیدا کیے کہ ایک کا بام
روج پہ پہنچنا اور دوسرے کا اس کے رحم و کرم پر گر پڑنا ناگزیر تھا۔ معاشی اعتبار سے
سلمانوں کا اُن کے مقابلہ میں پیچھے رہ جانے کا سبب خود مسلمانوں کے آپس میں
ناق سے کمزوری اور اُن کے ہاتھوں سے سیاست و سیادت کا چھن جانا ہے۔ اسی
ئے جب ایک نظام کو چلانے کا ذریعہ ہی اُن کے پاس نہ رہا تو نظام کی افادیت
ی طرح ظاہر ہو سکتی؛ دوسرا سبب یہ کہ مسلمانوں نے خلافت و حکومت رُخصت
جانے کے بعد اپنے اعلیٰ اوصاف و اقدار کو بھی بالائے طاق رکھ دیا۔ چونکہ ہر قوم
ی کچھ خصوصی انسانی اخلاقی اقدار ہوتی ہیں جن کو اختیار کر کے اُس کا دُنیا میں ترقی
نا ناگزیر ہے۔ اس لئے جب تک مسلمان اُن صفات یعنی جہاد تحقیق و ریسرچ اور
لیٰ انسانی اخلاق کے حامل رہے دُنیا کی سلطنتیں اُن کی زیرِ نگیں رہیں۔ کیونکہ وہ
لامی نظاموں کو اُس کے اصل جذبہ کے تحت چلاتے رہے۔ اُس وقت تک زندگی
سی پہلو میں ان کو ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑا۔ لیکن جونہی خارجی اثرات اپنے سر منڈھنے
روع کیے اُن میں اخلاقی اوصاف اور جہاد کی جگہ عیش و عشرت نے لے لی یعنی
پنے اسلاف کی ڈگر سے ہٹ گئے تو یورپ کی اقوام نے موقعہ کی نزاکت اور ان کی
زوری سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اور بنیادی اقدار کو اپنا کر اپنی محنت کاوش اور عمل
لم سے تمام اقوام سے سبقت لے گئے۔ اور اس طرح مسلمانوں کو سیاسی معاشی
معاشرتی اعتبار سے پس پشت ڈال دیا اور ایسے منفی حربے استعمال کرتے رہے
مسلمان صدیوں خواب غفلت سے بیدار نہ ہو سکا۔ اور آج جب وہ بیدار ہوا بھی تو
نے سب کچھ اپنا ہوتے ہوئے بھی خود کو تہی دست پایا اور اپنے کھوئے ہوئے

مقام کو پانے یا اقوامِ مغرب کا مقابلہ کرنے کے لئے فطرت کی تمام اشیاء کو اپنے خلاف بغاوت پر آمادہ پاتے ہیں۔

اہل یورپ کی کامیابی کا سب سے بڑا سبب نیچر کی دولتوں کا ان کو مل جانا ہے۔ آخر ایک ایسا وقت آیا جبکہ اُن کے قبضہ میں نہ صرف برّصغیر جیسی سونے کی چڑیا بلکہ افریقہ اور آسٹریلیا ان کے قبضہ قدرت میں آئے بلکہ کولمبس نے پوری نئی دُنیا کے دو عظیم براعظم ایک چھوٹی سی قوم کی گود میں ڈال دیئے۔ امریکہ کی اس سرزمین پر جہاں آبادی تو مختصر لیکن معدنیات و وسائل کا یہ عالم کہ گویا زمین سونا اُگلے دے رہی ہو۔ (ضمنی طور پر یہاں یہ ذکر کر دینا بجا ہو گا کہ عرب تجار کولمبس کی دریافت سے بہت قبل اس نئی دنیا سے نہ صرف آشنا تھے بلکہ تجارت کی غرض سے اکثر امریکہ کے ساحلوں پر آتے۔ اس وقت اہل یورپ اس سے ناآشنا تھے اس لئے جب کولمبس ادھر نکل آیا تو ان کے لئے یہ نئی دریافت تھی) ——— لیکن ۲۷ لاکھ مربع میل کی یہ زمین اور اس کے قدرتی خزانوں کو مسلمان تو استعمال نہ کر سکے لیکن وہی جب اہلِ یورپ کے ہاتھ لگے تو مادی دولت، معدنی و زرعی خزائن اور قدرت کی ہمہ نعمتوں پر قبضہ پا کر دنیا کی غیر مہذب، غیر ترقی یافتہ اور غربت و افلاس سے ماری ہوئی اقوام کو اپنا دستِ نگر بنا لینا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ اور جب دنیا تقریباً نصف علاقہ مملکت برطانیہ جو کہ خود پاکستان کے ایک صوبہ کے برابر نہیں قبضہ میں عرصہ تک رہا اور جس کے قدرتی وسائل سے پورا فائدہ اٹھانے کا اُن کو موقع ملا تو دنیا میں اس کی عظیم طاقت کی حیثیت سے بنیاد پڑی۔ اور دنیا کی ¼ حصہ آبادی پر حکمرانی کرتے رہے۔ برطانیہ، فرانس، ہالینڈ اور پرتگال وغیرہ اپنے زیرِ نگیں علاقوں

Marfat.com

بکالونیوں کی دولت سمیٹ کر اپنا گھر بھرتے رہے۔ جس کی وجہ سے مادی ترقی کے اس
خام کو پہنچے۔ اِن ممالک کے مقابلہ میں جاپان وجرمنی نے محنت ومشقت سے سائنسی
صنعتی میدان میں ترقی تو کی لیکن اُن کے قبضہ میں کوئی نوآبادی نہ ہونے کی وجہ سے برطانیہ
اور فرانس جیسا مقام حاصل نہ کر سکے۔ مثال کے طور پر جاپان کو جتنے وسائل حاصل
تھے۔ اتنے ہی سلطنتِ برطانیہ کو جبکہ خطّہ کے لحاظ سے بھی تقریباً دونوں ممالک برابر ہیں۔ لیکن
برطانیہ ایک طرف ہندوستان جیسی سونے کی چڑیا کے تمام وسائل اس کے قبضہ
میں تھے اور دوسری طرف امریکہ پر قبضہ کے بعد اُس کے وسائل اور معدنی دولت
سے استفادہ کر کے جاپان ودیگر اقوام کو صرف مادی سرپرستی کی بنا پر پس پشت ڈال
دیا۔ اور جاپان ودیگر اقوام اہلِ مغرب سے زیادہ صلاحیّت رکھنے کے باوجود وسائل
مال ودولت کی کمی کی وجہ سے دُنیا میں بڑی طاقت (World Power)
بن سکے۔ اُس دور میں سب سے بڑی زک مسلمانوں کو اٹھانی پڑی کیونکہ اہل مغرب
مسلمانوں کی ترقی سے سخت خائف تھے۔ اور اسلام کی سیلانی کیفیت سے ان کو اپنا عرصۂ
حیات تنگ نظر آیا تھا لہٰذا جونہی موقعہ ملا تو اُسی تعصب اور مذہبی تنگ نظری کے سبب
ہر قسم کے جائز وناجائز حربے استعمال کر کے مسلمانوں کو کسی بھی میدان میں ابھرنے نہ دیا
اور آہستہ آہستہ صنعت وحرفت، تجارت، سیاست معیشت بلکہ ہر لحاظ سے خود کے
مقابلہ میں مسلمانوں کو حقیر کر کے رکھ دیا۔ اور اس حد تک ذلّت کی طرف دھکیلا کہ مسلمان
اپنے افکار ونظریات فراموش کر کے اقوامِ مغرب کی جادوگری کا شکار ہو کر اپنے مذہب تک
سے بیری ہو گیا۔ اور اپنے سابقہ کارہائے نمایاں، اپنے سرمایۂ صد افتخار، علوم وفنون
حتیٰ کہ اپنے اسلاف کا وہ خود تمسخر اڑانے لگا۔ یہی انگریزوں کی سب سے بڑی پالیسی تھی۔

Marfat.com

جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب رہے۔ نتیجتہً آج آزادی کے بعد بھی اسلامی ممالک میں مسلمانوں کی ناگفتہ بہ حالت اپنے مذہب و اسلاف سے لاعلمی ہی ان کو دوبارہ دین کی طرف لوٹنے سے روکتی ہے۔ لیکن طویل غلامی کے بعد جب مسلمانوں کی رگِ حمیّت پھڑکی تو قربانی دے کر بھی سامراجی طاقتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی سعی کرتے رہے اور اِس طرح آہستہ آہستہ برطانیہ کے قبضۂ قدرت پر ضرب کاری لگی۔ زیرنگیں علاقوں پر اقتدار گرفت ڈھیلی ہوتی گئی اور اب تک نوآباد علاقوں کے مکیں آزادی کے جذبہ سے سرشار ہوکر غلامی کا جُوا اتار پھینکنے میں مصروف ہیں۔ دوسری جنگ عظیم سے بالخصوص دُنیا کی دونوں بڑی طاقتوں برطانیہ و فرانس کو ایسی ضرب لگی کہ اُن کو اب تک سمجھنے کی سکت نہیں اُن کے زوال کے بعد امریکہ و روس کا شمار دنیا کی بڑی طاقتوں میں ہونے لگا۔ انہوں نے اپنی قدرتی اور معدنی وسائل کی بہتات اور دولت کی فراوانی کے بل بوتے پر زندگی کے ہر میدان میں ترقی کرنے دونوں طاقتوں کو جس تخریبی راستے پر ڈال دیا ہے وہ تیسری عالمگیر جنگ کی نشاندہی کر رہا ہے اور یہ جنگ ہی ان کے زوال کا پیش خیمہ ہوگی۔ برلن کا مسئلہ ایک ایسا نازک مرحلہ ہے جس پر دونوں طاقتوں کا نبرد آزما ہونا لازمی امر ہے اگر برلن کا مسئلہ پر جنگ ہوگئی جیسا کہ مہلک ہتھیاروں کی ایجادات راکٹ و میزائیل کی دوڑ اور مہلک ہتھیاروں کی ایجادات نے اُسے ناگریز بنا دیا ہے تو ایسی صورت میں جرمنی تو تختۂ مشق بنے گا۔ لیکن دُنیا کو کمیونسٹ اور سرمایہ دار سامراجیت سے ہمیشہ کیلئے نجات مل جائے گی اور یورپ کی تمام ترقی و تہذیب کا ایٹمی دھماکوں سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جانا ناگریز ہے۔ ان دو بڑی قوتوں کے زوال کے بعد دُنیا میں بڑی طاقت بننے کا حصّہ ایشیا کی اقوام کے زمرہ میں آتا ہے۔ ایک طرف چین دنیا کی بڑی طاقت ہوگی۔

Marfat.com

دوسری طرف مسلم بلاک اگر تیسری جنگ میں چین نے پوری طرح روس کا ساتھ دیا تو اُس کا تباہ ہو جانا بھی لازمی ہے۔ گو جنگ کے مہلک نتائج سے ایشیا کی اقوام بھی نہ بچ سکیں گی لیکن مسلم ممالک ضرور سمجھ بوجھ سے کام لیں گے اور اس طرح اُن کے سنبھلنے کے امکانات روشن ہیں۔ گو امریکہ و روس کی نظرِ التفات ایشیاء کے خطے پر بھی مرکوز ہے اور دونوں اس علاقہ کی سلطنتوں اور اقوام کو اپنے ساتھ ملانے میں کوشاں ہیں تاکہ اگر جنگ ہو تو ان کو بھی ایک ایک کرکے قربانی کی بھینٹ چڑھایا جائے تاکہ اس علاقہ کو بھی میدان جنگ بنا کر ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال سے یہاں کی آبادی اور اس کی آئندہ نسلوں تک کو ناپید و ناکارہ کر دیا جائے تاکہ ایشیاء کی اقوام اُن کے مقابلہ میں ابھرنے کا نام نہ لیں۔ ان کا اصل مقصد ان کا خود کو محفوظ رکھنا اور دُنیا پر حکمرانی کرتے رہنے کے سوا کچھ نہیں۔ اگر سامراجی قوتیں اس کوشش میں کامیاب ہو گئیں تو پھر اس خطہ میں آباد دنیا کی نصف قوم کی تباہی لازمی ہے۔ انہوں نے اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے افریقہ و ایشیا میں ایسے مسائل پیدا کر دیئے ہیں مثلاً عربوں کے لیے فلسطین اور کویت وغیرہ جیسے مسائل ایشیا میں مسئلہ کشمیر اور افریقہ میں الجزائر ایسے مسائل ہیں تاکہ یہ قومیں اپنی قوتیں صرف انہی مسائل پر مرکوز کرکے خود کو کمزور بنا کر اقوامِ مغرب کو مداخلت کے مواقع فراہم کرتی رہیں۔ لہذا اس چیز کا پہلے سے احساس کر لینا ضروری ہے اور اہل مشرق کے لئے موجودہ حالات کے تحت خود کو اہل مغرب کی دست برد سے محفوظ رکھنا ہوگا۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑا پارٹ مشرق وسطیٰ ایشیاء اور افریقہ کے مسلمان ہی ادا کر سکتے ہیں تاکہ وہ ایک سیسہ پلائی دیوار اور ایشیا اور افریقہ کی ایک بڑی طاقت بن کر سامنے آئیں اور امریکہ و روس کو اپنے ناپاک مقاصد میں کامیاب نہ ہونے دیں۔ یہ عظیم مقصد

Marfat.com

صرف مذہب اسلام کی طرف لوٹنے اور اُس کے سیاسی معاشی و معاشرتی اصولوں کو اپنا کر ہی ممکن ہے جو کسی قومی اتحاد یا نیشنلزم کے نعرہ سے ممکن نہیں۔ مثلاً جمال عبدالناصر صدر متحدہ عرب جمہوریہ کا عرب نیشنلزم کا نعرہ "عرب پہلے اور مسلمان بعد" اسلامی برادری اُخوّت اور یک جہتی کے عین نقیض ہے۔ کیونکہ اسلام نے کبھی عربی یا عجمی (قومیت) کو اسلام پر ترجیح نہیں دی۔ بلکہ مسلمان ہونے کو ہی فضیلت بخشی ایک لمحہ کے لئے اگر اس سے صرف نظر کیا جائے تو عرب نیشنلزم سے مراد یہ ہوئی کہ عرب میں رہنے والے مسلمانوں کے علاوہ عیسائی، یہودی اور غیر مسلم بھی صرف وہ خطۂ عرب میں رہنے کے سبب دیگر اسلامی ممالک کے مسلمانوں سے فضیلت حاصل کر سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں! پس تمام مسلمان پاکستانی ہوں۔ یا الجیرین، یا افریقی ہوں یا انڈونیشی، ملائی ہو یا عربی، ایک ہی لڑی میں پروئی ہوئی "امت مسلمہ" ہے اور صرف اسی اسلامی برادری اُخوّت اور یک جہتی کے نظریہ کے تحت دُنیا میں اِسلامی بلاک قائم ہو سکتا ہے۔ قومی تنگ نظری و خود غرضی چند مسلم ممالک کو دُنیا میں بڑی طاقت نہیں بنا سکتی۔ مثلاً تمام عرب ممالک کی طاقت مل کر بھی صرف ایک اسلامی ملک پاکستان کے برابر نہیں ہو سکتی تو کس طرح عرب ممالک اپنی قومیت کے بل بوتے پر عرب نیشنلزم کے جھنڈے تلے دنیا میں بڑی طاقتوں کو سرنگوں کر سکتے ہیں۔ لیکن تنگ نظری و تعصب کے اس نعرے سے ہٹ کر تمام دنیائے اِسلام کی برادری اور اخوت کے جذبہ کے تحت تمام اسلامی ممالک کو ملا کر ایک بلاک کا قیام تمام ایشیا و افریقہ کو روسی و سامراجی طاقتوں کی دست برد سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اور یہی مسلمانوں کا اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کا واحد حل ہے۔ صرف اسلام کے پاس ایسا ذخیرۂ افکار ہے جو اس دُنیا میں مسلمان

Marfat.com

کو تباہی، بربادی، جنگ کی ہولناکیوں اور مختلف قومی ریشہ دوانیوں کی بجائے انسانیت کا اعلیٰ مقام دے سکتا ہے۔ کیونکہ موجودہ مہذّب و ترقی یافتہ اقوام غالب بھی انسان کو معراج انسانیت سے ہمکنار کرانے میں ناکام رہی ہیں۔ اس لئے اب یہ خواب مسلمانوں کے ہاتھوں ہی شرمندۂ تعبیر ہونا ممکن ہے اس کے لئے مسلمانوں کی قوت کا یکجا ہونا اور اسلام کا سیاسی، اقتصادی نظام نافذ کرنا اور مسلم بلاک میں اسلامی نظام کا نافذ کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ جب کوئی قوم رائج الوقت نظریات کے مقابلہ میں اس سے بہتر نظام پیش کرے تو اس کی کامیابی کا دارومدار پہلے اُس پر خود عمل پیرا ہو کر ممکن ہے۔ اور اگر اس طرح کامیابی نصیب ہوئی تو موجودہ دور کے منفی نظریات و افکار نئے نظام کے سامنے خس و خاشاک کی طرح اڑ جائیں گے۔

بیسویں صدی کے چند مفکرین مغربی اقوام کی استعماریت کے خلاف اس نتیجہ پر پہنچے کہ شاید کمیونزم ہی موجودہ دور میں دنیا مسائل کا حل پیش کر سکتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض مسلم مفکرین بھی اس نظریہ سے متاثر ہو کر کمیونزم کے اقتصادی نظام کی افادیت کو اسلامی نظامِ معیشت کے ہم آہنگ قرار دیتے ہیں۔ بلکہ بعض تو یہاں تک جا پہنچے کہ مارکس کی عظیم تصنیف "کیپٹل" کے نظریات کو قرآنی آیات پر منطبق گردانتے ہیں۔ اس طرح کی تشریح اور من گھڑت تاویلات سے اُن کا مقصد اسلامی ممالک میں کمیونزم کے لئے راہ ہموار کرنا ہے۔ تاکہ صدیوں بعد انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کر کے خود دُنیا پر اسلامی نظام کی افادیت ثابت کرنے کی بجائے اُس سے فرار اختیار کر کے کمیونزم کی گود میں جا پڑیں۔ اگر اس ذہنیت کا بروقت مقابلہ نہ کیا گیا اور طاغوتی طاقتیں اسی طرح برسرِ پیکار رہ کر کامیاب ہو گئیں تو نیا انقلاب تاریخ انسانیت

Marfat.com

میں ذلت اور غلامی کی بدترین شکل ہو گی ——— سُرخ اقتصادی نظام جو کہ مغربی سرمایہ داری نظام کے مقابلہ میں پیش کر کے دُنیا میں غربت و افلاس کا حل اُس سے ممکن دکھایا جاتا ہے اس کا اصل مقصد دنیا کے مفلس افراد کو سرمایہ داری نظام کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرنا ہے۔ تاکہ انقلاب برپا کر کے کمیونزم کو مسلط کر دیا جائے اسلام کا اقتصادی نظام "دنیا کی غربت و افلاس کا حل کشت و خون" یا Divide and Rule کی پالیسی پر عمل پیرا ہو کر نہیں پیش کرتا۔ بلکہ امن اور انصاف کے تقاضوں کی روشنی میں چند اچھوتے اصُولوں پر گامزن ہو کر دنیا سے غربت و افلاس دور کرنے کا داعی ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسا نظامِ معیشت ہے جو کہ نہ تو موجودہ سرمایہ داری اصولوں پر استوار ہے اور نہ کمیونزم کے پیش کردہ اقتصادی نظام (Economic orders) پر بلکہ ایک متوازن Balanced نظریہ پیش کرتا ہے ——— اسلامی اقتصادی اصُولوں کو سمجھنے سے بہتر ہو گا کہ پہلے کمیونزم کے نظریہ کو سمجھ لیا جائے۔

کمیونزم دو نظریات پر مشتمل ہے۔ ایک تو فلسفہ کمیونزم (Philosophy of Communism) جو کہ دہریت (atheism) کی بدترین شکل ہے کیونکہ اس میں خدا کے وجود رسالت سابقہ پیغمبران، الٰہی ضابطہ ہائے زندگی وجودِ جنت فرشتے اور حیات بعد مرگ وغیرہ سے انکار کر کے روحانی اقدار کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات پیدا کرتا ہے ——— دوسرا نظریہ کمیونزم کا اقتصادی نظام (Economic order) ہے جس میں تقسیم دولت پر بحث کی جاتی ہے اس نظام کے تحت تمام ذرائع آمدنی means of production حکومت کے تحویل میں ہوتے ہیں اور اس طرح کسی کے پاس دولتِ فاضلہ (surplus wealth) جمع نہیں

ہونے دی جاتی۔ بلکہ حکومت خود تمام املاک، دولت اور زمین وغیرہ ضبط کر کے سرمایہ دار کا وجود ختم کر کے اُس کو ایک عام نوکر ملازم اور غلام کسان یا مزدور کی سطح پر لے آتی ہے۔ اور سب کو لازمی طور پر محنت مزدوری کر کے شکم سیری کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس طرح اشتراکیت انسان کو اس زمین پر ایک برتر مخلوق نہیں سمجھتی۔ کیونکہ جب ہم کمیونزم یا اشتراکیت کے کارناموں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ اس سے نہ تو تقسیم دولت کا کام صحیح طور پر انجام پا سکا اور نہ انسانیت کو کوئی معراج نصیب ہو سکا بلکہ اشتراکیت نے روٹی کی خاطر وہ چیز انسانیت سے چھین لی جس کے سبب اسے اللہ تعالیٰ نے اُس کو اشرف المخلوقات کا لقب دیا تھا۔ کیونکہ نظریہ کمیونزم عورت و مرد کو برابر کا درجہ اس طرح دیتا ہے۔ کہ کوئی مرد اپنی عورت کو صرف اپنی ہی زوجیت کے لئے مجبور نہیں کر سکتا۔ اُن کے خیال میں اس سے بھی ملکیت کی بو آتی ہے کیونکہ وہ حکومت کی ملکیت متصور ہوتی ہے اس لئے ہر فرد کا اس پر حق ہے نا جائز اولاد پیدا ہونے کی صورت میں اُس پر کوئی حرف نہیں آتا بلکہ ریاست کے بیت المال کی ملکیت ہوتا ہے۔ اسی زبوں حال سے متاثر ہو کر کسی روسی مصنف نے اسی آیڈیل اشتراکی سوسائٹی کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے " شراب خوری اور زنا کوئی قابل شرم نہیں گناہ کوئی چیز نہیں"۔ محبت کرنا" "خوب پینا" اور عورتوں کا تعاقب کرنا خاصہ مردانگی ہے۔ ..... ایک فطری جذبہ ہے اور جو چیز فطری ہو گناہ کیسے ہو سکتی ہے"۔

(صفحہ ۳۵ اشتمالی سماج، مکتبہ عرفان حیدرآباد دکن)

اس طرح جو چیز قیام اشتراکیت کی جدوجہد میں مددگار ہو وہ پاکیزہ ہے اور ہر وہ چیز جو مانع ہو وہ شدید اور عظیم ترین برائی ہے اس سلسلہ میں خود لنین Lenin

ایک جگہ اشتراکیت کی تعریف اِن الفاظ میں کرتا ہے: "ہم ہر اُس اخلاق کو رد کرتے ہیں جو مافوق الفطرت تخیلات و افکار جو طبقاتی تصورات سے ماورا ہو ہم یہ رائے رکھتے ہیں کہ اخلاق تابع ہے طبقاتی جنگ کے مفاد کا ——— ہر وہ چیز جو اخلاقاً جائز ہے جو قدیم اجتماعی نظم کو ہٹانے اور محنت کش عوام کو ایک کرنے کے لئے ضروری ہو۔ جس طبقہ کو اب تک لوٹا جا رہا ہے وہ جب اپنے دشمنوں کے خلاف جدوجہد کرے گا تو ایسی جدوجہد میں جھوٹ اور مکر و فریب کے ہتھیاروں کا استعمال ناگزیر ہوگا۔"

بس جس نظام کی بنیاد ہی اخلاقیات اور روحانیت سے پہلو تہی کرے وہ کسطرح کامیاب ہو سکتی ہے کیا آج اس خطہ میں جہاں روسی نظام پورے شد و مد سے نافذ ہے کیا انقلاب سے لے کر آج تک اتنے طویل عرصے میں کمیونسٹ روس میں عوام کو اقتصادی مساوات حاصل ہوئی؟ کیا تمام لوگ خروشیف سے لے کر ایک عام مزدور تک ایک ہی حیثیت کے حامل ہیں؟ کیا کمیونسٹ پارٹی کے افراد اور سوویت حکومت کے اربابِ حل و عقد یعنی صدر مملکت اور وزراء وغیرہ اور لیبر یونینوں کے ممبر (مزدور طبقہ) کا کھانا پینا، رہن سہن ایک ہی قسم کا ہے؟ ——— چونکہ اس قسم کا مساوی نظام فطرت کے خلاف ہے اس لئے یہ ناممکن اور ناقابلِ عمل ہے جس کی مثال خود سوویت روس پیش نہ کر سکا تو اشتراکی انقلاب سے دوسرے ملک میں اس نظریہ کو عملی جامہ پہنانا کیسے ممکن ہے؟ جو از "مارکس اور لینن کی تھیوری و نظریات نیچر کی غیر مساوی تقسیم کی روشنی میں بھی پھیکے رہ جاتے ہیں ——— حضرت آدمؑ سے لے کر نبی آخر الزماں تک اللہ تعالیٰ نے دین میں یا اسلامی معاشرہ میں اقتصادی مساوات کی صراحت نہ رکھی ورنہ جہاں پیغمبران دیگر احکام خداوندی کی تبلیغ کرتے رہے۔ اِس

Marfat.com

نظام کو بھی جاری و ساری کر سکتے تھے۔ جب خود نیچرل طور پر انسانوں میں اللہ تعالیٰ نے مساوات قائم نہیں رکھی یعنی کوئی سیاہ ہے کوئی سفید کوئی لمبا ہے کوئی ٹھنگنا ہے کوئی خطہ گرم ہے کوئی سرد کائنات میں چمکتے دمکتے ستارے و سیارے غرض اس دنیا و مافیہا کی کوئی چیز ایک جیسی نہیں تو مادی مساوات چہ حقیقت دارد؟ ——— ہاں الٰہی قانونِ عمل ضرور ایک ہے۔ کیونکہ دین ایک ہی راستہ دکھاتا ہے جس پر گامزن ہونے کے لئے تمام مخلوق کو ایک ہی ضابطۂ حیات و لائحہ عمل دیا گیا۔ اُن کے سامنے انسانیت کی ایک معراج رکھ دی گئی جہاں بلاتمیز رنگ و نسل پہنچنا ہے۔ اس معراج کے حصول کے لئے انسان جو کچھ جدوجہد کرتا ہے اور جو ذرائع اختیار کرتا ہے اُسی کے لئے جزا و سزا مقرر ہے ——— اس نظام میں امرا بھی ہیں اور غربا بھی اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ذرائع فراہم کرتا ہے۔ حتیٰ کہ قرآنی احکامِ الٰہی "Divine guidance" کہیں بھی اقتصادی مساوات کا درس نہیں دیتے۔

"سب فضل و کرم اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے" (سورۃ آلِ عمران آیت ۷۳)

"کہہ دیجئے بے شک فضل (و کرم) اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے وہ عطا کرتا ہے"

ہر مسلمان کو حکم ہوا کہ جستجو اور جدوجہد سے وہ خود فضل تلاش کرے اور جتنی سعی کرے گا اتنا پائے گا۔ لیکن جس کو مال و دولت عطا کیا گیا قرآن اُس کے جائز استعمال کا سبق سکھاتا ہے۔ کیونکہ بے یار و مددگار بے سہارا غرباؤ مساکین کے لئے اُن کی دولت پر زکوٰۃ واجب کی گئی۔ اس کے علاوہ بھی اگر دینِ اسلام کی سربلندی کے لئے ضرورت درپیش ہو تو بھی امرا اپنی دولت بخوشی و رغبت حتی الوسع فراہم کریں۔ کسی آڑے وقت میں بھی حکومت کبھی اِس قسم کی اعانت جبراً وصول نہیں کرتی یا املاک

Marfat.com

ضبط نہیں کرتی۔ اس طرح امراء کی افادیت واضح ہو جاتی ہے کیونکہ اگر امراء نہ ہوں اور تمام لوگ پھوکٹ ہوں یا اقتصادی طور پر مساوی حیثیت کے حامل ہوں اور حکومت وقت کو یا اسلام کی سربلندی کے لئے کسی آڑے وقت میں مدد و اعانت کی ضرورت درپیش ہو یا جہاد و قتال کے لئے سرمائے کی ضرورت ہو اور قوم کے پاس اگر سرمایہ نہ ہوگا تو ضرورت کس طرح پوری ہوگی۔ پس یہی صاحب رزق اور صاحب دولت جن کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عطا کرتا ہے جو قوم حکومت یا اسلام کے لئے دولت کی قربانی کرتے ہیں سورۂ بقرہ آیت ۲۱۲ میں فرمایا گیا۔

"اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔"

پھر بنی اسرائیل آیت ۳۰ میں آیا ہے۔

"بلاشبہ آپ کا رب ہی جس کی روزی چاہتا ہے۔ فراخ کرتا ہے اور کم کرتا ہے جس کی چاہے)

پس آیاتِ بالا جیسی متعدد آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اقتصادی نظام میں سرمایہ دار کے لئے گنجائش رکھتا ہے۔ بلکہ اسلامی ریاست میں امراء و غرباء دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اس لئے حکومت نہ تو دولت فاضلہ ضبط کر سکتی ہے اور نہ غریبوں سے اُن کا حق ان کو دوا سکتی ہے۔ اسلام کے اقتصادی نظام میں امراء رؤسا جن کے پاس ضرورت سے زیادہ دولت ہو وہ ملت میں سے مساکین، غرباء و حاجتمندوں کی مدد و اعانت کے لئے اپنی دولت کے منہ بند نہیں کرتا۔ اس طرح نہ صرف یہ لوگ بلکہ حکومت کا بیت المال بھی غربت و افلاس دور کرنے کی ہر ممکن سعی کرتا ہے۔ تاکہ معاشرہ میں ایک فرد دُکھ اور چین سے ہو اور دوسرا پریشان خاطر نہ رہے یہ اسلامی نظ

تاریخ میں ایک ایسا دور پیش کر چکا ہے جبکہ اسلامی معاشرہ میں غربت و افلاس کا نام و نشان مٹ چکا تھا۔ امرا اور رؤسا زکوٰۃ و صدقات لے کر گلیوں اور کوچوں میں تلاش میں نکلتے تھے لیکن کوئی حاجت مند اُس کو لینے والا نہ ملتا تھا یہ اسلامی اقتصادی نظام کی افادیت کا بین ثبوت ہے کیونکہ سرمایہ دار کی دولت و املاک پر پابندی عائد کئے بغیر غریب مزدور یتیم، لاچار بے کس اور بے سہارا کسی کی حاجت ایسی نہ تھی جو پوری نہ ہوتی ——— اگر آج بھی امرا و رؤسا اپنے سرمایہ کا چالیسواں حصہ (۲½ ٪) ہر سال نکالیں تو غربت و افلاس کی شکل کسی معاشرہ میں نظر نہ آئے گی۔ اسلامی ریاست کے قیام کے بعد اگر آج رؤسا زکوٰۃ نہ ادا کریں۔ تو اُن سے اسی طرح زبردستی وصول کی جائے گی جس طرح حضرت ابوبکرؓ نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف اعلانِ جہاد فرما دیا تھا۔

اسی طرح اسلامی ریاست اراضی کی ملکیت کو بھی کنٹرول نہیں کرتی بلکہ زمینداری کا پورا حق عوام کے زمیندار طبقہ ہی کو حاصل ہے۔ اسلامی حکومت مفتوح زمینوں تک کو اپنے قبضہ میں نہ رکھتی نہ مجاہدین میں تقسیم کرتی بلکہ وہ زمینیں زمیندار طبقہ ہی میں رہنے دی جاتیں۔ اس طرح سوشلسٹ نظریہ کے برعکس اسلام میں ذرائع پیداوار (Means of Production) پر کسی قسم کی اجارہ داری نہیں ہوتی بلکہ جو کچھ پیداوار اس پر ٹیکس عائد ہوتا ہے اور یہ ٹیکس بھی صرف اسی قدر ہوتا جس سے زمیندار کا حق متاثر نہیں ہوتی اور بیت المال سے حاجت مندوں کی خدمت بھی ہوتی رہتی ہے

چونکہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جہاں وہ مذہبی عقائد و عبادات کا حکم دیتا ہے وہاں وہ سیاسی، معاشی، معاشرتی اور سائنسی پہلو سے بھی انسان کی راہنمائی

Marfat.com

کرتا ہے۔ معاشی نظام کے تحت وہ عام سرمایہ کاری محنت و مشقت اور مقابلہ کی کھلی اجازت دیتا ہے جن کے پاس ضرورت سے زیادہ کچھ بھی ہو خواہ وہ چاندی سونے ہیرے جواہرات زیورات غلہ کپڑا کسی بھی صورت میں ہو اُس پر اپنی مرضی سے ٹیکس ادا کرتا ہے۔ ایمرجنسی حالات میں وہ مقررہ شرح سے بڑھ کر جتنی چاہے قربانی و خیرات کر سکتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی تمام دولت بھی پیش کر سکتا ہے جس طرح کہ دورِ رسالت میں جنگ یرموک کے جہاد کے موقعہ پر ایک صحابی نے اپنی تمام دولت پیش کر دی تھی۔ اور دیگر صحابہ نے بھی حسبِ توفیق عطا کیا تھا۔ اگر اسلام میں دولتمند طبقہ نہ ہوتا تو ہزار ہا موقعوں پر اسلام کی خدمت کس طرح ہوتی رہتی ؟ اور خود قرآن کی رُو سے بھی اللہ تعالیٰ اس جائداد سرمایہ رزق زمین، جائداد وغیرہ کی تقسیم صرف اُسی کنبہ ہی میں مخصوص رکھتا ہے صرف اُس کے جائز وارثان ہی اُس کے صحیح حقدار ہو سکتے ہیں۔ حکومتِ وقت کو ضبط کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اسی لئے وراثت کے قانون کو اسلام میں خاص اہمیت حاصل ہے اس نظامِ وراثت کی بابت ایک جگہ پروفیسر میکٹائن لکھتا ہے۔

"اسلام کے قانونِ وراثت میں ہمیں وہ احکام ملتے ہیں جن میں اُن سب کے حقوق پوری طرح ادا ہو جاتے ہیں جنہیں فطرت نے ہمارے دلوں کے قریب کر دیا ہے اور جو ہماری محبتوں کے مراکز ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ عادلانہ، منصفانہ اور متوازن نظام کا تصور بھی ذہنِ انسانی کے لئے ممکن نہیں"!

پھر اگر سرمایہ داری کی اجازت ہوتی تو اسلام میں زکوٰۃ کا نظام کیوں جاری ہوا تھا؟ اگر اسلام میں ذاتی املاک کا تصوّر نہ ہوتا یہ عظیم الشّان قانون وراثت چہ معنی دارد؟ اور اسی طرح اگر اسلامی سوسائٹی میں امراء اور غربا کے دو طبقے نہ ہوتے تو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیوں فرماتے " الفقر فخری "۔ اسلام کو سینے سے لگانے والے زیادہ غربا رہی ہوں گی۔ وہ اسی لئے کہ اللہ تعالیٰ جسے دولت کی فراوانی عطا کرتا ہے اس کا اس لحاظ سے بھی امتحان لیتا ہے کہ آیا اللہ کی دولت کا اُس نے جائز مصرف کیا ہے یا نہیں۔ اسی لئے وہ جزا و سزا کا حقدار ہے۔ جس طرح اسلام رہبانیت نفس کشی یا دنیا سے کنارہ کشی کر کے صرف اللہ کی عبادت کے لئے خود کو مخصوص کرنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ دنیا داری میں پھنس کر اُس کو اپنے فرائض و احکامات فراموش نہ کرنے کی تلقین کی گئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

" تمہارے مال اولاد تمہارے لئے آزمائش (فتنہ) ہے "۔ اُسی طرح اسلامی نظام میں دولت کے جائز مصرف یا ذخیرہ اندوزی کو آزمائش قرار دیا گیا۔ جس پر خود عوام کو عمل پیرا ہونا ہے حکومت کی بے جا مداخلت کی اجازت نہیں۔ پس اسلامی نظام کے تحت جس طرح ایک حکومت کا ڈھانچہ ضروری ہے اور اس کے تحت ایک نظام عدلیہ کا انتظام کارفرما ہوتا ہے اُسی طرح معاشی نظام بھی جاری و ساری ہوتا ہے۔ اس نظام میں ایک سرکاری بیت المال ہوتا ہے جس میں بوقت ضرورت اور ہر سال قوم کا ہر فرد جس کے پاس اتنی مال و دولت ہے جو اُس کی ضروریات زندگی سے زیادہ ہے تو وہ اس کی ایک مقررہ حصہ بیت المال میں ادا کرتا ہوگا۔ جو کہ غربا و مساکین کے لئے ایک قسم کا ٹیکس ہے ـــــــ حکومت سرمایہ داروں، صنعت کاروں اور زمینداروں کی آمدنی و اخراجات کا حساب لگا کر اگر وہ ایمانداری سے زکوٰۃ ادا نہ کریں تو حکومت اُن سے جبراً زکوٰۃ وصول کر سکتی ہے۔ معاشرہ میں قوم کے غربا و مساکین طبقہ کی حالت بہتر بنانے کی

ذمہ داری حکومت کے سر ہوتی ہے اس کے علاوہ معذور، بے کس و بے سہارا، یتیم
بے بس و بیواؤں کے لئے وظائف ادا ہوتے ہیں۔ اس طرح جب مخیر حضرات ایک
طرف اپنے طور پر اور دوسری حکومت قوم کے حاجت مندوں کی مدد کرے گی۔ تو
تھوڑے ہی عرصہ میں اسلامی ریاست کا ہر فرد اس قابل ہو سکے گا کہ حقداروں کو ا
کا حق پہنچاتا رہے تاکہ وہ معاشرہ پہ بوجھ نہ بن سکے۔

اسلامی ریاست کے قیام کے بعد موجودہ ضروریات و حالات کے تقاضوں کے
تحت بنک اور انشورنس کمپنی کا وجود بھی ضروری ہوگا۔ اس کے علاوہ غیر ممالک
ورلڈ بنک سے شرح سود پر قرض لینے کے مسائل بھی پیش آئیں گے۔ چونکہ اسلام میں
سود بالکل حرام قرار دیا گیا ہے لہٰذا اسلام کے اقتصادی نظام میں جہاں سرمایہ دار
کی ضرورت ہے وہاں قرآن ان پر پابندی بھی عائد کرتا ہے کہ اگر وہ حاجت مند
کو قرض دیں۔ تو وہ ان کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اصل رقم سے زائد رقم وصول نہ کر
بلکہ اگر مقروض کو رقم تک معاف کر دی جائے تو قرض دہندہ کا اجر اللہ کے پا
ہے۔ آج بینکنگ و انشورنس کے موجودہ سسٹم میں مسلمان جو اپنا سرمایہ لگائیں گے۔
و بنک سے شرح سود قرض لینا اسی طرح حرام ہے جس طرح ایک یہودی روپے د
کر سود وصول کرتا تھا۔ گو بنک کی صورت اس طرح کے قرض کی لین دین سے مختلف
ہے کیونکہ بنک تو لوگوں کی جمع شدہ رقموں سے تجارت کرتا اور نفع کماتا ہے۔
اسی منافع میں سے پھر وہ سرمایہ کاروں کو منافع ادا کرتا ہے۔ لیکن اس کی موجودہ
یوں کہ حساب داروں کے لئے اُن کو ایک مقررہ شرح پر سالانہ منافع یا سود ادا کرنا
اُس کی اسلامی نظام میں اجازت نہ ہوگی۔ موجودہ بنکنگ سسٹم میں تھوڑی سی تبدیلی

Marfat.com

لانا ہو گی۔ کیونکہ اِن کو بند کر دینے سے مُلکی معیشت اور کاروبار پر سخت دھکا لگے گا۔ اس لئے تمام بنک اسلامی ریاست میں کچھ بنیادی تبدیلیوں کے ساتھ اسی طرح کام کرتے رہیں گے ـــــ سود کی بجائے منافع کی شکل قائم کی جائے گی۔ جتنا روپیہ قوم بنک میں رکھے گی۔ اس کو بنک ایمانداری اور نیک نیتی کے ساتھ منافع والی تجارت میں لگائے گا۔ اس طرح جو پچاسوں جگہ سرمایہ کاری ہو گی۔ کسی ایک دو جگہ نقصان کا احتمال ہو سکتا ہے ورنہ عموماً نفع ہی حاصل ہوتا ہے۔ اس نفع کا مستقل حساب رکھا جائے گا اور یہ منافع تمام کا تمام خواہ سابقہ مقررہ شرحوں سے کم ہو یا زیادہ پورا کا پورا حسابداروں میں اُن کے سرمائے کی مناسبت سے خرچ وغیرہ ادا کر کے ادا کیا جائے گا۔ اور اس طرح یہ منافع حلال ہو گا۔ اور اس اصول کے تحت کام کرنے والے بنک اسلامی معیشت کا لازمی جزو ہوں گے ـــــ غیر ممالک یا بین الاقوامی فنڈ سے اسلامی حکومت قرض صرف اسی وقت لے گی جب کوئی اُسے قومی اضطراری ضرورت درپیش ہو گی۔ جس سے قوم کو مستقل فائدہ پہنچے۔ ایسی صورت میں اگر کبھی بین الاقوامی قرض ادا کرنے کی صورت میں اصل رقم سے زائد رقم ادا کرنا پڑے تو قومی معیشت و ملت کی بہتری کے لئے یہ قرض لیا جا سکتا ہے۔

انشورنس موجودہ دور کی اہم ضرورت اس لئے اسلامی نظام میں انشورنس کو مطلق نظر انداز نہیں کیا جا سکتا گو اسلامی نظام معیشت میں چند بنیادی تبدیلیاں کر کے ہی اس کی اجازت دی جا سکتی ہے چونکہ آج اگر ایک شخص کچھ پس انداز کر لیتا ہے تاکہ اس کے مرنے کے بعد اُس کے بیوی بچے اس سے استفادہ کر سکیں اور معاشرہ یا حکومت پر بوجھ نہ بنیں اور اسلامی ریاست بھی اتنی بڑی آبادی

Marfat.com

میں کہاں تک ایک شخص کی دیکھ بھال کر سکتی ہے۔ اس لئے انشورنس سسٹم اسلامی معاشرہ میں بہت مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن انشورنش کی موجودہ شکل جوئے کی سی ہے اور اسلام میں جُوا وسٹہ وغیرہ کی مطلق اجازت نہیں۔ اس لئے اسلام اس پر پابندی عائد کرتا ہے اسلامی نظام میں انشورنش کی یہ شکل ہو گی کہ لوگ کسی ادارہ کو اپنی ضروریات سے بچا کر رقم ادا کرتے رہیں گے اور اس سرمایہ کاری سے یہ ادارہ تجارت کرے گا اور منافع کماتا رہے گا۔ کسی ممبر کی موت ہو جانے کی صورت میں ادارہ اس کی اولاد کی تعلیم و تربیت کے لئے اُن کی ضروریات قطع نظر اس کے کہ مرحوم نے کتنی رقم جمع کی اُن کی ضرورت برابر پوری کرتا رہے گا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں گے۔

پس بنک اور انشورنس سسٹم میں Pooling of the resources اسلامی نظامِ معیشت کا اہم جزو قرار پائے گا۔

اسلامی نظامِ معیشت میں کسی شخص کی مجبوری سے سرمایہ دار کو ناجائز فائدہ اٹھانے کی اجازت نہ ہو گی۔ سرمایہ دار صنعتیں کھول کر اور زمیندار اپنی زمینیں مزارعین کو دے کر اور کارخانہ دار وغیرہ افرادِ معاشرہ کو کام مہیا کریں گے۔ جس کے لئے انہیں معقول معاوضہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو ہر قسم کی سہولت بھی مہیا کی جائے گی۔ اور اگر دورانِ ملازمت ملازم کو نقصان پہنچتا ہے تو اُس کا معاوضہ ادا ہو گا۔ کاروباری سلسلہ میں ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے کوئی مکان یا دوکان وغیرہ منتقل کرنے کے سلسلہ میں ناجائز رقم کی لین دین پگڑی جیسی لعنت کی اجازت نہ ہو گی۔ البتہ کاروبار میں فروختگی کے سلسلہ میں اس کی مقبولیت کا معاوضہ یعنی good will

کی علیحدہ فروخت کی صراحت ہو سکتی ہے۔ لیکن دلالی اور ناجائز کمیشن وغیرہ کی اجازت نہ ہوگی۔ کاروبار میں آزادانہ مقابلہ کی اجازت ہوگی۔ کسی گروہ یا طبقہ کی کسی خاص چیز پر اجارہ داری کی اسلامی نظام اجازت نہیں دیتا۔ حتیٰ کہ ریل بسوں صنعت یا راشن ڈپو وغیرہ پر بھی حکومت اپنی اجارہ داری قائم نہیں رکھ سکتی۔ حکومت کسی پیداوار کی خود ایک قیمت مقرر کر کے جبراً خرید کر غیر ممالک کو برآمد نہیں کر سکتی۔ اس طرح تجارت صنعت و حرفت وغیرہ میں افراد کو ہر قسم کی کاروباری آزادی ہوگی۔ گو حکومت اُن کے منافع یا خرید و فروخت پر جائز ٹیکس عائد کر سکتی ہے۔

اسلامی ممالک کی دولتِ مشترکہ

(کنفڈریشن Confederation)

کنفڈریشن مختلف با اختیار و با اقتدار ریاستوں کی ایسی یونین کو کہتے ہیں۔ جو کسی ایک ہی نظریہ یا حصولِ مقاصد کے لئے معرضِ وجود میں آتی ہے۔ سب سے اہم خصوصیت اس کی یہ ہے کہ اس یونین کی ممبر ریاستوں کے اقتدارِ اعلیٰ (Sovereignty) پر حرف نہیں آتا اور وہ اپنے اپنے علاقوں میں مکمل خود مختار حیثیت برقرار رکھتی ہیں۔ نیز یونین سے علیحدہ ہو جانے کا اختیار بھی ہوتا ہے۔ یہی وہ اختیار اور اقتدارِ اعلیٰ کا وجود ایک کنفڈریشن کو ایک فیڈریشن سے ممیز کرتا ہے۔ یہاں کنفڈریشن سے ہماری مراد ممبر ممالک کی ایک ایسی دولت مشترکہ ہے جو صرف ایک ہی آئیڈیالوجی کے پیروکار اپنے چند مشترکہ مقاصد و نظریات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے وجود میں لائیں ـــــ گو اس وقت دنیا میں ایسی کنفڈریشن کی کوئی مثال موجود نہیں ہے البتہ سابقہ ادوار

Marfat.com

میں سوئیٹزرلینڈ کی (Cantones) اور امریکہ کی State نے مل کر پہلے اسی قسم کی کنفیڈریشن کی بنیاد ڈالی تھی۔ جس میں ہر صوبے یونٹ یا اسٹیٹ کو مکمل خود مختاری حاصل ہوتے ہوئے اِس یونین کا ممبر بنایا گیا لیکن بعد ازاں ایک کلی مختار ریاست میں اُن یونین ممبروں کو نیم مختار حیثیت دے کر اس تنظیم کو ایک فیڈریشن کی شکل دے دی گئی۔ اس طرح ان یونٹوں (Component parts) کی اپنی جداگانہ حیثیت ختم کر کے صرف ایک ہی خود مختار ریاست کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی ——— اسی طرح فیڈریشن بنانے کے لئے بعض علاقوں کے لوگ مذہبی اعتبار سے متحد ہو جاتے تقسیم ہند کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک ہی زبان بولنے والے لوگ جن کا رہن سہن اور کلچر ایک سا ہو متحد ہو کر فیڈریشن بنا لیتے ہیں۔ تیسری شکل اس کی یہ ہے کہ وہ ایک ہی رنگ و نسل لوگوں کو اپنی علیحدہ فیڈریشن بنانے پر مجبور کر دے سابقہ ادوار میں یہی وہ تین شکلیں تھیں جن کی بنا پر ایک فیڈریشن کی بنیاد پڑی تھی۔ لیکن انیسویں اور بیسویں صدی میں ایسی فیڈریشن بھی معرض وجود میں آئی جن کے بنانے میں رنگ و نسل زبان اور مذہبی عقائد کا سہارا نہ لیا گیا۔ جیسے آسٹریلیا، سوئیٹزرلینڈ، کینیڈا اور انڈیا وغیرہ وہ ممالک ہیں۔ جہاں ایک سے زیادہ سرکاری زبانیں بولی جاتی ہیں اور مختلف رنگ و نسل و مختلف مذہبی عقیدہ رکھنے والے اُس کے شہری ہوتے ہیں ایسا اوقات ایک فیڈریشن کی ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جو جغرافیائی اعتبار سے ایک علیحدہ طبعی خطّہ کی شکل میں موجود ہونے کے سبب وہ قدرتی طور پر ایک فیڈریشن کی شکل میں تبدیل ہو گئی ہوں جیسے لنکا، آسٹریلیا اور برصغیر پاک و ہند، لیکن موجودہ دور میں ایسی خود مختیار ریاستیں بھی پائی جاتی ہیں۔ جو رنگ و نسل، زبان، مذہب، کلچر اور

Marfat.com

جغرافیائی حالات کے مندرجہ بالا خصوصیات کا سہارا لئے بغیر معرض وجود میں آئی ہیں یا آسکتی ہیں آخر وہ کیا چیز ہے جو نسل، زبان اور مذہب کی ہم آہنگی کے بغیر قوموں کو متحدہ کرکے ایک فیڈریشن بنانے پر اُکساتی ہے یہ ہے اُن قوموں کا ایک سیاسی اور تاریخی پس منظر یعنی سابقہ دور میں وہ ایک ہی قسم کی تاریخی و سیاسی کشمکش کا شکار رہے ہیں یا کسی ایک آئیڈیالوجی پر متفق ہوکر اپنے دیگر تنگ نظری پر مبنی تعصبات کو بالائے طاق رکھ کر جدوجہد میں برسرپیکار رہے ہوں اور آخر حالات کے دھارے نے ان کو ایک ہی قوم بننے پر مجبور کردیا ہو۔ پس سابقہ سیاسی و تاریخی مہم جو مختلف ذہنوں میں یکسوئی اور ہم آہنگی پیدا کرتی ہے یا جو قومیں ایک ہی آئیڈیالوجی پر عمل پیرا ہوتی ہیں اُن کا آگے چل کر متحد ہوجانا ایک فطرتی فعل ہوتا ہے۔ اور اس بنیاد پر جو فیڈریشن بھی بنے گی یا کوئی نظام استوار ہوگا وہ دیگر تمام نظاموں سے افضل اور پائیدار ہوگا۔ موجودہ دور تک تمام نظریات یا ازم وغیرہ کی ناکامی کا اصل سبب یہی ہے کہ اُن نظاموں میں مختلف اقوام متحد تو کردی گئیں لیکن چونکہ ان کے سامنے کوئی آئیڈیالوجی یا مطمع نظر نہ ہونے کے سبب انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اور صرف رنگ نسل، زبان یا مذہبی عقائد کی بنا پر کوئی پائیدار سلطنتیں قائم کرنے میں ناکام رہیں۔ لیکن کسی ایک آئیڈیالوجی پر استوار نظام نے اسی نظریہ پر متفق قوموں کو ایک سیسہ پلائی دیوار بنا کر پیش کیا۔ جس کے مقابلہ میں دیگر سلطنتیں ناکامی کا شکار ہوتی رہیں۔ اس ایک ہی آئیڈیالوجی پر استوار سب سے نمایاں مثال خود جنگ عظیم سے قبل تک خلافت اسلامیہ تھی۔ چونکہ اسلام محض چند رسومات نہیں بلکہ ایک آئیڈیالوجی ہے جو ایک ریاست میں مذہبی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی تمام نظریات میں یکسوئی پیدا کرکے ایک مکمل

ضابطہ حیات کے تحت ایک منظم اور پائیدار سلطنت کی بنیاد ڈالتا ہے۔ جب تک مسلمان قوم اِس آئیڈیالوجی کو اپنائے رہی۔ دنیا میں اُن کا خوف و دبدبہ طاری رہا لیکن جونہی اپنے نظریات و افکار سے ہٹ گئی۔ تمام قوم کی شیرازہ بندی بکھر گئی۔ یہ اس آئیڈیالوجی کی شکست نہیں تھی بلکہ ملت اسلامیہ کی ذہنی اپج اور اپنے جدت پسند فکر کی شکست تھی جس کی وجہ سے پے در پے ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور آخر کار اُسی آئیڈیالوجی کو اپنانے کی سعی اِس دور میں شروع کرنا پڑی۔ اور یہی وہ تڑپ ہے جس کی بنا پر مسلم اکثریت کے علاقے یا تو آزادی حاصل کر کے اپنی علیحدہ مملکت قائم کر چکے ہیں اور یا اُسے حاصل کرنے کے لئے تن من دھن کی بازی لگا رکھی ہے ——— اور دوسری آئیڈیالوجی جس پر مختلف قومیں متحد ہو کر ایک ایسی قوت بن چکی ہیں جس نے تمام دنیا کا چین اور سکون تلپٹ کر رکھا ہے۔ وہ اشتراکی آئیڈیالوجی ہے۔

اس دور میں جبکہ دنیا دو گروہوں میں بٹی ہوئی ہے اور ایک دوسرے کی جنگی دھمکیوں مہلک ایٹمی ہتھیاروں کی ایجاد اور راکٹ و میزائیل کی دوڑ نے دنیا کو ہولناک تباہی کے غار پر لا کھڑا کیا ہے کہ کسی وقت بھی ذرا سی چنگاری شعلہ بن کر تمام دنیا کی تہذیب ترقی اور تمدن کو حرفِ غلط کی طرح مٹا کر رکھ دے گی۔ اس وقت کوئی بھی ایسی طاقت دُنیا میں موجود نہیں جسے ایسی حیثیت حاصل ہو کہ وہ دونوں بلاکوں کو سرد جنگ سے آگے بڑھنے نہ دے اس مقصد کے حصول کے لئے دنیا میں ایک ایسے تیسرے بلاک کی ضرورت ہے جو ان کے درمیان ثالث کی حیثیت اختیار کر کے ان دونوں مختلف گروہوں کی کشمکش اور نظریات کے ٹکراؤ کو روکے رکھے۔ گو موجودہ دور میں اس تیسرے بلاک کی بنیاد کو پختہ کرنے کیلئے متعدد ادارے کوشاں رہے ہیں۔ لیکن انہیں بری طرح ناکامی کا سامنا کرنا

پڑا ہے اُن میں اوّل تو ادارۂ اقوامِ متحدہ ہے جو کہ اپنی بنیادی خامیوں اور ممبر ممالک کے آپس میں خلشفار کی وجہ سے League of Nations کے حشر کو پہنچنے والا ہے۔ —— دوسرے نمبر پر برطانوی دولت مشترکہ "Common wealth" ہے چونکہ ان کے سامنے کوئی ایک آئیڈیالوجی نہیں اس لئے ان کے لئے اصل مقصد حاصل کرنا ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ ایک غیر جانبدار ادارہ ہونے کی بجائے مغربی طاقت کا آلہ کار اور اُس کے حاشیہ بردار ممالک کے ہاتھوں کھلونا بن چکا ہے۔ اس لئے جبکہ خود اس کا پلہ ایک طرف جھکا ہے تو یہ مشرق و مغرب کی ترازو کو سیدھا رکھنے میں کوئی پارٹ کیسے ادا کر سکتا ہے؟ —— یہ مقام کسی حد تک غیر جانبدار (Neutral) ممالک حاصل کر سکتے تھے لیکن یہ ممالک بھی صحیح معنوں میں غیر جانبدار نہیں اور نہ نام غیر جانبدار ممالک کسی مسئلہ پر بھی ہم آہنگ و ہم خیال ہیں۔ اس پر ستم یہ بھی کہ نہ تو کوئی اس کی تنظیم ہے اور نہ ہی تاریخی و جغرافیائی اعتبار سے وہ ایک طاقت بلاک بن سکنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

مشرق اور مغرب کی نظریاتی کشمکش کے مقابلہ میں صرف ایک ہی آئیڈیالوجی پیش کی جا سکتی ہے جو ضرورتوں کے عین تقاضے کے مطابق اُس خلیج کو پر کر سکتی ہے جس کی عرصہ سے ضرورت ہے۔ یہ آئیڈیالوجی ہمیں صرف اسلام سے مل سکتی ہے چونکہ اسلامی ریاستیں اپنے ایک نظریاتی لگاؤ کے سبب اسلامی آئیڈیالوجی کو پیش نظر رکھ کر ایک ایسا بلاک بنا سکتی ہیں اور ان اسلامی ممالک کی ایک ہی لڑی جو کہ دنیا کے قلب میں واقع ہے ایک ایسی شیشہ پلائی دیوار بن سکتی ہے جو ایک طرف روس اور امریکہ کو ان کی حدود میں رکھ کر دنیا میں پائیدار امن قائم کرنے میں مدد دے سکتی ہے ورنہ دونوں طاقتوں کے بھڑ جانے کے بعد

Marfat.com

یہ بلاک غیر جانبدار رہ کر اُن کے زوال کے بعد عالمی طاقت بن سکتا ہے ——— تاریخ کے طالب علم جانتے ہیں کہ مسلم ممالک کو یکجا کرنے اور ان کی ایک کنفیڈریشن یا خلافت بنانے کی کوششیں متعدد بار ہو چکی ہیں لیکن اُس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ اور وہ اس مقصد کے حصول کے لئے مناسب وقت بھی نہ تھا۔ موجودہ دور میں جبکہ بیشتر مسلم ممالک آزاد ہو چکے ہیں اور اپنی خود مختاری کو برقرار رکھتے ہوئے وہ متحد ہو کر زیادہ طاقتور بلاک بنا سکتے ہیں۔ ان کے اس اتحاد سے دنیا کے دیگر خطوں میں بھی جہاں مسلمان آباد ہیں اور جنگِ آزادی لڑ رہے ہیں۔ ان کو نہ صرف نظریاتی طور پر مدد پہنچے گی بلکہ اسلامی بلاک سامراجی طاقتوں سے مسلمان قوم کو آزاد کرانے میں بہت بڑا پارٹ ادا کر سکتا ہے۔ اس طرح اُن کی آزادی کے بعد اسلامی دولتِ مشترکہ میں اُن کی شمولیت بھی اسلامی بلاک کو مزید مضبوط کر کے ایک عالمی طاقت بنانے میں مدد دے سکتی ہے۔ جس طرح انگریزوں نے امریکہ کے براعظم اور دیگر علاقوں پر قبضہ کر کے مذہبی مشنری کو حرکت میں لا کر اور اپنی سیاسی اور انتظامی صلاحیتیں بروئے لا کر بڑی طاقت بن گئے تھے اسی طرح آج مسلمانوں کے لئے بھی بالخصوص افر کا براعظم ایک ایسا میدان ہے جہاں مسلمان تبلیغ اسلام کے بعد اس خطہ پر قبضہ کر یہاں کے تمام قیمتی مسائل سے پورا فائدہ اٹھا کر دنیا میں سب سے بڑی طاقت سکتے ہیں لیکن اس کے لئے تمام مسلمانوں کی مشترکہ جدوجہد کی ضرورت ہو گی۔ ہمیں آج جمال الدین افغانی اور اقبال جیسے مبلغین اور مجاہدین کی ضرورت در پیش ہے ——— افسوس کا مقام ہے کہ چند اسلامی ممالک کے سربراہ اسلامی حکومت کو صرف اپنی جاگیر سمجھ کر اپنی تنگ نظری و خود غرضی کی وجہ سے اسلام کی سربلندی

Marfat.com

ہیں۔ لیکن عرصہ تک یہ صورت برقرار نہیں رہ سکتی کیونکہ یہ انقلاب کا دور (Era
of Revolution) ہے۔ حالات کا دھارا جس رُخ بہ رہا ہے اُس میں
کا انجام کو پہنچنا ناگزیر ہے۔ اور تمام مسلم ممالک کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ اس
یں بالخصوص کمیونزم کے سیلاب سے بچنے کے لئے خود کو متحد کر کے ایک
یل تسخیر طاقت بن جائیں۔ گو عرب ممالک پہلے ہی عرب لیگ کے تحت متحد ہیں
ہمیں قومیت، نسل یا عربی عجمی کا سوال اٹھائے بغیر مراکش سے انڈونیشیا تک
ع اسلامی ممالک کی کڑیوں کو ایک زنجیر میں پرو دینا ہے ایک سرے سے دوسرے
ے تک خطّہ زمین کے عین سینے پر اسلامی ممالک کا سلسلہ ایک کہکشاں کی پٹی کی مانند
جس میں مراکش، الجیریا، لیبیا، متحدہ عرب جمہوریہ شام، سوڈان، سعودی عرب، اردن،
ق، کویت، ٹرکی، ایران، پاکستان اور افغانستان جیسی سلطنتوں کو جغرافیائی
نار سے ملا رکھا ہے اور یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا بلکہ دنیا میں دوسری طرف
لامی ممالک کی ایک اور لڑی شروع ہوتی ہے جن میں مشرقی پاکستان، انڈونیشیا
یا وغیرہ شامل ہیں۔ یہ پُرشکوہ سلطنتیں قدرتی معدنی وزراعتی وسائل سے لبریز و
خیز زمین کے مالک ہیں اور ان ممالک میں آباد قوم روحانی اعتبار سے ایک ہی ملت
جو دنیا کی سب سے بہادر و جنگجو قوم ہے جو آپس میں دوست اور ایک دوسرے کے
اور تعصب و تنگ نظری سے بالا ہیں لیکن دشمن کے مقابلہ میں فولاد ہیں۔ پس
رت کی اتنی نعمتوں کے ہوتے ہوئے موجودہ دور میں مسلمانوں کی پاسبانی کے لئے
یک ہی حرم کا وجود میں لانا نہایت ضروری ہے کیونکہ تمام اسلامی ممالک بآسانی
سلامی آئیڈیالوجی پر استوار ایک اسلامک کنفیڈریشن یعنی اسلامی دولت مشترکہ

بنا سکتے ہیں۔ ان اسلامی ممالک میں سعودی عرب کے شاہ سعود متحدہ عرب جمہو
کے جمال عبدالناصر، نائیجیریا کے سر ابوبکر اور پاکستان کے صدر ایوب ایسی شخصیتیں
ہیں جو اسلامی بلاک بنانے کے سلسلہ میں بہت بڑا ابتدائی کام سرانجام دے سکتی
ہیں۔ شاہ سعود اور شاہ اردن نے دنیا کے تمام اسلامی ممالک کے سربراہوں کو
اسلامی دولتِ مشترکہ بنانے کے لئے مدعو کرنے کا جو قدم اٹھایا ہے وہ قابل قدر
ہے اور جو ایک دیرینہ خواہش کی تکمیل کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔

اسلامک کنفیڈریشن کا ڈھانچہ

اس کنفیڈریشن کا اولین مقصد دنیا کے تمام مسلمانوں کو متحد کر کے ایک لڑی
بنا دینا ہے تاکہ قومیت رنگ یا نسلی امتیاز وغیرہ کی کوئی رکاوٹ اس کی برادری
میں حائل نہ ہو اور تمام دنیا کے مسلمان صرف ایک ہی" امت مسلمہ" (ملت) کہلا
سکے ——— دوئم یہ کہ ملت اسلامیہ اپنی یکجہتی، اتحاد اور ایک دوسرے
کی مدد و اعانت سے اپنے اپنے خطوں (یونٹوں) کے وسائل کو یکجا کر کے تمام
ملت اسلامیہ کی بہتری اور فلاح کے لئے اُن کا صحیح مصرف کرے بلکہ ایک خطے
کے مسلمان دوسرے خطے کے مسلمانوں کے خفتہ مسائل کی تلاش میں یا اقتصادی
امداد میں یا جہالت دور کرنے میں یا غربت و افلاس اور بیماری دور کرنے میں
معاون ہوں تاکہ ان کو کسی غیر ملکی ملک سے کسی قسم کی امداد نہ لینی پڑے اور
اسی طرح اپنی عنا کو ٹھیس نہ پہنچنے دے۔ یہی جذبہ یکجہتی، ہم آہنگی اور
اخوت مسلمانوں میں جو جذبۂ جہاد پیدا کرتی ہے وہی ان کو دنیا میں زندہ ر

ج بنا کر دنیا کو امن کی ضمانت دے سکتی ہے اور اپنی سالمیت برقرار رکھ سکتی ہے
لامی بلاک میں مسلمانوں کی یہ فوج ایک مشترکہ کمان کی صورت میں ہونی چاہیئے جس میں
ر اسلامی ملک کے مجاہدین شامل ہوں اور تمام متحدہ ہو کر ہی اس مسلم ممالک کے پھیلے
ئے طویل علاقے کی حفاظت کریں۔ بالخصوص اس کے دونوں سروں پر زبردست
ی طاقت رکھنا ہو گی یعنی اسلامی دولت مشترکہ کے ایک طرف ٹرکی اور دوسری
ت افغانستان و پاکستان دفاعی دیوار بنیں اور تمام اسلامی ممالک ان کی مدد
ے لئے ہر وقت تیار رہیں۔ جدید ترین راڈر وائرلیس ٹیلی کمیونی کیشن (ذرائع
اصلات) اور راکٹ اور میزائیل کے اڈوں (Base) وغیرہ جو جدید ترین
ھیار سے لیس ہوں تمام خطوں کو ایک دوسرے سے ملا دیا جائے ـــــ تیسرے
ر اسلامی دولت مشترکہ تمام مسلمانوں میں ایک ہی زبان کی ترویج کرے یہ زبان
صورت عربی ہونی چاہیئے۔ ویسے بھی دنیا کے تمام مسلمان چونکہ اسے پڑھ سکتے ہیں اس
ا اس کو سمجھ کر پڑھنے بولنے اور سکھانے کے لئے انگریزی یا فرانسیسی زبان جیسی مصیبت
لمانوں کو درپیش نہ ہو گی اور بہت قلیل عرصہ میں عربی دنیا کی دوسری سب سے
ی زبان بن سکتی ہے۔ چونکہ یہ تمام مسلمانوں کی مادری زبان بن چکی ہو گی اور اس
ن سے بالخصوص وہ تمام خوبیاں اور صلاحیتیں موجود ہیں۔ جن سے اسے ایک عالمگیر
ن آسانی سے بنایا جا سکتا ہے ـــــ چوتھے یہ کہ ہر علاقے کے مسلمانوں کو
ی معاشرتی اور سیاسی زندگی میں مکمل آزادی اور خود مختاری حاصل ہو ۔ اور
لت مشترکہ ان کی اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرے ـــــ ہر اسلامی
ا اپنے طور پر پوری آزادی کے ساتھ تعلیمی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی

زندگی میں ترقی کے منازل طے کرتا رہے اور اپنے سے کمتر (Backward) ممالک کے مسلمانوں کو جس میدان میں بھی ضرورت درپیش ہو۔ خاطر خواہ مدد و اعانت کرتا رہے ——— پانچویں یہ کہ اسلامک کنفیڈریشن ایک ہی نظریہ اور آئیڈیالوجی کی مددگار رہو۔ اُس کے زیرِ اثر چند کام ہوں گے جو ایک مشترکہ پالیسی کے تحت سرانجام پائیں گے جس کا مقصد تمام علاقوں کے مسلمانوں کو فائدہ پہنچانا ہوگا۔ اور تمام علاقوں کے اقتدارِ اعلیٰ کی حفاظت کی یہ کنفیڈریشن ضمانت دے گی۔

کنفیڈریشن کا دائرہ عمل اور اختیارات

سیاسی اِس دولتِ مشترکہ کو کوئی خود مختار حیثیت (Sovereign status) حاصل نہ ہوگی اور نہ کوئی ایسا قدم اٹھایا جائے گا جس سے کسی اسلامی ممالک کی سالمیت وخود مختاری پر اثر پڑے۔ یہ ایک آزاد تنظیم ہوگی جو کہ تمام اسلامی ممالک کی ایک ہی آئیڈیالوجی کی آئینہ دار ہوگی اور مشترکہ پالیسی پر عمل پیرا۔ اس کنفیڈریشن کا صدر یا خلیفہ تمام اسلامی ممالک کی قانون ساز اسمبلیوں کے سے کسی بھی ملک کا فرد منتخب ہوسکتا ہے۔ اس کی مدت مقررہ یا مستقل دونوں صورتوں میں ہوسکتی ہے اُس کو مشورہ دینے اور مشترکہ پالیسیوں کے اجراء کے ہر ملک سے ایک ایک ممبر منتخب ہوکر ایک کونسل کا وجود عمل میں لایا جائے۔ دوم یہ کہ اس کنفیڈریشن کی ایک مستقل سیکرٹریٹ ہوگی جس کے لئے ہر ملک پالیسیاں بنانے کے لئے اپنے سیکرٹری نامزد کرے تاکہ متحدہ طور پر متفقہ سے ایک پالیسی اختیار کرنے کے لئے کونسل کے سامنے سفارش پیش کی

اسلامی ممالک کا چونکہ روحانی مرکز مکّہ ہے۔ اس لئے سکریٹریٹ کا ہیڈ کوارٹر مکّہ میں رکھا جائے۔ جہاں ہر سال اسلامی ممالک کے سربراہوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوا کرے گی۔ جو دنیاوی مسائل پر غور و فکر کر کے مسائل حاضرہ پر اپنی رائے و مشورہ کنفیڈریشن کونسل کو روانہ کرے گی۔ یا کسی مدد کے سلسلہ میں اسلامی ممالک کے سربراہ اس سلسلہ میں کسی قسم کی درخواست رائے یا مشورہ اسی سیکریٹریٹ کے حوالہ کیا جائے گا۔ تاکہ اُسے کنفیڈریشن کونسل کے نوٹس میں لایا جائے اور اس پر فوری عمل درآمد ہو سکے۔

تمام اسلامی ممالک کے سفراء ایک دوسرے ممالک میں موجود ہوں گے ہر ملک میں ان کی بھی کانفرنس وقتاً فوقتاً منعقد ہوا کرے گی تاکہ کسی سیاسی مسئلے ایمرجنسی یا عالمی صورتِ حال کی بابت قرار داد پاس کر کے اپنے نقطۂ نظر سے اُس صورت حال کی بابت سیکریٹریٹ کو آگاہ رکھے اور اس طرح ہر ملک سے اس قسم کی قرار داد رائے اور مشورے جو سیکریٹریٹ کو موصول ہوگا اُس سے سیکریٹریٹ کو ایک مشترکہ پالیسی بنانے میں ذرا دقت پیش نہ آئے گی۔ اور ہر وقت ایسی پالیسیوں کا اعلان کنفیڈریشن کا صدر کرتا رہے گا۔

۲۔ معاشی جس طرح اسلامی ملکوں کی سیاسی طور پر مشترکہ پالیسی ہوگی معاشی لحاظ سے بھی مسلمانوں کی غربت و افلاس دور کرنے کے لئے وسائل کا مشترکہ استعمال عمل میں لایا جائے گا۔ اسلامی کنفیڈریشن ایک معدنی وسائل کی کونسل بھی بنائے۔ جو تمام اسلامی ممالک میں تحقیق و ریسرچ سے خفیہ وسائل تلاش کرے۔ اور اُس سے ملک کی معیشت بہتر کرنے کی کوشش کرے۔ اور

Marfat.com

دوسرے ممالک کو قرض اور امداد کی صورت میں مدد دینے کی سفارش کرے ۔

تمام اسلامی ممالک کا ایک مشترکہ بنک بھی ہوگا جس میں ہر ملک اپنی زیادہ سے زیادہ دولت کا سرمایہ لگائے گا اس طرح یہ ادارہ اس قابل ہوگا کہ ہر ضرورت مند ملک کو اقتصادی امداد بطور قرض دے سکے۔ یہ واضح رہے کہ یہ قرض بغیر سود کے دیا جائے گا۔ اسلامی ممالک کو اپنی مصنوعات معدنی و زرعی پیداوار وغیرہ کی غیر ممالک سے تجارت کرنے کی پوری آزادی ہوگی۔ اور زرمبادلہ کمانے کے لئے اپنی منڈیاں تلاش کرنے کی پوری اجازت ہوگی۔ عرب ممالک میں بالخصوص تیل اور گیس کی پیداوار ایک خاص اہمیت رکھتی ہے جس سے دنیا کے بیشتر ممالک کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔ یہ کونسل اس چیز پر نگاہ بھی رکھے گی اور ایسی پالیسی پر عمل پیرا ہوگی کہ اُس سے تیل پیدا کرنے والے ممالک کے مفادات کو نقصان نہ پہنچے اور اُن کے مفادات کے ٹکراؤ سے کسی نقصان کے پہنچنے کا احتمال نہ ہو۔ اس کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک کے اقتصادی وسائل میں ٹین اور کرومائیٹ خاص اہمیت رکھتے ہیں اس کے علاوہ زرعی پیداوار میں گیہوں، چاول، روئی، کھجور، پھل، ربڑ، پٹ سن ناریل، والین، تیل اور تیل کے بیج، مچھلی، چائے وغیرہ مختلف اسلامی ممالک کی ایسی پیداوار ہیں جن سے نہ صرف اسلامی ممالک کی ضروریات پوری ہو سکتی ہیں۔ بلکہ اسے بیرونی منڈیوں میں بھی فروخت کر کے دیگر ضروریاتِ زندگی و مشینری جدید آلاتِ حرب و آلات سائنس وغیرہ درآمد کئے جا سکتے ہیں اس کے علاوہ ان خطوں میں قیمتی پتھر، لوہا، کوئلہ، جواہرات، یورینیم، سونا، چاندی مختلف دھاتیں، تیل اور قدرتی گیس وغیرہ کے اتنے ذخائر موجود

Marfat.com

ہیں کہ اگر اُن کی صحیح معنوں میں تلاش کی جائے تو زمین مسلمانوں کے قدموں میں بے انتہا دولت بکھیر سکتی ہے۔ جتنی جلدانِ خطوں کے خفتہ وسائل کو تلاش کر لیا جائے اتنی جلد مسلمان دنیا کا عالمی اقتصادی Balance حاصل کر سکتے ہیں۔ معدنی وسائل کی تحقیق غیر ممالک کے ماہرین سے کروانے کی بجائے خود مسلمانوں کو غیر ممالک میں ٹریننگ دلوا کر اُن سے تحقیق کا کام لیا جائے۔ تبھی صحیح معنوں میں زمین دولت اُگل سکتی ہے ورنہ غیر مسلم ماہرین سے یہ توقع رکھنا محض ایک خوش فہمی سے کم نہیں کیونکہ وہ ہمیں اقتصادی طور پر ترقی کرتے دیکھ کر خوش نہیں ہو سکتے کہ وہ معدنی دولت زمین سے نکال کر ہمارے قدموں میں ڈال دیں اور مغربی ممالک ہم سے وہی خریدنے کے لئے محتاج رہیں۔

۳۔ فوجی

تمام اسلامی ممالک کی فوج چونکہ ایک ہی کمان میں ہو گی اور اس طرح مسلمانوں کی تمام فوجی طاقت یکجا کر دینا مشرقی اور مغربی بلاکوں کے لئے ایک لمحۂ فکریہ پیدا کرے گا اور اس طرح دونوں بڑی طاقتیں قیامِ امن کے لئے سوچنے پر مجبور ہوں گی۔ ایسی صورت حال میں ان کے معاندانہ رویہ میں تبدیلی ہو گی اور گڑبڑ پھیلا کر دوسرے ممالک کو ہڑپ کر جانے کی ہوس اُن کے دل سے نکل جائے گی اور اس طرح ہر ملک کی آزادی کی وقعت خواہ وہ کتنا چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اُن کے دل میں پیدا ہو جائے گی۔ اور اُن کو ان کی حدود میں رکھے گی۔ اس طرح اسلامی بلاک دونوں بڑی طاقتوں کے اختلافات رفع کرنے کے لئے عالمی امن کی کوشش کرے گا۔ اور چھوٹے سے چھوٹے ملک کی آزادی کی بھی ضمانت دے گا۔ اور دنیا کے کسی بھی خطہ میں رہنے والے مسلمان سلراجی

Marfat.com

طاقتوں کے ہتھ کنڈوں کا نشانہ نہ بن سکیں گے اور آہستہ آہستہ مسلمان دُنیا میں آزاد فرد کی طرح حقوق حاصل کر کے اپنا کھویا ہُوا مقام پا سکیں گے مثلاً فلسطین، الجزائر، بحرین، کویت، قطر، کشمیر وغیرہ کے مسلمانوں کے حقوقِ آزادی سے اپنی منفی حربوں اور ہتھ کنڈوں سے نہ کھیل سکیں گے۔ اس طرح اسلامی کنفیڈریشن کے قیام سے چھوٹے سے چھوٹے اسلامی ملک کی بھی آزادی برقرار رہ سکے گی مغربی سامراجی طاقتیں تو کیا خود اسلامی ممالک اُن پر ناجائز قبضہ نہ کر سکیں گے۔ اُن کو سیاسی آزادی کے علاوہ دیگر مسلم ممالک کی طرح (Full status) نصیب ہو سکے گا۔

کنفیڈریشن سے پہلے

اسلامی کنفیڈریشن (مسلم دولتِ مشترکہ) مندرجہ بالا تین اہم مقاصد کے لئے معرضِ وجود میں آئے گی؟ باقی ہر لحاظ سے ممبر اسلامی ممالک اپنی پالیسی خود بنائیں گے لیکن سیاسی فوجی اور معاشی (اور کسی حد تک تعلیمی) میدان میں اسلامی کنفیڈریشن کے تمام ممبر ممالک مشترکہ عمل کریں گے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے پیہم جدوجہد اور کاوشیں بروئے کار لائی جائیں گی۔ سب سے پہلے اسلامی ممالک کے سربراہوں کو اسلامی کاز کو آگے بڑھانے کے لئے زندہ دلی اور فراخدلی کا ثبوت دینا ہوگا۔ اور قومی تعصب تنگ نظری سے ہٹ کر اسلام کی سربلندی کو قومیت پر ترجیح دینا ہوگی۔ اس کے لئے اسلامی ممالک کے بہت سے افراد کو اپنی بے لوث خدمات پیش کر کے عامہ ہموار کرنی ہوگی۔ دوسرے معاشرتی میدان میں اسلامی ممالک کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر کام کر کے اپنے نظریات میں ہم آہنگی پیدا کریں ہوگی۔ تاکہ وہ ایک دوسرے کے مسائل سمجھیں اور ایک دوسرے کے دُکھ

Marfat.com

میں شریک ہو سکیں ——— تیسرے یہ کہ عربوں کی طرح غیر عرب ممالک بھی اپنے ہاں عربی کو قومی زبان قرار دے کر عربی سرمایہ علوم سے پوری طرح استفادہ کریں۔ انگریزی فرانسیسی، لاطینی کتب کو عربی میں منتقل کریں ——— چوتھے یہ کہ اسلامی اصول اور اسلامی آئیڈیالوجی پر شد و مد سے عمل کرنے کا عزم کریں اور اپنی تبلیغی مشنری حرکت میں لا کر بالخصوص علمائے اسلام مسجدوں کے حجروں سے نکل کر افریقہ میں تبلیغ کا سلسلہ شروع کر کے اس براعظم کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اور جب تمام افریقہ پر اسلام کا جھنڈا لہرائے گا اور مسلمان افریقہ کے تمام مسائل کو استعمال میں لائیں گے۔ تو مسلمان اقتصادی اعتبار سے دنیا بھر کی سب سے بڑی قوت کا مقابلہ کرنے کی جرأت بھی کر سکتے ہیں۔ پانچویں یہ کہ ابھی سے اسلامی سربراہوں کی کانفرنس منعقد کی جائیں اور اسلامی دولت مشترکہ بنانے پر سنجیدگی سے غور و فکر کیا جائے۔

Marfat.com

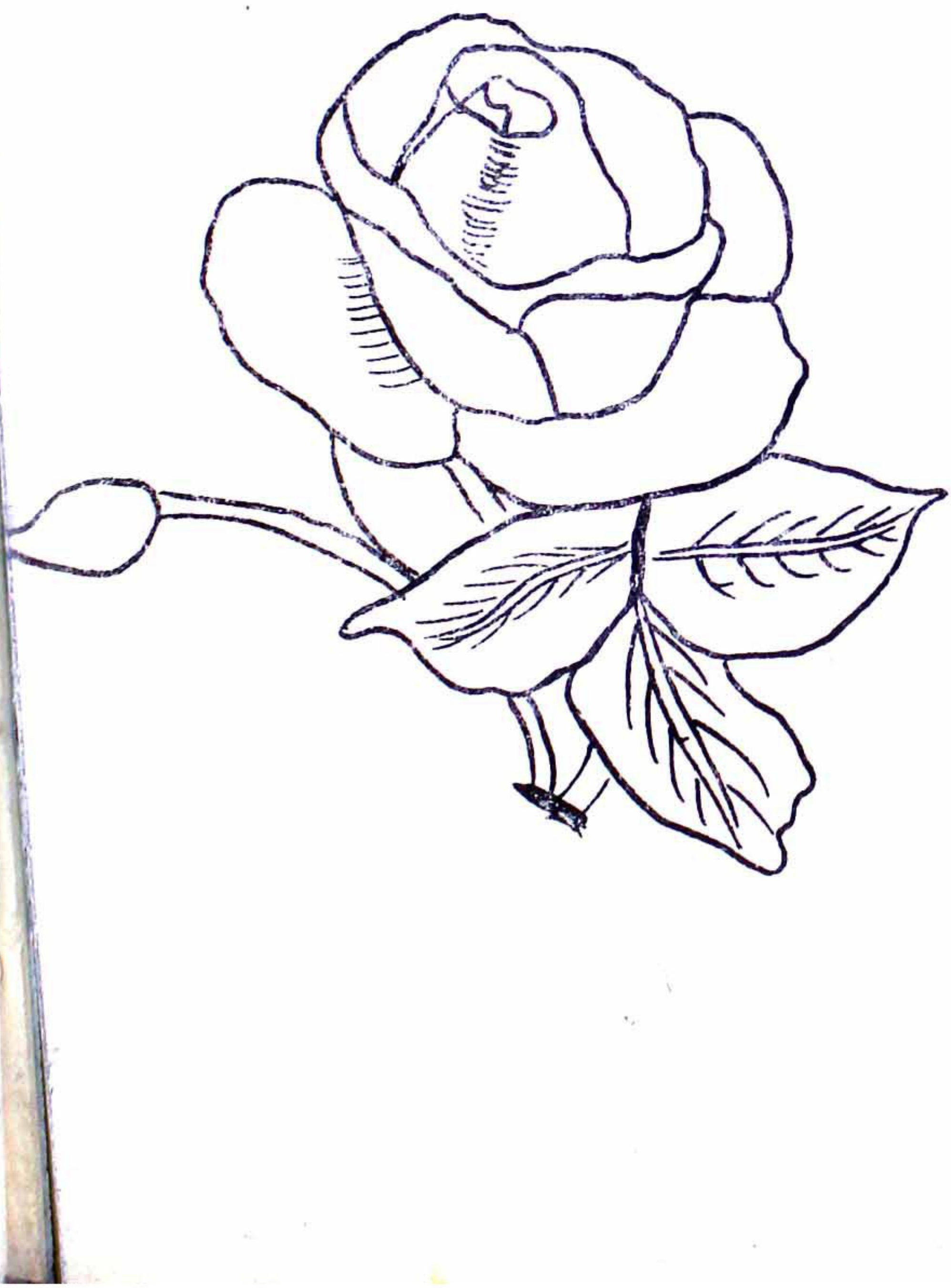

Marfat.com

مسئلۂ مہدی

پر استفسار

جناب مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم سابق وزیر تعلیم انڈیا

کا

ایک تاریخی غیر مطبوعہ خط

Marfat.com

مسئلہ مہدی کے اقرار و انکار کے سلسلہ میں بہت تضاد پایا جاتا ہے۔ راقم کے ایک عزیز دوست جناب محمد ادریس توقیر سبحانی بی۔ اے (سرگودھا) نے جناب مولانا ابوالکلام آزاد سے اس مسئلہ پر استفسار کرتے ہوئے جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی رائے کا بھی حوالہ دیا اس کے جواب میں مولانا آزاد مرحوم نے نہایت پیارے پیرائے میں مختصر جواب دیا لیکن اس سے یہ اخذ نہیں کرنا چاہیئے کہ آپ اس مسئلہ سے انکاری تھے کیونکہ اس مسئلہ پر تفصیلی جواب آپ پہلے ہی دے چکے تھے بالخصوص یہاں اس استفسار کے جواب میں ضمنی طور پر آپ نے جو پیارے الفاظ جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی نسبت ارشاد فرمائے ہیں وہ آپ کے صحیح جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ہمارے لئے یہ خاص اہمیت کا حامل اس لیے ہے کہ ایک بلند پایہ عالمی شہرت کے حامل مفکرِ اسلام کی بلند شخصیت اور اس کی دینی خدمات کا اعتراف مرحوم جیسے فراخدل اور تنگ نظری سے عاری شخصیت کے نوکِ قلم سے ہی ممکن تھا۔

کاش

ہمارے عصرِ حاضر کے علما بھی ایک دوسرے کو ہدفِ ملامت بنانے کی بجائے جسقدر بھی کوئی دینی خدمات سرانجام دے رہا ہے اسکا نیک نیتی سے اعتراف کریں اور مل کر اسلام کا پرچم بلند کریں۔

مؤلف

Marfat.com

(متن مرسلہ)

کنگ ایڈورڈ روڈ دھلی
۱۱،۴،۵۷ء

عزیزم وعلیکم السلام

گلہ عدم توجھگی و شکائیت بے التفاتی بجا مگر کسے کھوں اور کیا
کس نمی فہمد زباں را
بعزیزاں چہ بیاں کنم

منصب افتاکی ذمہ داریوں سے دامن ھمیشہ الگ رکھا استفتا کیلئے کس
صاحب منصب کیطرف راجع ھونا چاھئے تھا میری رائے میں مسلہ مھد
کا اقرار و انکار برابر اور امور ایمانیہ سے خارج ھے - مزید توضیح کیا
"تذکرہ" دیکھیں -

مولانا ابوالاعلی کی خدمات جلیلہ سے امت مسلمہ کبھی صرف نظ
نھیں کر سکتی کہ ایسے کارھائے نمایاں تاریخ تجدید اسلام کے
باب و فصل کے لئے سرمایہ افتخار و بہ درجہ عنوان ھیں - مولانا گلشن
کے ان لالہ سنبل میں سے ھیں جنکی خوشبو سدا بہار ھمیشہ تعفن باط
کو مغلوب کر کے طالبان حق کے دل و دماغ کو معطر کرتی رھتی
اور جسے فنا نھیں -
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما !

ابوالکلام

Marfat.com

حرفِ آخر

دورِ حاضر کے تقاضوں نت نئے مسائل پر

جناب قبلہ مولانا محمد تقی امینی صاحب یکے از مقتدر علماءِ اہلِ قلم و

پرنسپل دار العلوم معینیہ اجمیر شریف (بھارت)

اور

قبلہ سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب داعیٔ احیائے دین و مدیر

ترجمان القرآن لاہور پاکستان

کا

اظہارِ خیال

Marfat.com

(سوالات وجوابات کی شکل میں)

○

سوال ۱

بیسویں صدی کے اس مہذب وترقی یافتہ دور کی رہنمائی بھی مذہبی نقطہ نظر سے "اسلام" کرسکتا ہے۔ یا عیسائیت؟

(الف) کیا انسان کو سیکولرازم یا دھریت روحانی ومادی ترقی کی معراج نصیب کرا سکتی ہے؟

(ب) بالخصوص کمیونزم کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے اور ختم کرنے کی صلاحیت کس میں ہے؟

○

Marfat.com

جوابات

جناب مولانا محمد تقی امینی صاحب

بنیادی طور پر پہلے چند باتیں سمجھ لینا ضروری ہے۔

(ا) موجودہ دور عمومی حیثیت سے لامذہبی دور ہے۔ حکومتی سطح پر مذہب کی جو کچھ "نمود" نظر آتی ہے وہ بڑی حد تک سیاسی مذہب کی ہے نہ کہ حقیقی مذہب کی۔

جب تک معاشرتی زندگی کی تنظیم و تشکیل میں دیانتداری کے ساتھ مذہبی زاویۂ نگاہ کارفرما نہ ہوگا اس وقت تک جزئی مسائل کی اصل حقیقت و افادیت نہ برقرار رکھی جا سکے گی۔

(ب) موجودہ دور میں جن سیاسی و معاشرتی نظریات کی کارفرمائی ہے۔ انہوں نے بحیثیت مجموعی ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل کر دی ہے کہ دل و دماغ بھی اس سمت جا پڑے ہیں۔ جس سمت سے ہدایت الٰہی انہیں کھینچ کر لائی تھی۔

نیز زندگی کی مادی تعبیر و توجیہ نے انسان کا رشتہ حیوانی نسل سے اس طرح جوڑ دیا ہے کہ اُس کے سارے مسائل میں بڑی حد تک حیوانی زاویۂ نگاہ ہی کارفرما بن گیا ہے۔

بخلاف اس کے ہدایت الٰہی نے انسان کی "نورانی اصل" تسلیم کی ہے اور یہی روح اس کے جملہ مسائل میں سرایت ہے دونوں کے حل کئے ہوئے مسائل میں کسی لحہ بھی اس تفاوت کو نظر انداز نہ ہونے دینا چاہیئے۔ ورنہ مذہبی مسائل کی خصوصیات کبھی نہ آ سکیں گی۔

(ج) موجودہ دور "ردعمل" کا دور ہے اس کے زاویۂ نگاہ میں گذشتہ تفریط کے مقابلہ

Marfat.com

افراط ہے۔ ہدایت الٰہی زندگی میں "اعتدال" پیدا کرنا چاہتی ہے اور اسی کی مناسبت سے احکام و قوانین مقرر کرتی ہے۔ اس لئے دونوں کے مسائل کا موازنہ کرتے وقت اس فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

(د) مسائل کا باہمی ربط و تسلسل اس طرح ہے کہ کسی ایک جزو کی افادیت پورے نظام سے الگ کر کے نہیں قائم رکھی جا سکتی ہے۔ پھر بعض احکام و قوانین مقصد کے درجہ میں ہیں اور بعض وسائل و ذرائع کے درجہ میں اور دونوں کی حیثیتوں میں فرق ہے جب تک ہمہ جہتی نگاہ نہ ہو اور کلی حکمت و عمومی اصول کے ماتحت مسائل کا مطالعہ نہ کیا جائے محض ایک جزو پر "ضابطہ" کی بحث و تمحیص سے خاطر خواہ نتیجہ کی توقع نہیں ہے

(ہ) ہدایت الٰہی بتدریج "زندگی اور مسائل میں" اعتدال "پیدا کرنا چاہتی ہے اس کے لئے مختلف مراحل سے گزرنا اور موقع و محل کی مناسبت سے مختلف تدبیریں اختیار کرنا ناگریز ہے مسائل کے سمجھنے میں ان مراحل و تدابیر سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا ہے ورنہ اصل "ساخت" بگڑ جائے گی اور تقریباً ہر دور میں "مسائل" ناقابل عمل قرار پائیں گے مجموعہ ہدایت (قرآن حکیم) کی تکمیل ۲۳ سال کی مدت میں ہوئی ہے۔ اگر دفعۃً فضا ہموار ہو کر "انگیز" کے قابل بن جایا کرتی تو یکبارگی مکمل کر دینے میں کیا دشواری تھی؟

اسی طرح نبوت (جو مافوق العادت اوصاف سے آراستہ تھی) ایک عرصہ تک اپنے کارخانہ میں افراد کو ڈھالتی اور سنوارتی رہی۔ نیز تمام آبادی سے اپنی افادی حیثیت منواتی اور غیر جارحانہ طرز عمل کا ثبوت فراہم کرتی رہی جب ایک معتدبہ جماعت تیار ہو گئی ادھر اصول و نظریات سے اختلاف رکھنے والی آبادی بھی معاہدات وغیرہ کے ذریعہ غیر جانبدار اور پرسنل معاملات میں غیر دخیل بن گئی تو خلافت الٰہی

Marfat.com

وجود میں آکر اپنے "کاز" کو آگے بڑھانے لگی۔ اگر یہ سارے امور ابتدائی مرحلہ میں انجام پا سکتے اور مختلف مراحل سے گذرنا ان کی فطرت میں ودیعت نہ ہوتا تو ثبوت کو تائید غیبی کے باوجود اتنا طویل عرصہ طے کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اگر اسلامی اسٹیٹ کے اعلان سے "خلافت" وجود میں آجایا کرتی تو نبوت کو خداداد بصیرت کے باوجود وہ وسائل و ذرائع نہ اختیار کرنے پڑتے جو "خلافت" کو بروئے کار لانے کے لئے ناگزیر تھے۔ غرض "ہدایت" کے مسائل میں ایک خاص ترتیب و تنظیم ہے جو اسی وقت ٹھیک سمجھے جا سکتے ہیں جبکہ معاشرتی احوال و کوائف پر نظر اور ان کی وجہ سے ہونے والی تبدیلیوں سے واقفیت ہو۔ ان چند تمہیدی اشارات کے بعد اصل سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) دنیا نے ہدایت الٰہی کی رہنمائی چھوڑ کر کیا کھویا اور کیا پایا؟ یہ ایک مستقل اور وسیع بحث ہے البتہ اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا ہے کہ دنیا اپنی تمام تر ترقیات کے باوجود عقل کو جذبات پر فتح مند بنانے کے لئے اب تک کوئی "مشین" نہ ایجاد کر سکی۔ نیز قومی و وطنی حد بندیوں سے بالا ہو کر عقل کو خالص انسانی نقطہ محبت و مروت کا "زاویۂ نگاہ" دینے کے لئے کوئی معقول "تدبیر" نہ سوچ سکی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آئے دن فطرت انسانی کو چیلنج دینے والے بے شمار مسائل پیدا ہوتے رہتے اور انسانیت کی نئی تعبیر و توجیہ کے باوجود وہ حل ہوتے نہیں نظر آرہے ہیں۔ اس کے علاوہ رفتہ رفتہ زندگی میں ایسے "جراثیم" پیوست ہوتے جا رہے ہیں کہ ان کی وجہ سے موجودہ تہذیب بوسیدہ اور تمدن خود تمدن کا دشمن بن رہا ہے۔

Marfat.com

اس صورت حال کو ظاہر بین اور سطحی نظریں اگرچہ ابھی محسوس نہیں کر رہی ہیں لیکن حقیقت بین نظروں سے یہ پوشیدہ نہیں ہے وہ اس سے سخت مضطرب اور انجام سے نہایت خائف ہیں جیسا کہ وقتاً فوقتاً ان کے بیانات سے وضاحت ہوتی رہتی ہے۔

یہ صورت حال زیادہ دن نہ برداشت ہو سکیگی چار و ناچار آتش فشاں پہاڑ پر بیٹھی ہوئی انسانیت کے تحفظ و بچاؤ کی فکر ہوگی اور پھر ایسی رہنمائی کی تلاش ہوگی جو جذبات کی سرمستیوں اور شعلہ باریوں کو روک لگا سکے نیز عقل کو قلب کی تربیت گاہ میں لے جا کر عمومی محبت و مروت کی "چاشنی" اس کو عطا کر سکے۔

اس قسم کی رہنمائی ہدایت الٰہی کے دامن میں پناہ لینے ہی سے میسر آ سکتی ہے کہ اس میں انسان کو بجائے "دور بینی" کی نگاہ کے حقیقت بینی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اور زندگی کے باریک "تاروں" کے عمل و ردعمل کا جائزہ لے کر حالات و مسائل میں رہبری کی گئی ہے۔

علاوہ ازیں تاریخ و فلسفۂ تاریخ کی شہادت سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ انسان اپنی زندگی اور اس سے متعلق مسائل حل کرنے میں مسلسل گردش سے گذرتا رہا ہے افراط و تفریط کی مختلف راہوں سے گذر کر بالآخر اس منزل پر پہنچا ہے جہاں سے گردش کی ابتدا ہوئی تھی۔

اس دور کا انسان بھی مختلف راہوں اور "ازموں" کا تجربہ کر کے "انتہا" کے قریب آپہنچا ہے جب یہ "انتہاء" اپنے تکمیلی مراحل طے کر لے گی تو پھر ابتداء اسی مقام سے ہوگی جس کا نقطۂ آغاز مذہب تھا اور اس میں انسان کی اصل "نورانی" تھی یہی وہ مقام ہوگا کہ انسان کی رہنمائی کے لئے ہدایت الٰہی کی روشنی میں عقل و قلب کا "آمیزہ" تیار ہوگا اور پھر

مادیت روحانیت کی چاشنی حاصل کرکے انسان کو معراج کمال پر پہنچانے کے قابل بن سکے گی۔ جیساکہ دور اول میں اس وقت کے لحاظ سے یہ کمال حاصل ہو چکا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ عرصہ سے مذہب کے نام پر عمومی حیثیت سے اس کی جس طرح نمائندگی ہو رہی ہے وہ واقعی اس قابل نہیں کہ انسان کے اندر افادیت وصلاحیت کے جوہر [illegible] کرکے اقدام، عزم، شجاعت وغیرہ زندگی کے عناصر پیدا کرے اور کسی حوصلہ [illegible] مستقبل کی نشاندہی کرے۔

اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا ہے کہ موجودہ "سیاست" نے انسان [illegible] اس قدر ڈھیلے کر دیئے ہیں کہ وہ حد سے زیادہ خود غرض اور نا عاقبت اندیش [illegible] اس کے اندر انتہائی سطحیت اور خود فریبی آگئی ہے جس کی بنا پر مذہب [illegible] و عالی حوصلگی کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

لیکن یہ حقیقت بھی مسلّم ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے زندگی [illegible] حل کرنے کے لئے موجودہ دور کی خورد بینی کی نگاہیں بیکار ثابت ہو رہی ہیں [illegible] کے لئے ایمان و وجدان کی حقیقت بینی والی نگاہوں کے بغیر چارہ نہیں۔ دنیا سے جن کی سچی نمائندگی سچا مذہب ہی کر سکتا ہے جو غیر شعوری طور پر حقیقت کا احساس پیدا کرکے اس تک پہنچاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ دنیا نے کسی ناگہانی و اتفاقی حادثہ کی بنا پر نہیں بلکہ فطری رفتار کے مطابق بتدریج ترقی کی منزلیں طے کی ہیں۔ یہ بھی واضح ہے کہ معلومات و انکشافات کے نئے وسائل و ذرائع نے انسان کے ذہن و مزاج میں بڑی حد تک تبدیلی کر دی ہے۔ اب وہ ہر چیز کو تجربہ کی کسوٹی پر کسنے اور افادیت وصلاحیت کے پیمانہ سے ناپنے کا [illegible]

ایسی حالت میں یہ توقع رکھنا فضول ہے کہ جب وہ مذہب کی طرف مائل ہوگا تو ہر مذہب یا اس کی ہر بات کو بغیر سوچے سمجھے قبول کریگا اور ٹکراؤ کی صورت میں علم و تحقیق کے مسلمہ ذخیرہ کو نذر آتش کر دے گا۔ بلکہ اس کی نظر میں وہی مذہب قابل قبول بن سکے گا۔ جو علم و حکمت کا علمبردار اور افادیت و صلاحیت کے پیمانہ پر ٹھیک اترتا ہو۔ اور وہی بات قابل وقعت بن سکے گی جو عقل و تجربہ کی کسوٹی پر کسے جانے کے لائق ہو۔

مذاہب عالم کی موجودہ تعلیمات کے مطالعہ سے یہ حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ مذکورہ معیار کے مطابق ہونے کی صلاحیت آخری مجموعۂ ہدایت (قرآن حکیم) کی تعلیمات ہی میں ہے اس نے اپنے دور اوّل میں انسان کی داخلی تبدیلی کے ذریعہ زندگی کے "ان تاروں" کے چھیڑنے میں "یقیناً" کامیابی حاصل کر لی تھی جو عقل کو جذبات پر فتح مند بناتے اور اس کو عمومی محبت و مروت کی چاشنی عطا کرتے ہیں۔ اس کی تعلیم زندگی کے کسی ایک گوشہ تک محدود نہ تھی۔ بلکہ اجتماعی و تمدنی زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی اور ان کے مسائل کو عدل و رحمت کی فضاء میں حل کرتا تھا۔ وہ مطالعہ فطرت کا داعی نیز "معجزات" کے ذریعہ بعد کے سائنٹفک دور کی نشاندہی کرنے والا تھا۔

چنانچہ جن لوگوں نے قرآن حکیم کی تعلیمات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے انہیں اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی کہ سائنٹفک دور کا آغاز چودھویں صدی عیسوی سے نہیں بلکہ نزول قرآن کی تاریخ (چھٹی صدی عیسوی) سے ہوا ہے اسی نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ کائنات کی ساری چیزیں (آفتاب ماہتاب سے لے کر ذرہ تک) اپنی اصلی ساخت اور مقصد کے لحاظ سے انسان کی خدمت گذاری کے لئے پیدا ہوئی ہیں اور انسان کو یہ اہلیت دی گئی ہے کہ وہ عقل

Marfat.com

تجربہ کی رہنمائی سے ان پر قابو حاصل کر کے اپنے استعمال میں لاسکتا ہے یہ اس زمانہ کی بات ہے جبکہ دنیا کے دیگر مذاہب سائنس کے "عناصر" کو مافوق القوۃ اور مقدس اشیاء سمجھ کر ان کی پرستش کرتے تھے یا مطالعہ فطرت کو مذموم سمجھ کر اس کی جانب توجہ کرنے والے کا بعوث پلید سے تعلق جوڑتے تھے۔

قرآن حکیم کے اسی نظریہ کے ماتحت بعد کے ہر دور میں اس کی صلاحیت و ضرورت کے لحاظ سے کام ہوتا رہا حتی کہ یورپ کو یہ نظریہ دے کر اس قابل بنایا کہ وہ نشاۃ ثانیہ کی بنیاد رکھ سکے۔ اس سلسلہ میں یورپ کے مختلف محققین و مورخین مثلاً جان ڈیون پورٹ۔ رینان۔ ڈاکٹر جوزیف ہیل اور گستاؤ ارکس وغیرہ نے اس قدر مواد فراہم کر دیا ہے کہ ثبوت کے لئے مزید شہادت کی ضرورت نہیں باقی رہ گئی ہے [1]

البتہ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ہدایت الہٰی کا یہ منصب کبھی نہیں رہا ہے کہ وہ سائنس و طبیعیات کے ذریعہ کائنات کی نیرنگیوں کی تحقیقات کرتی پھرے اور نئے نئے "فارمولے" وضع کر کے نوع بنوع رازہائے فطرت کے انکشاف کو اپنے ذمہ لے بلکہ اس کا اصل منصب یہ ہے کہ خود انسان کو اس کے اصلی رنگ و روپ میں پیش کرے اس کی تخلیقی قوتوں کو فطری صداقتوں کی شاہراہ دکھانے نیز فکری و عملی زندگی کے صحیح حدود متعین کر کے نظم و ضبط اور صلاحیتوں کے استعمال کرنے کے اصول سمجھائے تاکہ انسان دنیا میں اپنے مقام اور کام کی سمتوں کا متعین کر کے اپنے فرائض کی ٹھیک بجا آوری کرے۔

یہی وجہ ہے کہ "ہدایت" نے مادی ترقیات میں صرف مرکز اور سمت متعین کرنے پر اکتفاء کیا ہے اور حالات و زمانہ کے تقاضہ کی مناسبت سے عقل و تجربہ کی رہنمائی کو کافی

---

[1] اس سلسلہ میں راقم الحروف کی کتاب "عروج و زوال کا الہٰی نظام" بھی مفید رہے گی جو ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

Marfat.com

قرار دیا ہے کہ مرکز اور سمت کی تعین کے بعد استعمال کے مضر اثرات سے تحفظ کا بڑی حد تک اہتمام ہو سکتا ہے۔

مذہب عیسائیت کے بارے میں جو آپ نے سوال کیا ہے تو اس میں شک نہیں کہ جہاں تک اس کی اصل تعلیم اور روح کا تعلق ہے اس میں اپنے دور کے تمدنی و اجتماعی مسائل حل کرنے کی صلاحیت تھی جیسا کہ ڈاکٹر جوزیف ہیل کی تحقیق ہے۔

"انبیاء و رسل اور بانیان مذہب نے اپنے زمانہ اور اپنی قوم کی تہذیب و تمدن میں حصہ لیا ہے لیکن جو عالمگیر تبدیلیاں اسلام سے براہ راست نہایت سرعت کے ساتھ مرتب ہوئی ہیں ان کی نظیر اور کسی مذہب میں نہیں ملتی ہے"[۱]

مذہب کی تاریخ میں بھی اس کی شہادت موجود ہے چنانچہ

وکذالک کل نبی استخلفہم فی عمارۃ الارض وسیاسۃ الناس وتکمیل نفوسہم وتنفیذ امرہ فیہم[۲]

"اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو زمین آباد کاری میں لوگوں کی سیاست میں ان کے نفوس کی تکمیل میں اور ان میں اللہ کا حکم نافذ کرنے میں اپنا خلیفہ بنایا"

ان تصریحات کی موجودگی میں "روسو" کا قول بے بنیاد ہے کہ

"حضرت مسیح علیہ السلام دنیا میں ایک روحانی سلطنت قائم کرنے کیلئے تشریف لائے جس نے مذہبی اور سیاسی نظام کو جدا کر کے ریاست کی وحدت بنا دی اور اندرونی تفرقے پیدا کر دئے جنہوں نے عیسائی اقوام کو کبھی چین نہ لینے دیا"[۳]

---

[۱] تمدن عرب ص ۳۲۳ [۲] بیضاوی ص ۵۹ [۳] معاہدہ عمرانی ص ۲۴۳

Marfat.com

دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں دین اور دنیا مذہب اور سیاست کی تفریق نہ تھی بعد میں انکے ماننے والوں نے تفریق پیدا کی اس بناء پر "ردعو" کا الزام حضرت عیسیٰ پر نہیں بلکہ ان کے ماننے والوں پر درست ہو سکتا ہے مغالطہ کی وجہ بھی یہی ہے کہ عیسائیت کے نام پر مروجہ مذہب کو اصل مذہب سمجھ لیا گیا۔ اور اسی الزام پر ایک مستقل عمارت تعمیر کر دی گئی۔

صورت یہ ہوئی کہ عیسائیت کو ابتدا ہی میں یہودی مذہب و ذہنیت سے ایسا شدید قسم کا ٹکراؤ ہوا کہ اس نے اُس کو مٹانے اور نیست و نابود کرنے کا تہیہ کر لیا اور ساتھ ہی اپنے رہے اور صدیوں حکومت کی جانب سے بر وقت ایسی پُشت پناہی نہ میسر آسکی کہ اس کے حدود و خطوط کے مطابق حکومت تشکیل ہو کر تہذیب و تمدن میں اس کی تعلیمات رواں دواں بن سکتیں۔

ظاہر ہے کہ یہ صورت معتقدین و متبعین کے لئے نہایت روح فرسا اور مایوس کن تھی حالات سے مجبور ہو کر "پولوس" نے یہی طریقہ کار آسان سمجھا کہ وہ مسیحی تعلیم کے صرف روحانی و اخلاقی حصہ پر زیادہ زور دیں اور شرعی و معاشرتی یا تہذیبی و تمدنی پہلو کو نظر انداز کر دیں۔ پھر یہودیوں کے مزاج میں جس قدر "درشتی" پیدا ہو گئی تھی اور انہوں نے دین کی اصلی تعلیم اور روح کو پس پشت ڈال کر محض "مراسم" کی پرستش کو اصل مذہب سمجھ لیا تھا اس افراط کا تقاضہ یہی تھا کہ روحانیت پر اتنا زیادہ زور صرف کیا جائے کہ آنے والے دور میں اعتدال کے لئے راہیں ہموار ہو سکیں چنانچہ موجودہ عیسائیت میں بھی عفو و درگذر اور رحم و کرم وغیرہ کی بعض مثالیں اس قسم کی موجود ہیں جنہیں معتدل معاشرہ کے لئے کسی طرح موزوں نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مسیحی تعلیم کے ساتھ ایک زیادتی یہ ہوئی کہ اس کی تدوین و حفاظت کا کوئی معقول بندوبست نہ ہو سکا۔ مسیحی مذہب کے بارے میں معلومات کے مستند ترین

ذرائع چار انجیلیں مانی جاتی ہیں (۱) متی (۲) مرقس (۳) لوقا (۴) یوحنا — ان کی حیثیت کلام الٰہی یا کلام مسیح علیہ السلام کی نہیں ہے بلکہ "انسائیکلوپیڈیا" کی تصریح کے مطابق ان چار تذکروں کی ہے جو عہد نامہ جدید میں مسیحؑ کی زندگی تعلیمات اور کردار کے متعلق ملتے ہیں پھر ان کے مصنفین کی زندگی کے حالات کے بارے میں اب تک تفصیلی تحقیق نہ ہو سکی کہ یہ کون لوگ تھے ؟ حضرت مسیحؑ یا ان کے کسی حواری کی صحبت بھی میسر آئی تھی یا نہیں نیز یہ بھی کہ یہ کتابیں نہ سریانی زبان میں تھیں اور نہ عبرانی زبان میں بلکہ مسیح کے زمانہ کو ایک مدت گذرنے کے بعد یونانی زبان میں لکھی ہوئی ملیں غرض یہ وجوہ اسباب تھے جن کی بناء پر مسیح علیہ السلام کی اصلی تعلیم کے حصے منظر عام پر نہ آ سکے اور موجودہ دنیا کے "خاموش نگاروں" کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ " صرف روحانی سلطنت قائم کرنے آئے تھے اور مذہبی و سیاسی نظام میں جدائی کر کے دنیا کی وحدت معادی اور اندرونی تفرقہ پیدا کر دیئے"۔

رہی یہ بات کہ موجودہ دور میں عیسائیت انسان کو معراج کمال پر پہنچا سکتی ہے اس میں نت نئے حالات و مسائل حل کرنے کی صلاحیت ہے ؟ اگر یہ بات کسی درجہ میں بھی صحیح ہوتی تو مذہبی دور سے سابقہ ہی نہ پڑتا اور دنیا مذہب کو خیر باد کہہ کر سیکولرزم یا "کمیونزم" کے دامن میں پناہ نہ ڈھونڈھتی۔

یہ اس لئے کہ "نشاۃ ثانیہ" کی ابتداء میں اس کے نوک پلک درست کرنیوالے مذہبی ہی لوگ تھے اور "لوتھر" وغیرہ کی مذہبی و اصلاحی تحریک کا اثر اس قدر ہمہ گیر مانا جاتا ہے کہ بعد کی ہر تحریک میں مذہبی جذبہ کی کارفرمائی دکھائی دیتی ہے چنانچہ "ڈلتھائی" نے محنت دلائل سے ثابت کیا ہے کہ جرمنی، انگلستان اور فرانس وغیرہ کی علمی و فلسفیانہ تحریکات کے نشوونما میں مذہب ہی کارفرما تھا نیز مغرب کی جدید روح ایک وسیع مذہبی شعور

کا نتیجہ ہے۔

نظریۂ ارتقاء کے بارے میں بھی بعضوں کا خیال ہے کہ اس کی بنیاد مذہبی تصور پر قائم ہے کیونکہ اس میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ارتقاء ہے اور سب سے اعلیٰ خدا ہے۔ [1]

اس نظریہ میں یہ تصور مان لینے سے یہ شبہ ضرور ہوتا ہے کہ جب انسان ابتدائی حالت میں حیوان تھا تو کیا اس وقت بھی مذہبی جذبہ کارفرما تھا؟ لیکن اس کا جواب ماہرین نفسیات نے یہ دیا ہے کہ مذہبی جذبہ کا تعلق کسی ایک جذبہ کے ساتھ مشروط نہیں ہے بلکہ یہ چند جبلتوں کے آپس میں امتزاج اور عمل کا نہایت پیچیدہ اور عجیب و غریب نتیجہ ہے۔ ان چند جبلتوں کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ مذہبی نوعیت کی ہوں بلکہ دو یا چند چیزیں جب الگ الگ رہتی ہیں تو ان کے خواص و اثرات مختلف ہوتے ہیں اور جب مل جاتی ہیں تو ان کے خواص و اثرات میں یکسر تبدیلی ہو جاتی ہے۔

اسی طرح دو متضاد وصف کے آپس میں اشتراک و امتزاج سے ایک تیسرا وصف پیدا ہو جاتا ہے جو ان کی انفرادی نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ اس بناء پر مذکورہ جبلتیں اگرچہ مذہبی نوعیت کی نہ تھیں لیکن بتدریج ترقی کے نتیجہ میں "تاثیر اور تاثر" کا جو عمل ان میں ہوا اس عمل کے نتیجہ میں مذہبی جذبہ نمودار ہو کر انسان کی جبلت میں داخل ہو گیا۔ [2]

مذہب کے اسی عالمگیر اثر کو محسوس کر کے "یورپ" کے مصنفوں نے لکھا ہے کہ مذہبی جبلت انسان کی اساسی صفتوں میں داخل ہے اور ڈاکٹر "لدنیاں" نے کہا ہے کہ مذہبی جبلت انسان میں ایسی ہی ہے جیسے چڑیوں میں گھونسلا بنانے کی جبلت ہے۔ [3]

---

[1] مقدمہ لپستانوری کا فلسفہ تمدن و تعلیم [2] معاشرتی نفسیات ص۵۶ [3] حوالہ بالا

نیٹشے۔ کانٹ۔ پستانوری۔ وغیرہ کہتے ہیں کہ نفس انسانی کا جوہر مذہبی احساس ہے اور تمدنی زندگی کے لئے مذہب بمنزلۂ روح کے ہے۔ [1]

غرض موجودہ دور میں مذہب کے مذکورہ وسیع اثرات مسلم ہوں یا نہ ہوں لیکن یہ حقیقت بہر حال مسلم ہے کہ مذہب عیسوی زندگی کے ایسے "اقدار" دینے میں ناکام رہا جو "نشاۃ ثانیہ" کے مختلف گوشوں میں رہبری کے فرائض انجام دے سکے نیز اس میں بالخصوص تمدنی و اجتماعی مسائل حل کرنے کی صلاحیت مفقود تھی۔ اس کے "جدید ایڈیشن" سے بعض اصلاحات ضرور ہوئیں لیکن ساتھ ہی فرقہ وارانہ خونریزی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور نہ صرف یہ کہ جدید زندگی و اس کی ضروریات کو وہ "انگیز" نہ کر سکا بلکہ سمجھنے سے بھی بڑی حد تک قاصر رہا

دراصل یہ "جدید ایڈیشن" فکر و عمل کا کوئی مستقل نظام نہ تھا بلکہ "پوپ" کے طرز عمل کے خلاف صدائے احتجاج کی صورت میں منظر عام پر آیا تھا، اور "رد عمل" کے طور پر صرف چند خرابیوں کے دور کرنے میں اس کا اثر ظاہر ہوا تھا۔ مثلاً یہ کہ پوپ کی غلامی کا جوا اتار پھینکا گیا تھا "گرجا" سے حضرت مریم و عیسیٰ علیہ السلام کے مجسمے نکالے گئے تھے اور بعض اس قسم کے مسائل کی اصلاح ہوئی تھی جن کا زندگی کے حقائق و ناگزیر حالات سے زیادہ تعلق نہ تھا

اس اصلاح شدہ "ایڈیشن" کو نہ اصول فطرت کے مطابق بنانے کی کوشش ہوئی تھی اور نہ ہی اجتماعی و تمدنی مسائل سے اس کا تعلق جوڑا گیا تھا۔

لیکن خوش قسمتی سے یہ اصلاحی تحریک ایسے دور میں ظاہر ہوئی جبکہ یورپ میں نشاۃ کے آثار نمایاں تھے اور اس کی اندرونی قوتیں زوال کی انتہائی منزلوں سے گذر کر مائل عروج ہو چلی تھیں اس بناء پر عمومی حیثیت سے ابتدائی مرحلہ میں اس کے اثرات خوش

---

[1] پستانوری کا فلسفہ ص ۱۸۵

Marfat.com

آئندثابت ہوئے۔ پھر قوم جب ابتدائی مرحلات طے کر کے تمدنی و اجتماعی مسائل کی طرف متوجہ ہوئی تو اس کی تنگ دامنی حائل بنی اور مجبوراً اس کو دوسری راہ اختیار کرنی پڑی۔

ایک طرف ذہنی و فکری اور عملی زندگی کی وسعتیں تھیں اور دوسری طرف مذہب کی تنگدامنی ویسے بھی تھی۔ دنیوی ضرورت کی نیرنگیاں سمٹ کر اس مذہب میں سما نہ سکتی تھیں۔ اور مذہب کی تنگدامنی ان نیرنگیوں کو جذب کرنے کی صلاحیت نہ رکھتی تھی۔

ایسی صورت میں شدید قسم کا "ردعمل" ہونا لازمی تھا چنانچہ بالآخر یہی ہو کر رہا اور دنیا نے مذہب کو خیرباد کہہ کر مذہب کی جگہ لینے کے لئے "مختلف" ازم" ایجاد کرنے شروع کر دئے جس میں انسانیت کی نئی تعبیر و توجیہ ہوئی اور وہ "اقدار" جن سے انسانیت نشوونما اور بالیدگی حاصل کرتی تھی نیز وہ اخلاق، روحانی پاکیزگی کے طور پر اختیار کئے جاتے تھے سب "سیاست" کی نذر ہو گئے اور موجودہ دور کا "انسان" ایک عجیب و غریب مخلوق بن کر رہ گیا [1]

"نشاۃ ثانیہ" کی ابتداء میں اصلاح شدہ مذہب کے جو اثرات مرتب ہوئے ہیں ان میں کس قسم کے داخلی و خارجی محرکات تھے؟ نیز مذہب نے اس وقت کی زندگی کو کیا دیا؟ اور زندگی نے مذہب کو کیا عطا کیا؟ مصلحین میں کون سی بیرونی روح سرایت تھی اور کس تعلیم سے وہ متاثر تھے؟ یہ ساری بحثیں وسیع اور تفصیل طلب ہیں سوال کے دائرہ سے بھی خارج ہیں۔

---

[1] مزید تفصیل راقم الحروف کا مقالہ "لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر" میں دیکھنا چاہیئے۔ جو برہان جنوری ۱۹۶۱ء سے شائع ہوتا رہا ہے۔

Marfat.com

جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب

۱۔ یہ سوال کئی سوالات کا مجموعہ ہے۔ اس لیئے اس کے ایک ایک جزو پر علیحدہ بحث کرنی ہوگی۔

(الف) جہاں تک عیسائیت کا تعلق ہے اس دور کی رہنمائی سے وہ پہلے ہی دستبردار ہو چکی ہے۔ بلکہ درحقیقت وہ کسی دور میں بھی انسانی تہذیب و تمدن کی رہنمائی نہیں کر سکی ہے۔ عیسائیت سے مراد اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وہ تعلیمات ہیں جو اب عیسائیوں کے پاس ہیں تو بائبل کے عہد جدید کو دیکھ کر ہر شخص معلوم کر سکتا ہے کہ وہ انسانی تہذیب و تمدن کے متعلق کیا رہنمائی اور کتنی رہنمائی کرتی ہے؟ اس میں بجز چند مجرد (Abstract) اخلاقی اصولوں کے سرے سے کوئی چیز موجود نہیں جس سے انسان اپنی معاشرت اور اپنی معیشت اور عدالت اور سیاست اور قانون کے متعلق کوئی ہدایت حاصل کر سکے۔ لیکن اگر عیسائیت سے مراد وہ نظامِ زندگی ہے جو عیسائی پادریوں نے بنایا تھا تو سب کو معلوم ہے کہ یورپ میں احیائے علوم کی نئی تحریک کے رونما ہونے کے بعد وہ ناکام ہو گیا اور مغربی قوموں نے اس کے بعد جتنی کچھ بھی مادی ترقی کی وہ عیسائیت کی رہنمائی سے آزاد ہو کر ہی کی ہے۔ اگرچہ اسلام کے خلاف عیسائیت کا تعصب اور عیسائیت کے ساتھ ایک جذباتی تعلق ان میں اس کے بعد بھی موجود رہا اور اب بھی ہے۔

(ب) جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ اپنے آغاز ہی سے تمدن و تہذیب کے معاملے میں نہ صرف یہ کہ رہنمائی کرتا رہا ہے بلکہ اس نے خود اپنا ایک مستقل تمدن اور اپنی ایک خاص تہذیب پیدا کی ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے متعلق قرآن مجید نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو ہدایت نہ دی ہو اور ان ہدایات کے مطابق عملی ادارے قائم نہ کر دیئے

Marfat.com

ہوں۔ یہ چیزیں جس طرح ساتویں صدی عیسوی میں قابل عمل تھیں اس طرح اس بیسویں صدی میں بھی قابل عمل ہیں اور ہزاروں برس آئندہ بھی انشاء اللہ قابل عمل رہیں گی۔ اس ترقی یافتہ دور میں کسی ایسی چیز کی نشان دہی نہیں کی جاسکتی جس کی وجہ سے اسلام آج نہ چل سکتا ہو یا انسان کی رہنمائی نہ کر سکتا ہو۔ جو شخص اس معاملہ میں اسلام کو ناقص سمجھتا ہو۔ یہ اس کا کام ہے کہ کسی ایسی چیز کی نشان دہی کرے جس کے معاملے میں اسلام اس کی رہنمائی سے قاصر نظر آتا ہو۔

(۵) سیکولرازم یا دہریت درحقیقت نہ کسی روحانی ترقی میں مددگار ہیں اور نہ مادی ترقی میں۔ معراج نصیب کرنے کا تو ذکر ہی کیا ہے؟ میں یہ سمجھتا ہوں کہ موجودہ زمانے کے اہل مغرب نے جو ترقی مادی حیثیت سے کی ہے وہ سیکولرازم یا مادہ پرستی یا دہریت کے ذریعہ سے نہیں کی بلکہ اس کے باوجود کی ہے۔ مختصراً میری اس رائے کی دلیل یہ ہے کہ انسان کوئی ترقی اس کے بغیر نہیں کر سکتا کہ وہ کسی بلند مقصد کے لئے اپنی جان و مال، اپنے اوقات اور محنتوں کی اور اپنے ذاتی مفاد کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو۔ لیکن سیکولرازم اور دہریت ایسی کوئی بنیاد فراہم کرنے سے قاصر ہیں۔ جس کی بنا پر انسان یہ قربانی دینے کو تیار ہو سکے اسی طرح کوئی انسانی ترقی اجتماعی کوشش کے بغیر نہیں ہو سکتی اور اجتماعی کوشش لازماً انسانوں کے درمیان ایسی رفاقت چاہتی ہے جس میں ایک دوسرے کے لئے محبت اور ایثار ہو۔ لیکن سیکولرازم اور دہریت میں محبت و ایثار کے لئے کوئی بنیاد نہیں ہے اب یہ ساری چیزیں مغربی قوموں نے مسیحیت سے بغاوت کرنے کے باوجود اُن مسیحی اخلاقیات ہی سے لی ہیں جو ان کی سوسائٹی میں روایتاً باقی رہ گئی تھیں۔ ان چیزوں کو سیکولرازم یا دہریت کے حساب میں درج کرنا غلط ہے سیکولرازم اور دہریت نے جو

Marfat.com

کام کیا ہے وہ یہ کہ مغربی قوموں کو خدا اور آخرت سے بے فکر کر کے خالص مادہ پرستی کا عاشق اور مادی لذات و فوائد کا طالب بنا دیا ہے مگر ان قوموں نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جن اخلاقی اوصاف سے کام لیا وہ ان کو سیکولرازم یا دہریت سے نہیں ملے بلکہ اُس مذہب ہی سے ملے جس سے وہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اس لئے یہ خیال کرنا سرے سے غلط ہے کہ سیکولرازم یا دہریت ترقی کی موجب ہیں۔ وہ تو اس کے برعکس انسان کے اندر خود غرضی، ایک دوسرے کے خلاف کشمکش اور جرائم پیشگی کے اوصاف پیدا کرتی ہیں۔ جو انسان کی ترقی میں مددگار نہیں بلکہ مانع ہیں۔

(د) کمیونزم کے سیلاب کو روکنے کی صلاحیت کسی ایسے ہی نظام زندگی میں ہو سکتی ہے جو انسانی زندگی کے عملی مسائل کو اُس سے بہتر طریقہ پر حل کر سکے اور اس کے ساتھ انسان کو وہ روحانی اطمینان بھی بہم پہنچا سکے۔ جس کا کمیونزم میں فقدان ہے۔ ایسا نظام اگر بن سکتا ہے تو صرف اسلام کی بنیاد پر بن سکتا ہے۔

Marfat.com

سوال ۲

اگر بیسویں صدی میں بھی اِسلامی نظام قابل نفاذ ہے تو موجودہ رجحان و نظریات کی جگہ لینے میں جو مشکلات یا موانع (Handicaps) درپیش ہوں گی۔ ان کا بہترین حل ابن خلدون کے ہر دو نظریۂ حکومت و ریاست یعنی "الخلافت" یا "الحکومت" کس سے ممکن ہے؟

Marfat.com

امینی صاحب

(۲)۔ کسی نظام کے قابل نفاذ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ "آن واحد" میں سارے جزئیات و فروع نافذ ہو کر معاشرتی زندگی میں اپنے اثرات مرتب کرنے لگیں۔

اور اگر معاشرتی ناہمواری و فریب خوردگی کی بناء پر ایسا ہوتا نہ نظر آئے تو فیصلہ کر دیا جائے کہ موجودہ دور میں یہ نظام ہی نفاذ کے قابل نہیں ہے۔

پھر اسلام اوپری سطح کی چند خرابیاں دور کر کے انہیں اعمال و اخلاق پر زیادہ زور نہیں دیتا ہے جو قومی ترقی و سربلندی کے لئے محض قومی پیمانہ پر اپنائے جاتے ہیں اور ان کا اثر مادی ترقیات کی حد تک محدود رہتا ہے۔ بلکہ اس کی اولین توجہ اندرونی قوتوں کی اصلاح پر ہوتی ہے اور اسی کے ذریعہ زندگی میں ایسا "کردار" پیدا کرتا ہے جو روحانی پاکیزگی کی راہ سے ابھرتا اور نشوونما حاصل کرتا ہے۔

یہ کردار قوم و جماعت کے دائرہ تک محدود نہیں رہتا ہے بلکہ اس میں نیابت الٰہی کی شان جلوہ گر ہوتی ہے اور "تخلقوا باخلاق اللہ" (الحدیث) (اللہ کے اخلاق کو اپنے اخلاق بناؤ) کی ترجمانی کرتا ہے۔

"نیابت" میں جس قدر انداز کی عالمگیر افادیت اور عمومی رحمت ملحوظ ہوتی ہے اس کا اندازہ درجہ ذیل تصریحات سے ہو سکتا ہے۔

الخلق کلھم عیال اللہ (الحدیث) تمام مخلوق اللہ کی عیال ہیں

الناس کلھم اخوۃ (الحدیث) تمام انسان بھائی بھائی ہیں۔

دنیا عمومیت و عالمگیریت کے خواب دیکھنے کے باوجود زندگی کے اس نظریہ کے لئے ہر ابتدائی وسائل بھی نہیں فراہم کر سکی ہے۔ مسئولہ "خلافت" دراصل اسی نظر

Marfat.com

بروئے کار لانے کی کوشش ہے۔ جس قدر زندگی میں اس کی رہنمائی ہوگی اسی لحاظ سے "خلافت" اپنے "کاز" کو آگے بڑھانے میں کامیابی حاصل کرے گی۔

موجودہ دور میں جس قسم کی رہنمائی ہے اور بالخصوص مسلم معاشرہ جس انداز سے اس رہنمائی کو قبول کرتا جا رہا ہے۔ اس کے پیشِ نظر "خلافت" کے راہ کی مشکلات کو سمجھنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے۔

اِدھر "خلافت کے بلند و بالا مقام تک پہنچنے کے لئے عادۃً بھی مختلف مرحلات اور بتدریج منزلوں سے گذرنا لازمی ہے کہ دفعۃً نہ کبھی معاشرتی زندگی میں تبدیلی ہوئی ہے اور نہ اس دور میں ہو سکتی ہے۔

مسلم حکومتیں اس سلسلہ میں نہایت اہم پارٹ ادا کر سکتی ہیں اس لئے وسیلہ اور ذریعہ کے طور پر ان کو اپنانا اور علمی و عملی حیثیت سے حتی الامکان اس "نظریہ" خلافت کو تقویت پہنچانا موجودہ دور کی اہم خدمت ہے۔

یہ حکومتیں محض اس بناء پر نظر انداز نہیں کی جا سکتی ہیں کہ ان میں بڑی حد تک انسانوں کے بنائے ہوئے قانون نافذ ہیں یا ارباب حکومت اصحاب دعوت و عزیمت نہیں ہیں۔

ان حکومتوں کے ساتھ ہمارے رویہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام وہ "فرمودات" دلیل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں آپؐ اُس دور کے احکام بیان فرمائے ہیں۔ جبکہ خلافت کا اصلی نظام درہم برہم ہو کر اس کی جگہ ملوکیت کے طرز کی حکومت قائم ہو جائے گی اور ارباب حکومت احکام شرعیہ میں من مانی کارروائی کرنے لگیں گے۔

چونکہ ملّت کے قیام و بقاء کے لئے حکومت کا وجود ناگزیر ہے اس لئے رسول اللہ نے اصلاح کی کوششوں کے ساتھ اس کی اتباع کا حکم دیا ہے لیکن چونکہ یہ حکومت

Marfat.com

خلافت کے طرز پر نہیں قائم ہے اور الٰہی حکمت عملی کے مطابق قوانین کا نفاذ نہیں ہو رہا ہے اس بناء پر "اقتداء" سے منع فرمایا ہے۔

"حدیث" کی تقریباً تمام کتابوں میں اس مضمون کی روایتیں بکثرت ملتی ہیں اور ان میں دو قسم کے احکام دو مختلف دور سے متعلق بیان ہوئے ہیں

(۱) خلافت راشدہ میں امت کو خلفاء راشدین کی اطاعت و اقتداء دونوں کا حکم دیا گیا ہے

(۲) اس کے بعد ہونے والے خلفاء و سلاطین کو صرف اطاعت کا مستحق بتلایا گیا ہے۔

اقتداء اور اطاعت میں فرق ہے۔

اقتداء :۔ فکری اور عملی زندگی میں کسی کو اپنا پیشوا تسلیم کر لینا پھر اسی کی زندگی کو نمونہ بنا کر اس کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرنا۔

اطاعت :۔ کسی کو اپنا قومی فرمان روا تسلیم کر کے رعایا جیسی فرمانبرداری کرنا اور اس کے خلاف کوئی بات ایسی نہ کرنا جس سے یہ ثابت ہو کہ اس کو حاکم نہیں مان رہے ہیں

"اطاعت" ایک عام حالت ہے اور اقتداء اس سے زیادہ خاص ہے دونوں کے فرق کو نظر انداز نہ ہونے دینا چاہیئے ورنہ احادیث کا محل متعین کرنے میں بڑی دشواری پیش آئے گی۔

موجودہ دور کی مسلم حکومتیں چونکہ خلافت کے مطلوبہ نظام کے مطابق نہیں ہیں ارباب حکومت بھی اس نظریۂ زندگی کے مطابق پورے نہیں اترے ہیں اس لئے کی صرف اطاعت کا حکم ہے ان کے طور طریقوں کی پیروی (اقتداء) اور ان کے کام کو شرعی حیثیت دینے کا حکم نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا فرض ہے کہ جس کی طاقت جہاں تک کام دے موجودہ آئینی طریقوں کو اپناتے ہوئے حکومت و ارباب حکومت کو ا

Marfat.com

سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کرے اور اس طرح "خلافت" کو بتدریج بروئے کار لانے کے لئے جدوجہد کرتا رہے۔

جن رجحانات و نظریات کی طرف سوال میں اشارہ ہے معلوم ہوتا ہے اس میں شک نہیں کہ بحیثیت مجموعی وہ ایسے معاشرہ کی تشکیل کر رہے ہیں کہ جس کی سمت ہدایت الٰہی کے "محاذ" میں واقع ہے اور نظریۂ خلافت کو بروئے کار لانے میں بڑی حد تک وہ "رکاوٹ" بنے ہوئے ہیں۔

لیکن ان میں بہت سے رجحانات و نظریات معاشرتی فلاح و بہبود کے بارے میں ایسے بھی ہیں جن کو صحیح زاویۂ نگاہ دینے کے بعد اپنایا اور قبول کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ بہت بڑی حد تک نظریۂ خلافت سے متاثر یا اس سے حاصل کئے ہوئے ہیں۔

دنیا میں ہمیشہ یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ ہر آنے والی قوم و حکومت جانے والی سے صرف باتیں سیکھتی اور نظام حکومت کی تشکیل میں اس کی پیروی کرتی ہے جب کہیں جا کر اپنی حکومت کو وہ مضبوط کر پاتی ہے۔

موجودہ دور کی ساری حکومتیں اسلام کے بعد وجود میں آئی ہیں اور ان کی تشکیل میں نہ معلوم کتنی باتیں اسلام سے لی ہوئی ہیں۔ محض افراد و اشخاص کے بدل جانے سے ان سب کو غیر اسلامی سمجھ کر نظر انداز کر دینا دور اندیشی اور خوش آئندہ مستقبل کا کوئی اچھا بھروسہ نہیں ہے۔

دراصل دنیا رجحانات و خیالات کے لحاظ سے بتدریج ترقی کرتی جا رہی ہے ان میں معاشرتی فلاح و بہبود کے بارے میں بہت سے وہ رجحانات و نظریات ہیں جو دوسری شکلوں اور ناموں سے دنیا کو "خلافت" کے قریب لا رہے ہیں اس بنا۔

پر خلافت کی کوشش اور جد وجہد میں ان کو ہرگز نظر انداز نہ ہونے دینا چاہیئے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات اور پیغمبرانہ طرز عمل سے اسی کا ثبوت ملتا ہے۔

قرآن حکیم میں ہے۔

یامرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر ۔ وہ پیغمبر لوگوں کو "معروف" کا حکم دیتا اور "منکر" سے روکتا ہے

"معروف" کی تعریف میں مفسر قرآن نے نہایت دقیق اور نکتہ کی بات کہی ہے۔

والمعروف ما حسنہ الشرع والعقل[1] معروف وہ ہے جسکی شرع اور عقل تحسین کرے

اس تصریح کے مطابق ہر دور و زمانہ کے وہ رجحانات و نظریات جو عقل و شرع کے خلاف نہ ہوں "معروف" میں داخل ہوں گے۔

قرآن حکیم کی اس تعبیر میں بڑی وسعت و گنجائش ہے اس سے معاشرتی فلاح وبہبود سے متعلق ہر اچھے رجحان و قوانین کی قدر شناسی و حوصلہ افزائی کا ثبوت ملتا ہے۔

البتہ "معروف" و منکر کی شناخت میں ہدایت الٰہی کی عطا کی ہوئی روشنی میں معیار بن سکتی ہے کہ اس کے بغیر قوی اندیشہ ہے کہ "جرائم" و "جواہر" میں امتیاز نہ باقی رہے اور لاعلمی کی حالت میں بہت سے "جرائم" جواہر کے روپ میں معاشرتی زندگی کی نمو بخش صلاحیت پر اثر انداز ہوتے رہیں گے۔

غرض ان رجحانات و نظریات کو اصلاحی و انتظامی نقطۂ نگاہ سے دیکھنے کی ضرورت ہے ان میں سے بعض بعینہٖ اختیار کرنے کے لائق ہوں گے اور بعض میں ترمیم و اصلاح کی ضرورت ہوگی اور بعض کو بتدریج ختم کئے بغیر چارہ نہ ہوگا۔

---

[1] احکام القرآن للجصاص

Marfat.com

ہر زمانہ کے رجحانات و مالوفات کے بارے میں انبیاء علیہم السلام کے طرز عمل سے استفادہ کرنا چاہیئے یہ حضرات اپنے زمانہ کے رجحانات و مرغوبات کے سلسلہ میں شمشیر بے نیام نہ تھے کہ جو بات بھی موجود دیکھی اس کو غیر آئینی قرار دے دیا یا جو چیز لوگوں کی پسندیدہ ہوئی اس سے روک دیا۔

بلکہ لوگوں کی نفسیات اور معاشرتی احوال کے پیش نظر "خذ ما صفا ودع ما کدر" (ہر اچھی چیز کو قبول کرنا اور خراب چیزوں کو چھوڑ دینا) کے اصول پر عمل کرتے رہے [۱]

اس طریق سے ہر دور میں بہت سے رجحانات و مالوفات نظام الہٰی کا جزو بنتے رہے اور بدستور ان پر عمل درآمد باقی رہتا رہا۔ البتہ یہ حضرات ترک و قبول کے ہر مرحلہ میں دو باتوں کا لحاظ ضروری سمجھتے تھے۔

(۱) معاشرہ کی حالت اور عوامی شعور کی کیفیت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ۔

(۲) ان میں ہدایت الہٰی کی روح پھونکنا اور الہٰی سانچہ میں اس طرح ڈھالنا کہ وہ نظام الہٰی میں فٹ ہو جائیں۔

موجودہ رجحانات و نظریات جو معاشرتی زندگی میں رائج ہیں اور ان سے بہتر نتائج برآمد ہو رہے ہیں ان سب سے قطع نظر کرکے اسلام کی مجوزہ روزگار تعبیر و توجیہ کرنا یا اس انداز سے پیش کرنا کہ اس کا نفاذ عملاً ناممکن نظر آئے میرے نزدیک اسلام کی یہ کوئی اچھی خدمت نہیں ہے۔

ترک و قبول کے مرحلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا وہ بیان بالخصوص مفید رہے گا۔ جس میں انہوں نے مروجہ مراسم و قوانین کا تذکرہ کرکے انبیاء کی طرز عمل کی نشاندہی کی ہے [۲]

---

[۱] ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ ص ۹۰، ۱۰۳، ۱۲۲ [۲] حجۃ البالغہ

حاصل یہ کہ خلافت کو مقصد کے درجہ میں اور حکومت کو وسیلہ و ذریعہ کی حیثیت میں رکھا جائے اور بتدریج بہتر صورت کی جد و جہد جاری رہے بالخصوص مذہبی تنظیم اور اس کے ذریعہ رفاہ عام کے کاموں کو نمایاں حیثیت دی جائے۔ اسی طرح موجودہ رجحانات و نظریات میں اسلامی روح و مقصد کے پیش نظر فراخ حوصلگی سے کام لیا جائے نیز بتدریج مختلف تدبیروں (تعلیم و تربیت وغیرہ) کے ذریعہ اعتدال و توازن پیدا کرنے کی کوشش ہوتی رہے تو بآسانی مشکلات پر قابو پانے کی راہیں نکل سکتی ہیں اور منزل بہ منزل خلافت تک پہنچنے میں زیادہ دشواری نہیں رہتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الحکمۃ ضالۃ المومن حیث وجدھا فھو احق بھا (الحدیث

حکمت و دانائی مومن کی گم شدہ چیز ہے جہاں بھی اسکو پائے وہ سب سے زیادہ مستحق ہے

اس حدیث میں جس طرح "مومن" کی طرف اضافت سے اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ فیصلہ کرنے سے احساس کمتری میں مبتلا نہ ہو کہ وہ اسی کی چیز ہے اس سے زیادہ اس بات کی رعایت ہے کہ مومن کو فراخ حوصلہ اور وسیع النظر ہونا چاہیئے۔

مودودی صاحب

۲۔ اس زمانے میں اسلامی نظام کو جو چیز نافذ ہونے سے روک رہی ہے اور جو رجحانات اور نظریات اس کے راستے میں سدِ راہ ہیں ان کا اگر تجزیہ کر کے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ انہیں مسلمان ملکوں پر مغربی قوموں کے طویل سیاسی غلبہ نے پیدا کیا ہے۔ مغربی قومیں جب ہمارے ملکوں پر مسلط ہوئیں تو انہوں نے ہمارے قانون کو ہٹا کر اپنا قانون ملک میں رائج کیا۔ ہمارے نظام تعلیم کو معطل کر کے اپنا نظام تعلیم رائج کیا۔ تمام چھوٹی بڑی ملازمتوں سے اُن سب لوگوں کو برطرف کیا

Marfat.com

ہمارے تعلیمی نظام کی پیداوار تھے اور ہر ملازمت ان لوگوں کے لیے مخصوص کردی جو اُن کے قائم کردہ نظام تعلیم سے فارغ ہوکر نکلے تھے۔ معاشی زندگی میں بھی اپنے ادارے اور طور طریقے رائج کئے اور معیشت کا میدان بھی رفتہ رفتہ اُن لوگوں کے لئے مخصوص ہوگیا جنہوں نے مغربی تہذیب و تعلیم کو اختیار کیا تھا۔ اس طریقہ سے انہوں نے ہماری تہذیب اور ہمارے تمدن اور اس کے اصولوں اور نظریات سے انحراف کرنے والی ایک نسل خود ہمارے اندر پیدا کردی جو اسلام اور اس کی تاریخ۔ اس کی تعلیمات اور اس کی روایات ہر چیز سے عملی طور پر بھی بیگانہ ہے اور اپنے رجحانات کے اعتبار سے بھی بیگانہ۔ یہی وہ چیز ہے جو دراصل ہمارے اسلام کی طرف پلٹنے میں مانع ہے اور یہی اس غلط فہمی کا موجب بھی ہے کہ اسلام اس وقت قابل عمل نہیں ہے۔ جن لوگوں کو ساری تعلیم اور تربیت غیر اسلامی طریقے پر دی گئی ہو وہ آخر اس کے سوا اور کہہ بھی کیا سکتے ہیں کہ اسلام قابل عمل نہیں ہے۔ کیونکہ نہ تو وہ اسلام کو جانتے ہیں اور نہ اس پر عمل کرنے کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔ جس نظام زندگی کے لئے وہ تیار کئے گئے ہیں اس کو وہ قابل عمل تصور کرسکتے ہیں۔ اب لامحالہ ہمارے لئے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں۔ یا تو ہم من حیث القوم کافر ہو جانے پر تیار ہو جائیں اور خواہ مخواہ اسلام کا نام لے کر دنیا کو دھوکا دینا چھوڑ دیں۔ یا پھر خلوص اور ایمانداری کے ساتھ (منافقانہ طریق سے نہیں) اپنے موجودہ نظام تعلیم کا جائزہ لیں اور اس کا پورے طریقہ سے تجزیہ کرکے دیکھیں کہ اس میں کیا کیا چیزیں ہم کو اسلام سے منحرف بنانے والی ہیں اور اس میں کیا تغیرات کئے جائیں جن سے ہم ایک اسلامی نظام کو چلانے کے قابل لوگ تیار کرسکیں۔ مجھے بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے تعلیمی کمیشن نے اس مسئلہ کی طرف کوئی اچٹتی ہوئی توجہ بھی

Marfat.com

نہیں کی۔ یہ مسئلہ بڑی سنجیدگی سے غور کرنے کے قابل ہے اور جب تک ہم اسے حل نہیں کر لیں گے اس وقت تک اسلامی نظام کے نفاذ کی راہ کبھی ہموار نہ کر سکیں گے۔

ابن خلدون کے کسی نظریہ کی طرف رجوع کرنے سے اس مسئلہ کے حل کرنے میں مدد نہیں مل سکتی کیونکہ اس مسئلہ کی جو نوعیت اب پیدا ہوئی ہے وہ ابن خلدون کے زمانے میں پیدا نہیں ہوئی تھی مسئلہ کی حقیقی نوعیت یہ ہے کہ مغربی استعمار رخصت ہوتے ہوئے ہمارے ملکوں میں اُس نسل کو حکمران بنا کر چھوڑ گیا ہے جس کو اس نے اپنی تعلیم اور اپنی تہذیب کا دودھ پلا پلا کر اس طرح تیار کیا تھا کہ وہ جسمانی حیثیت سے تو ہماری قوم کا حصّہ ہے لیکن علمی اور ذہنی اور اخلاقی اعتبار سے انگریزوں فرانسیسیوں یا ولندیزیوں کا پورا جانشین ہے۔ اس طبقہ کی حکومت جو مشکلات پیدا کرتی ہے ان کو رفع کرنے کا معاملہ ایک پیچیدہ معاملہ ہے جسے حل کرنا ابن خلدون کے نظریات کا کام نہیں۔ اس کے لئے بڑے سنجیدہ غور و فکر کی اور حالات کو سمجھ کر اصلاح کے لئے نئی راہیں نکالنے کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

سوال نمبر ۳

اگر اسلامی نظریۂ حکومت کی افادیت بین الاقوامی طور پر عوامی جمہوریت کی شکل میں تسلیم کرلی جائے تو

(ا) بالخصوص مسلم ممالک میں کیا سربراہ حکومت (The Head of the State) ایک مسلمان کے علاوہ ایک غیر مسلم بھی (خواہ قائم مقام سربراہ ملک کی حیثیت سے ہی) عہدہ سنبھال سکے گا؟ یا

(ب) اس وقت قانون ساز اسمبلی کا اسپیکر غیر مسلم چنا جا سکے گا؟

(ج) یا عدلیہ کے کسی منصب پر فائز ہو سکے گا جیسا کہ پاکستان میں ایک رومن کیتھولک عیسائی (اپنی انصاف پسندی، قابلیت seniority کی بناء پر) چیف جسٹس جیسے اعلیٰ ترین منصب پر فائز ہے؟

(د) اگر اسلامی مملکت میں یہی نظم قائم رہے۔ کیونکہ تمام ڈھانچہ (Set-up) یکدم بدل دینا ممکن نہ ہوگا۔ تو کیا پھر بھی قابلیت پر مذہب کو ہی ترجیح دینا اس ترقی یافتہ دور میں مبنی بر انصاف ہوگا؟

الٰہی صاحب

س۔ حکومتیں عموماً دو بنیادوں پہ قائم ہوتی ہیں۔

(۱) قوم و وطن رنگ و نسل اور فرقہ کی بنیاد پہ (۲) اصول و نظریات کی بنیاد پر۔

اول الذکر میں حکومت کی پالیسی اور دستوری پوزیشن چند اشخاص طے کرتے ہیں اور حالات و تقاضہ کے مناسب ان کے خیال میں جو صورت حال مناسب ہوتی ہے وہ اس کو اختیار کرتے جاتے ہیں۔ اور ثانی الذکر میں بنائے کار اصول و نظریات ہوتے ہیں۔ حکومت کا مزاج انہیں سے بنتا ہے اور انہیں سے اخذ کی ہوئی وہ روح و پالیسی ہوتی ہے جو حکومت کے ذریعہ فروغ حاصل کرتی ہے اس میں قوم و وطن رنگ و نسل اور فرقہ یہ پوزیشن نہیں اختیار کرتے ہیں کہ ان کی وجہ سے اصولی حکومت کی نوعیت میں تبدیلی کی جائے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ اس کی افادیت اور غیر جارحیت کا ثبوت فراہم کرکے ان اضافتوں کو ثانوی حیثیت دینے کی کوشش ہوتی ہے۔

"سربراہ حکومت" کئی حیثیتوں سے مرکز توجہ ہوتا ہے اگر وہ اصول و نظریات کا حامل نہ ہو تو حکومت کی صیانت و حفاظت کے لئے فطری طور پر جس قسم کی حمیت و غیرت درکار ہے وہ اس میں برقرار نہیں رہ سکتی ہے شخصی مفاد کی خاطر جس طرح قوم و وطن کو قربان کرنے کی مثالیں موجود ہیں اسی طرح قوم کی خاطر شخصی مفاد کو قربان کرنے کی مثالیں بھی بکثرت پائی جاتی ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ اصول و نظریات پر ایمان سے جو حمیت و غیرت پیدا ہوتی ہے اور قیام و بقاء کی جد و جہد میں جس حیثیت سے وہ اثر انداز ہوتی ہے اس کا بدل اور کسی وجہ سے پیدا ہونے والی حمیت و غیرت نہیں کر سکتی ہے۔

Marfat.com

اسی طرح حکومت کی مضبوطی واستواری کے لئے ضروری ہے کہ عوام میں اس کا احترام برقرار رہے یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ سربراہ حکومت اصول ونظریات پر ایمان رکھتا ہو ورنہ بصورت دیگر عوام سے حکومت کی گرفت ڈھیلی ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔

غرض داخلی وخارجی متعدد وجوہ کی بناء پر تاریخ کے ہر دور میں اور آج بھی ہر اصولی ونظریاتی حکومت میں سربراہ کے لئے اصول ونظریات کا حامل ہونا ضروری قرار دیا جاتا ہے۔

مسلم حکومت اگر قوم ووطن کی بنیاد پر نہیں بلکہ اصول ونظریات کی بنیاد پر قائم ہوئی ہے اور بتدریج اس کو خلافت کے عالمگیر اصول اور عمومی رحمت کو بروئے کار لانا ہے تو سربراہ حکومت کا مسلم (اصول ونظریات پر ایمان والا) ہونا ضروری ہے۔

قرآن حکیم میں ہے۔ یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولوا الامر منکم ———— ترجمہ:۔ اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اللہ کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور ان کی اطاعت کرو جو تم میں صاحب حکم و اختیار ہوں۔

یہ خطاب ایمان والوں سے ہے اور کم ضمیر مخاطب کی ہے جس سے اہل ایمان مراد ہیں۔

۲۔ حکومت کے مرحلہ میں سربراہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ حکومت کے معاملات و کاروبار سے تجربی واقف ہو اور حمیت وغیرت ہو کہ جس کی بناء پر عوام میں اس کا احترام برقرار رہے نیز مزاحمت ومدافعت کے وقت پرجوش اور مضبوط قدم اٹھانے میں جھجک نہ محسوس کرے۔

اس مرحلہ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ پورے معاشرہ میں وہ سب سے افضل و

Marfat.com

اعلیٰ اور کردار کے لحاظ سے سب سے بلند ہو۔ قرآن حکیم میں "جالوت و طالوت کا واقعہ مذکور ہے ۲ : ۲۴۹ ۔ طالوت کو حکومت و فرمانروائی کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت سموئیل نبیؑ موجود ہیں جو سب سے اعلیٰ و افضل اور کردار کے لحاظ سے سب سے بلند ہیں۔ اس واقعہ میں حکومت و فرمانروائی کے اصولی تقسم کی دو صلاحیتوں کا ذکر ہے۔ فی العلم والجسم ۲ = ۲۴۹ یعنی دماغی و جسمانی قابلیت کے اس کے ذریعہ حکومت کے کاروبار بخوبی انجام پا سکیں نہ کہ مال و دولت اور نسل و خاندان کا شرف۔

البتہ خلافت کے مرحلہ میں "سربراہ" کی حیثیت معاشرہ میں مقتدا و پیشوا کی ہوتی ہے اس لئے اس کو ہمہ صفات کے ساتھ متصف ہونا اور سب سے اعلیٰ و افضل ہونا ضرور قرار دیا جائے جیسا کہ کتب متداولہ میں مذکور ہے۔

سوال کی بقیہ جزئیات گذشتہ تفصیلات سے حل کی جا سکتی ہیں۔

مودودی صاحب

۳۔ اگر اسلامی نظریہ پہ کوئی حکومت قائم ہو تو اس کا سربراہ مملکت یا چیف جسٹس یا اس کی قانون ساز اسمبلی کا صدر کوئی غیر مسلم نہیں ہو سکتا۔ اس کے معنی قابلیت پہ مذہب کو ترجیح دینے کے نہیں ہیں۔ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ ایک نظریاتی مملکت میں اس طرح کے مناصب صرف انہی لوگوں کو دیئے جا سکتے ہیں جو اس کے بنیادی نظریہ کو مانتے ہوں۔ نظریاتی مملکت میں قابلیت محض علمی قابلیت کا نام نہیں ہوتا بلکہ اس میں اس نظریہ کو جس پہ مملکت قائم کی گئی ہے جاننا اور اس کی اسپرٹ کو سمجھنا اور ایمانداری کے ساتھ اس کو عمل میں لانا بھی قابلیت ہی کا ایک لازمی جزو قرار دیا جاتا ہے۔ اس پر اگر کسی کو اعتراض

Marfat.com

تو ہمیں بتایا جائے کہ انگلستان میں کیا ایک رومن کیتھولک بادشاہ ہو سکتا ہے یا امریکہ میں کسی کمیونسٹ کو صدارت کا منصب دیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ نہیں ہو سکتا تو پھر ہم پر اعتراض کیوں کیا جاتا ہے۔

:

سوال ۴

اسلامی مملکت میں غیر مسلم فرقوں کو مثلاً عیسائی، یہودی، بدھ، جین، پارسی، ہندو وغیرہ کو دیگر مسلمانوں کی طرح پورے حقوق حاصل ہوں گے؟

(ا) کیا ان کو اپنے مذہب کی تبلیغ بھی اسی طرح کرنے کی اجازت ہو گی جیسا کہ آج کل پاکستان اور دیگر ممالک میں کھلے بندوں پرچار ہوتا ہے؟

(ب) کیا اسلامی مملکت میں ایسے مذہبی یا نیم مذہبی ادارے مثلاً ادارہ مکتی فوج (Salvation Army) یا کیتھڈرل، کانونٹ، سینٹ جان، سینٹ فرانسز وغیرہ جیسے ادارے کیا قانوناً بند کر دیئے جائیں گے (جیسا کہ حال میں سیلون میں ہوا یا دو ایک ممالک میں ہو چکا ہے)؟

(ج) فراخدلی سے مسلمان بچوں کو وہاں بھی ماڈرن ایجوکیشن حاصل کرنے کی عام اجازت ہو گی؟

(د) کیا اس صورت میں بھی ان اقلیتی فرقوں سے جزیہ وصول کرنا مناسب ہو گا۔ (عالمی حقوق انسانی کی روشنی میں جی) جبکہ وہ نہ صرف فوج بلکہ سرکاری عہدوں پر فائز اور حکومت کے وفادار ہوں۔؟

Marfat.com

امینی صاحب

۴۔ تمام اقلیتی فرقوں کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ ملکی حقوق میں کسی قسم کی تخصیص و ترجیح کی صورت نہ پیدا کی جائے گی جس نظام کی بنیاد نفس انسان کی فلاح و بہبود پر ہو "الناس کلہم اخوۃ" (تمام انسان بھائی بھائی ہیں)۔ اس میں تخصیص و ترجیح کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔ خلافت راشدہ کی بیشمار مثالیں ثبوت کے لئے موجود ہیں۔ حالات اگر اجازت دیں اور وہ خود مختار وحدت کی شکل میں آنا چاہیں تو اس کا بھی ثبوت موجود ہے چنانچہ کلیسیائی تاریخ و جغرافیہ کے قاموس میں ایک رومن کیتھولک پادری نے لکھا ہے۔

"مسلمان عربوں کو یعقوبی (جاکوبائٹ) عیسائیوں نے بھی اپنے نجات دہندوں کی حیثیت سے ہاتھوں ہاتھ لیا مسلمانوں کی سب اہم جدّت جس کا یعقوبی عیسائیوں نے دلی خوشی سے استقبال کیا یہ تھی کہ انہوں نے ہر مذہب کے پیروؤں کو ایک خود مختار وحدت قرار دیا اور اس مذہب کے روحانی سرداروں کو ایک بڑی تعداد میں دنیاوی اور عدالتی اقتدارات عطا کئے"۔ [1]

دراصل موجودہ دور کی اقلیتوں کی حیثیت معاہدین جیسی ہے اور تقریباً وہی پوزیشن ہے جو مدینہ میں رسول اللہ کے ہجرت کرنے کے بعد دیگر مذاہب والوں کی تھی اور رسول اللہ نے ان کے لئے فرمایا تھا۔

---

[1] عہد نبوی میں نظام حکمرانی بحوالہ ہسٹری آف دی لا آف نیشن۔

Marfat.com

انھم امۃ واحدۃ [۲] "یہ سب لوگ (جن کے آپس میں معاہدہ ہوا ہے) ایک ہی امت سمجھے جائیں گے"۔

مدینہ مختلف قبیلوں اور مختلف مذہبوں کا مجموعہ تھا معاہدہ کے مطابق ہمیشہ ان کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کیا گیا ان سب لوگوں کو زمانۂ خلافت میں عدالتی و قانونی خود مختاری حاصل تھی۔ البتہ انہیں اس بات کی اجازت تھی کہ اپنی خوشی سے چاہیں تو اسلامی عدالت میں مقدمہ پیش کر سکتے ہیں چنانچہ اس قسم کے بعض مقدمات کی سماعت رسول اللہ نے خود فرمائی تھی اور ان کے قانون شخصی کے مطابق فیصلہ دیا تھا۔ [۳]

مذہبی مراسم و احکام کی بھی اقلیتوں کو پوری آزادی حاصل ہوگی اس کے ثبوت میں بھی بے شمار مثالیں موجود ہیں ان اقلیتوں کی حیثیت تو معاہدین کی ہے اسلام نے جن پر غلبہ سے فتح حاصل کی تھی ان کے ساتھ جو سلوک کیا وہ تاریخ میں ضرب المثل ہے جیسا کہ ابو عبید [۴] ممالک مفتوحہ کے ذکر کے بعد کہتے ہیں۔

فھذہٖ بلادُ العنوۃ واقرا ھلھا فیھا علیٰ ملکھم وشرائعھم

یہ تمام ممالک غلبہ سے فتح کئے گئے تھے اور ان کے باشندے اپنے اپنے مذہب اور رسم و رواج پر باقی رکھے گئے تھے۔ [۵]

ایک دوسرے موقع پر انہیں لوگوں کے تذکرہ میں ہے۔

فھم احرارٌ فی شھاداتھم ومناکحاتھم ومواریثھم وجمیع احکامھم

یہ سب لوگ اپنی شہادتوں نکاح کے معاملوں میں وراثت کے قانون میں غرض اپنے تمام پرسنل قوانین میں آزاد تھے۔ [۶]

---

[۲] سیرت ابن ہشام جلد ۱ و کتاب الاموال لابی عبید ص ۲۰۴، ۲۰۵ [۳] اسلام کا زرعی نظام [۴] رسول اللہ کی سیاسی زندگی [۵] الاموال ص ۱۵ [۶] حوالہ بالا ص ۱۰۴

Marfat.com

فقہ اسلامی میں یہاں تک تصریح ہے کہ اگر کوئی مسلم ان کے خنزیر یا شراب کو تلف کردے تو اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

ویضمن المسلم قیمة خمرہ وخنزیرہ اذا اتلفہ

مسلمان خمر اور خنزیر کو تلف کردے تو اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

غرض کسی حیثیت سے بھی حکومتی سطح پر ان کے پرسنل معاملات میں دخل اندازی نہ کی جائے گی جس نظام نے فوجیوں کو یہ تاکید کی ہو کہ

ولا تنزراً معاهداً ابرة فمافوقها[۶] کوئی فوجی کسی معاہد کی سوئی یا اس سے کمتر کسی شئی کا بھی نقصان نہ کرے۔

اس میں کسی ظلم وزیادتی یا حق تلفی کی کیا گنجائش رہ سکتی ہے اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں جو آج بھی دنیا کے لئے درس عبرت ہیں[۳]

ملکی ومذہبی حقوق میں مساوات کا اندازہ درج ذیل تصریح سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ ایک نسطوری پادری نے خلافت راشدہ کے زمانہ میں جو تاثرات قلمبند کئے تھے وہ یہ ہیں

یہ طائی (عرب) جنہیں خدا نے آج کل حکومت عطا فرمائی ہے جو ہمارے بھی مالک بن گئے ہیں لیکن وہ عیسائی مذہب سے مطلق برسرپیکار نہیں ہیں بلکہ اس کے برخلاف وہ ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں ہمارے پادریوں اور مقدس لوگوں کا احترام کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں اور کلیساؤں کو جاگیریں عطا کرتے ہیں[۴]

اقلیتوں کو اپنے اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت ہوگی اور ان کے ہر قسم کی تعمیری خدمات کی حوصلہ افزائی کی جائیگی۔ البتہ جارحانہ طرز عمل کی اجازت کسی مذہب والوں کو نہ

---

[۳] ملاحظہ ہو اسلام کا زرعی نظام صہ ۵۴، ۵۵ وغیرہ [۴] عہد نبوی میں نظام حکمرانی صہ ۱۴۸ بحوالہ پادری اسمعانی اور وخوبے کی کتاب۔ [۶] الاموال صہ ۱۵۱

دی جائے گی۔

اسلامی نظام میں "لا اکراہ فی الدین" کا عام اعلان میں مذہبی افادیت وصلاحیت خود بخود اس کی طرف آنے پر مجبور کرے گی۔

معاہدات میں درج ذیل الفاظ پائے جاتے ہیں جن سے تبلیغ کی اجازت کا ثبوت ملتا ہے۔

ولا یحال بینھم وبین شرائعھم[۲] انکے اور مذہبی امور کے درمیان حائل نہ بنایا جائیگا

جزیہ دراصل جان ومال کی حفاظت کا معاوضہ تھا اس زمانہ کے حالات کے مطابق مقامی طور پر حفاظت کے لئے مستقل فوج کی ضرورت ہوتی تھی اس حفاظت کے عوض میں جزیہ کے نام سے ٹیکس وصولی کرنے کا دستور قدیم زمانہ سے چلا آرہا تھا۔ جب یہ حفاظت نہ ہوسکتی تو وصول کیا ہوا یہ ٹیکس بھی واپس کردیا جاتا تھا چنانچہ ابوعبیدہؓ نے شہر کے حاکموں کو یہ فرمان لکھا تھا

ان یّردوا علیھم ما جبی بھم من الجزیۃ والخراج

کہ خراج اور جزیہ کی جو رقم وصول کرچکے ہیں وہ واپس کردیں اور یہ کہہ دیں

انکم قد اشترطتم علینا ان نمتعکم وانا لا نقدر علی ذلک وقد رددنا علیکم ما اخذنا منکم ونحن لکم علی الشرط

"ہم اس شرط کو نہ پورا کرسکیں گے جس کا تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہاری حفاظت ہمارے ذمہ ہے اب ہم اس کی قدرت نہیں رکھتے ہیں۔ اس لئے جو کچھ وصول کیا تھا واپس ہے اور ہم اپنے شرط پر بدستور قائم ہیں۔"

اسی طرح جو لوگ فوج میں شریک ہوکر حفاظت میں مدد کرتے تھے ان سے جزیہ بھی نہ لیا

---

[۲] طبری بحوالہ الفاروق [۳] کتاب الخراج ص ۷۲

جاتا تھا۔ خود حضرت عمرؓ نے فوج میں شرکت کرنے والوں کے بارے میں عراق کے افسروں کو لکھا تھا۔

ویرفعوا عنھم الخراج ۴؎ ان سے جزیہ ہٹا دو۔

اگر سال میں ایک مرتبہ شرکت ہوجاتی تو پورے سال کا جزیہ معاف ہوجاتا تھا۔

وضع عنہ جزاء تلک السنۃ ۵؎ اس سال کا جزیہ معاف کردیا جاتا۔

غرض جزیہ جان ومال کی حفاظت کا معاوضہ تھا نہ کہ مذہبی ٹیکس۔ اسلامی حکومت میں چونکہ اقلیتیں فوج میں شریک اور ملکی حفاظت ومدافعت میں حصہ دار ہوں گی اس بنا پر موجودہ دور میں ان سے مخصوص جزیہ وصول کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔

مودودی صاحب

۴۔ اسلامی مملکت میں غیر مسلم گروہوں کو تمام مدنی حقوق (Civil Rights) مسلمانوں کی طرح حاصل ہوں گے۔ مگر سیاسی حقوق (Political Rights) مسلمانوں کے برابر نہیں ہوسکتے۔ اور اس کی وجہ وہی ہے جو اوپر سوال نمبر ۳ میں بیان کی گئی ہے۔ اسلام میں ریاست کے نظام کو چلانا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور مسلمان اس بات پر مامور ہیں کہ جہاں بھی ان کو حکومت کے اختیارات حاصل ہوں وہاں وہ قرآن اور سنت کی تعلیمات کے مطابق حکومت کا نظام چلائیں۔ چونکہ غیر مسلم نہ قرآن اور سنت کی تعلیمات پر یقین رکھتے ہیں اور نہ اس کی اسپرٹ کے مطابق ایمانداری سے کام چلا سکتے ہیں اس لئے وہ اس ذمہ داری میں شریک نہیں کئے جا سکتے البتہ نظم ونسق میں ایسے عہدے ان کو دئے جا سکتے ہیں جن کا کام پالیسی بنانا نہ ہو۔ اس معاملہ میں

۴؎ طبری ۵؎ حوالہ بالا

Marfat.com

غیر مسلم حکومتوں کا طرزِ عمل منافقانہ ہے اور اسلامی حکومت کا طرزِ عمل صاف صاف ایماندارانہ۔ مسلمان اس بات کو صاف صاف کہتے ہیں اور اس پر عملدرآمد کرتے ہیں خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری ملحوظ رکھتے ہوئے غیر مسلموں کے ساتھ انتہائی شرافت اور فراخ دلی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ غیر مسلم بظاہر کاغذ پر قومی اقلیتوں (National minorities) کو سب قسم کے حقوق دے دیتے ہیں مگر عملاً انسانی حقوق تک نہیں دیتے۔ اس میں اگر کسی کو شک ہو تو دیکھ لے کہ امریکہ میں سیاہ فام لوگوں (Negroes) کے ساتھ اور روس میں غیر کمیونسٹ باشندوں کے ساتھ اور چین و ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ خواہ مخواہ دوسروں سے شرما کر ہم اپنے مسلک کو صاف صاف کیوں نہ بیان کریں اور اس پر صاف صاف کیوں نہ عمل کریں۔

جہاں تک غیر مسلموں کی تبلیغ کا معاملہ ہے اس کے بارے میں یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ جب تک ہم بالکل خودکشی کے لئے ہی تیار نہ ہو جائیں ہمیں یہ حماقت نہ کرنی چاہئے کہ اپنے ملک کے اندر ایک طاقتور اقلیت پیدا ہونے دیں جو غیر ملکی سرمایہ سے پرورش پاتے اور بڑھے اور جس کی پشت پناہی بیرونی حکومتیں کر کے ہمارے لئے وہی مشکلات پیدا کریں جو ایک مدت دراز تک ترکی کے لئے عیسائی اقلیتیں پیدا کرتی رہی ہیں۔

عیسائی مشنریوں کو یہاں مدارس اور ہسپتال جاری رکھ کر مسلمانوں کے ایمان خریدنے کی کوشش کرنے اور مسلمانوں کی نئی نسلوں کو اپنی ملت سے بیگانہ (De-Nationalise) کرنے کی کھلی اجازت دینا میرے نزدیک قومی خودکشی ہے ہمارے حکمران اس معاملے میں انتہائی کم نظری کا ثبوت دے رہے ہیں۔ ان کو قریب کے فائدے تو نظر آتے ہیں مگر دور رس نتائج دیکھنے سے ان کی آنکھیں عاجز ہیں۔

Marfat.com

اسلامی حکومت میں غیر مسلموں سے جزیہ لینے کا حکم اُس حالت کے لئے دیا گیا ہے جبکہ وہ یا تو مفتوح ہوتے ہوں یا کسی معاہدہ کی رو سے جزیہ دینے کی واضح شرط پر اسلامی حکومت کی رعایا بنائے گئے ہوں۔ پاکستان میں چونکہ یہ دونوں صورتیں پیش نہیں آئی ہیں۔ اس لئے یہاں غیر مسلموں پر جزیہ عائد کرنا میرے نزدیک شرعاً ضروری نہیں ہے۔

❖

سوال ۵

کیا اسلامی ملک میں اُن مغربی مستشرقین غیر مسلم اسکالرز اور پروفیسروں کو تعلیم یا تقریر کے لئے مدعو کیا جا سکتا ہے۔ جنہوں نے اپنے نقطۂ نظر سے اسلام کے موضوعات پر کتابیں لکھتے ہوئے نہ صرف اسلام پر بے جا تنقیدی تبصرے کئے ہیں بلکہ عمداً یا کم علمی و تعصب سے اسلامی تاریخ لکھنے میں حضور اکرم، اہل بیت، خلفائے راشدین، صحابہ کرام و آئمہ کرام (جن پر اسلام اور مسلمانوں کو فخر ہے۔) کی شان میں نازیبا فقرات لکھ کر ہدف ملامت بنایا ہے۔ مثلاً امریکی و برطانوی قابل ترین پروفیسروں کی نظر ثانی شدہ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں بھی دیگر اعتراضات کے علاوہ رسول مقبول کی ازواج مطہرات کو (concubines) (لونڈیاں) لکھا ہے

(ا) ان میں اکثر کے یہاں آ کر لیکچر اور خطبات دینے اور ان کی تشہیر کرنے پر کیا اسلامی حکومت بالکل پابندی عائد نہ کر دے گی؟

(ب) ان کتابوں اور زہر آلودہ لٹریچر کی ہماری لائبریریوں میں موجودگی گوارا کی جا سکتی ہے؟ حکومت ان کے جوابات و تردید شائع کرنے، اُن کی تصحیح کرانے یا اُن سے رجوع کرانے کے لئے کیا اقدام کر سکتی ہے؟

Marfat.com

امینی صاحب

(۵) اسلامی تذکرات۔ اس کی افادی حیثیت کی رونمائی۔ تعلیمات کی نشر و اشاعت افادہ و استعادہ کے مواقع فراہم کرنا وغیرہ بہرحال حکومت کے فرائض میں داخل ہوں کہ اس کے بغیر وہ اپنی حکومتی پوزیشن برقرار ہی نہیں رکھ سکتی ہے، مشنری طرز کی تنظیم و رفاہ عام کے کاموں کا بندوبست بھی ضروری ہوگا۔

اسی طرح اس سلسلہ میں لوگوں کے جو شکوک و شبہات ہوں گے ان کو دور کرنے کی تدبیریں کرنا اور ایسی سہولتیں فراہم کرنا کہ آزادانہ غور و فکر کے ذریعہ اصل حقیقت تک وہ پہنچ سکیں یہ بھی حکومت کے لئے ضروری ہوگا۔ البتہ کسی مذہب و ملت کی ایسی جارحانہ پوزیشن نہ برداشت کی جا سکے گی کہ جس سے توہین لازم آتی ہو یا افہام و تفہیم کی حیثیت مجروح ہو۔ علم و عقل کی روشنی میں جائز اور مہذب تنقید کو انگیز کر کے افہام و تفہیم کی صورتیں ضرور نکالی جائیں گی۔

مودودی صاحب

یہ زمانے کے انقلابات ہیں۔ ایک وقت وہ تھا کہ یورپ کے عیسائی اندلس (Spain.) جا کر مسلمانوں سے انجیل کا سبق لیا کرتے تھے۔ اب معاملہ ہو گیا ہے کہ مسلمان یورپ والوں سے پوچھتے ہیں کہ اسلام کیا ہے اور اسلام کی تاریخ اور اس کی تہذیب کیا ہے حتیٰ کہ عربی زبان بھی مغربی مستشرقین سے سیکھی جاتی ہے مغربی ممالک سے استاد درآمد کر کے ان سے اسلامی تاریخ پڑھوائی جاتی ہے اسلام اور مسلمانوں کے متعلق جو کچھ وہ لکھتے ہیں نہ صرف اسے پڑھا جاتا ہے بلکہ اس پر ایمان بھی لایا جاتا ہے حالانکہ یہ لوگ خود اپنے مذہب اور اس کی

Marfat.com

تاریخ کے متعلق اپنے ہم مذہبوں کے سوا کسی کی رائے کو ذرہ برابر دخل دینے کی اجازت نہیں دیتے۔ یہودیوں نے اپنی انسائیکلوپیڈیا (Jewish Encyclopaedia) شائع کی ہے اور اس میں کوئی ایک مضمون (Article) بھی کسی مسلمان تو درکنار کسی عیسائی مصنف کا بھی نہیں ہے۔ بائبل کا ترجمہ بھی یہودیوں نے اپنا کیا ہے۔ عیسائیوں کے ترجمے کو وہ ہاتھ نہیں لگاتے۔ اس کے برعکس یہودی مصنفین اسلام کے متعلق مضامین اور کتابیں لکھتے ہیں اور مسلمان ہاتھوں ہاتھ ان کو لیتے ہیں اور ان کا یہ حق مانتے ہیں کہ ہمارے مذہب اور ہماری فقہ اور ہماری تہذیب اور ہمارے بزرگوں کی تاریخ کے متعلق وہ محققانہ کلام فرمائیں اور ہم یہ چیزیں ان سے سیکھیں۔ یہ صورت حال کسی صحیح اسلامی حکومت میں نہیں رہ سکتی اور نہ رہنی چاہیئے اور کوئی وجہ نہیں کہ رہ سکے۔ اسلامی حکومت بھی ہو اور اسلام اور مسلمان یتیم بھی ہوں؟ یہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے بالکل متضاد ہیں۔ یہ رویہ مسلمانوں کی غیر اسلامی حکومت ہی کو مبارک رہے۔

Marfat.com

سوال ۶

کیا اسلامی حکومت موجودہ دور میں جبکہ ایک ملک دوسرے ملک سے قطع تعلق کر کے ترقی نہیں کر سکتا غیر ممالک سے مطلق اقتصادی، فوجی، ٹیکنیکل امداد یا بین الاقوامی بنک سے شرح سود پر قرض لینا بالکل حرام قرار دے گی؟

(ا) پھر مادی، صنعتی زراعتی وسائنسی ترقی وغیرہ کی جو عظیم خلیج مغربی ترقی یافتہ (Advanced) ممالک اور مشرقی وسطی بالخصوص اسلامی ممالک یا اس ایٹمی دور میں Have اور Have not کے درمیان حائل ہے کس طرح پر ہو سکے گی؟

(ب) نیز کیا اندرون ملک تمام بینکنگ وانشورنس سسٹم ترک کرنے کا حکم دیا جائے گا

(ج) سود، پگڑی، منافع وربع اور گڈول (Good Will) وخرید وفروخت دلالی وکمیشن کے لئے کونسی اجتہادی راہ نکالی جا سکتی ہے؟

(د) کیا اسلامی ممالک آپس میں سود، منافع، ربع وغیرہ پر کسی صورت میں قرض لین دین کر سکتے ہیں؟

امینی صاحب

۶۔ جدید ضروریات کے ماتحت جو جدید حالات و مسائل درپیش ہوں گے ان میں مقصد کو برقرار رکھتے ہوئے بتدریج متوازن راہ نکالے بغیر چارہ نہ ہوگا۔ ابتدا میں لازمی طور سے مقصد تک پہنچنے کے لئے بہت سی ایسی چیزیں قبول کرنی یا نظر انداز کرنی ضروری ہوں گی جو آگے چل کر اپنی موجودہ پوزیشن میں نہ باقی رہ سکیں گی۔ اس طرح بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چیزوں کو نظر انداز کرنے کی گنجائش ہوگی۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کڑی شرطیں منظور فرمائی تھیں اس میں اسلامی سیاست خارجہ اور بیرونی ممالک سے تعلقات استوار رکھنے کے سلسلہ میں واضح مثالیں موجود ہیں۔ [1]

اسی طرح ترک و قبول کے مرحلہ میں معاشرتی اصول و کوائف پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس کا ثبوت درج ذیل واقعہ میں ہے۔ حطیم خانہ کعبہ کا ایک حصہ تھا اور کعبہ سے علیحدہ تھا اس کے باوجود رسول اللہ نے اس کو کعبہ کے ساتھ نہیں شامل کیا اور اس کی وجہ یہ فرمائی۔

لولا حداثۃ عہد قومك باللہ لنقضت الکعبۃ ولجعلتہا علی اساس ابراہیم [2]

اگر تمہاری قوم نئی نئی کفر سے اسلام کی طرف نہ آئی ہوتی تو میں کعبہ توڑ کر اساس ابراہیمؑ پر اس کی تعمیر کراتا اور حطیم کو اس میں شامل کرتا۔

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اندرون ملک جو بہت سے کاروبار چل رہے ہیں اور ان کی وجہ سے اسلامی اقدار پامال ہو رہے ہیں۔ مرعوبانہ ذہنیت یا سہل

---

[1] ملاحظہ ہو اسلام کا زرعی نظام ص ۸۰ تا ۸۸ [2] مسلم ج ۱ ص ۴۲۹ اور عروج و زوال کا الٰہی نظام ص ۶۳

پسندی کی بنا پر ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے نہ ان میں متوازن صورت نکالنے کی کوشش ہو اور نہ ہی بتدریج ختم کرنے کی راہیں نکالی جائیں۔

اگر یہ صورت حال اسی طرح جاری رہی جس طرح مسلم ممالک میں ہے کہ بہت سے حالات و مسائل میں قابو پانے کے باوجود ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جا رہی ہے بلکہ مزید حوصلہ افزائی ہو رہی ہے تو موجودہ دور کے قاموس نگار یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ ان حکومتوں نے مذہب کو "سیاسی مذہب" کی پوزیشن میں اختیار کیا ہے۔ نہ کہ حقیقی مذہب کی۔

مودودی صاحب

اسلامی حکومت نے کسی دور میں بھی غیر مسلم ممالک سے قطع تعلق کی پالیسی اختیا نہیں کی اور نہ آج کرے گی۔ لیکن تعلق کے معنی قرض مانگتے پھرنے کے نہیں ہیں، او وہ بھی ان کی شرائط پر۔ یہ تعلق اس زمانے کے کم ہمت لوگوں نے ہی پیدا کیا ہے کسی ملک میں ایک صحیح اسلامی حکومت قائم ہو تو وہ مادی ترقی سے پہلے اپنی قوم کی اخلا حالت سدھارنے کی کوشش کرے گی۔ اخلاقی حالت سدھارنے کے معنی یہ ہیں قوم کے حکمران اور اس کی انتظامی مشنری کے کارپرداز اور قوم کے افراد ایماندار ہوں۔ ا حقوق سے پہلے اپنے فرائض کو ملحوظ رکھنے اور سمجھنے والے ہوں۔ اور سب کے سامنے ایک بلند نصب العین ہو جس کے لئے جان، مال اور وقت اور محنتیں اور قابلیتیں سب کچھ قربان کرنے کے لئے وہ تیار ہوں۔ نیز یہ کہ حکمرانوں کو قوم پر اور حکمرانوں پر قوم کو اعتماد ہو اور قوم ایمانداری کے ساتھ یہ سمجھے کہ اس کے سربراہ درحقیقت اس کی فلا کے لئے کام کر رہے ہیں۔ یہ صورت حال اگر پیدا ہو جائے تو ایک قوم کو باہر

Marfat.com

سود پر قرض مانگنے کی صورت پیش نہیں آسکتی. ملک کے اندر جو ٹیکس لگائے جائیں گے وہ سو فیصدی وصول ہوں گے اور سو فیصدی ہی وہ قوم کی ترقی پر صرف ہوں گے نہ ان کی وصول یابی میں بے ایمانی ہوگی اور نہ اُن کے خرچ میں بے ایمانی ہوگی۔ اس پر بھی اگر قرض کی ضرورت پیش آئے تو قوم خود سرمایہ کا ایک بڑا حصہ رضا کارانہ چندے کی صورت میں اور ایک اچھا خاصہ غیر سودی قرض کی صورت میں اور ایک حصہ منافع میں شرکت کے اصول پر فراہم کرنے کو تیار ہو جائے گی۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ پاکستان میں اگر اسلامی اصولوں کا تجربہ کیا جائے تو شاید بہت جلدی پاکستان دوسروں سے قرض لینے کے بجائے دوسروں کو قرض دینے کے لئے تیار ہو جائے۔

بالفرض اگر ہمیں بیرونی قوموں سے سود پر قرض لینے کی کوئی ناگزیر صورت پیش آ ہی جائے یعنی ہمیں اپنی ضرورت کو پورا کرنا بھی لازم ہو اور اس کے لئے ملک میں سرمایہ بھی نہ مل سکے، تو دوسروں سے سود پر قرض لیا جا سکتا ہے۔ لیکن ملک کے اندر سودی لین دین جاری رکھنے کا پھر بھی کوئی جواز نہیں۔ ملک میں سود بند کیا جا سکتا ہے۔ اور پورا مالی نظام (Financial System) سود کے بغیر چلایا جا سکتا ہے۔ میں اپنی کتاب "سود" میں یہ ثابت کر چکا ہوں کہ بنکنگ کا نظام سود کے بجائے منافع میں شرکت (Profit Sharing) کے اصول پر چلایا جا سکتا ہے۔ اسیطرح انشورنس کے نظام میں ایسی ترمیمات کی جا سکتی ہیں۔ جن سے انشورنس کے سارے فوائد غیر اسلامی طریقہ اختیار کئے بغیر حاصل ہو سکیں۔ دلالی، سود پگڑی یا کمیشن یا گڈ ول Good Will وغیرہ کی علیحدہ علیحدہ شرعی پوزیشن ہے جب اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آئے گا۔ تو اس کا جائزہ لے کر یا تو سابق پوزیشن

Marfat.com

بحال رکھی جائے گی یا پھر ضروری اصلاحات کی جائیں گی۔

○

سوال ۷

اِس برصغیر میں چونکہ تمام قانونی ضابطہ ہائے دیوانی، فوجداری، مالیاتی، اور عمل درآمد Procedural Law وغیرہ عرصہ سے ہر عدالت میں جاری ساری ہیں چونکہ ڈیڑھ صدی سے تمام لوگ بالخصوص جج و وکلا وغیرہ نہ صرف ان قوانین سے پوری طرح مانوس بلکہ اس کا وسیع علم رکھتے ہیں اسلئے بھی اسلامی مملکت کے قیام سے یہاں برطانوی دور کے نظام عدل British Rule of Law کا سارا ڈھانچہ بدلنا ممکن نہ ہو تو کیا پھر بھی عدالتی ریفارم لائی جائیں گی جبکہ اسلامی قانون کسی پہلو سے جامع مرتب یا مکمل اور مدّون Codified نہیں ہے؟

(ا) اسلامی عدالتی نظام میں وکلا کی حیثیت کیا ہوگی؟ کیا اسی طرح Procedural Law کے تحت انہیں مقدمہ جات لڑنے اور مقدمہ بازی Litigation کو طول دینے کا اختیار ہوگا؟

(ب) کیا اس موجودہ ترقی یافتہ دور میں بھی چور کے ہاتھ کاٹنے اور زانی کو سنگ سار کرنے کی سزائیں دی جائیں گی؟

(ج) کیا قاضیوں کو موجودہ نافذ قانون شہادت (Evidence Law) کی کے بغیر فیصلے صادر کرنے ہوں گے؟

(د) پھر بین الاقوامی قسم کے ادارے مثلاً اقوام متحدہ (United Nations) جنرل اسمبلی، سیکورٹی کونسل، بین الاقوامی عدالتِ انصاف یا کمرشل ٹریبونل اور بین

وغیرہ کی عمل داری دخل اندازی یا انٹرنیشنل لاء پر عمل پیرا ہونے اور ان کی من وعن قبولیت کے لئے اسلامی حکومت کا کیا رویہ ہوگا ؟

(س) اگر اسی قسم کے ادارے اسمبلی کنفیڈریشن یا اسلامی بلاک بنا کر عمل میں لائے جائیں تو ان کو کیا حیثیت حاصل ہوگی ؟

(ص) کیا اسلامی قانون ساز اسمبلی کے پاس شدہ یا اجتہادی احکام کی اسلامی عدلیہ کو نظر ثانی (review) کرنے کا اختیار ہوگا ؟

(ط) اسلامی ممالک اور تمام مسلمانوں کو ایک اسٹیج پر لانے کے لئے اختلافات کس طرح رفع کئے جا سکتے ہیں ؟

○

امینی صاحب

(۱۵) یہ کام بھی بتدریج کرنے کا ہے ابتدائی مرحلہ میں قانون کی "جدید تدوین" ہے۔ پھر اس کے مطابق تعلیم و تربیت کا انتظام ہے اور اس کے بعد نفاذ کا درجہ ہے قانون کے نفاذ میں بھی مختلف مراحل سے گذرنا لازمی ہے نہ بیک وقت سارے قانون نافذ ہو سکتے ہیں اور نہ ہی معاشرتی زندگی ان کی متحمل بن سکتی ہے۔

اسلامی قانون کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ معاشرتی احوال کے پیش نظر ان میں لچک اور ہر حالت کی مناسبت سے قانون موجود ہے چوری وغیرہ کی ابتداءً وہی سزائیں نافذ ہوسکیں گی۔ جو ابتدائی مراحل کے لئے مقرر ہیں۔

معاشرتی اصلاح اور اسلامی قانون کے نفاذ کے بعد "وکلا" کی حیثیت خود بخود متعین ہو جائے گی اور بڑی حد تک یہ اُن ضروریات کے حامل بن جائیں گے۔ جن کو معاشرہ کی ضرورت ہوگی۔ فریقین کی رہنمائی "مختار" کی حیثیت سے مقدمہ کی پیروی وغیرہ کا کام پھر بھی باقی رہے گا۔ جیسا کہ مسلم حکومتوں کے زمانہ میں وکیل الخصومۃ کے نام سے اسی قسم کے کام یہ انجام دیتے رہے ہیں[1]۔ البتہ عدالت کی سمتوں کی تعین کے بعد ان کے کام کی موجودہ نوعیت میں لازمی طور سے تبدیلی ہو جائے گی اور حکومت کا مزاج بدلنے کے بعد ان کے مزاج بھی بدل جائیں گے۔

بین الاقوامی ادارے اور اس قسم کی تمام وہ کوششیں جو دنیا کو ایک مرکز پر لانے انصاف کو عام کرنے مظلوم ملکوں اور قوموں کو نجات دلانے وغیرہ کاموں کے لئے ہوں گی۔ اسلامی حکومت ان کی حوصلہ افزائی کرے گی۔ لیکن اپنے مقصد اور جدوجہد کو ایک لمحہ کے لئے بھی وہ فراموش نہ کرے گی۔ "میثاق فضول" محدود پیمانہ پر اسی

---

[1] فقہ کی کتابوں میں وکیل الخصومۃ کے احکام موجود ہیں۔

قسم کا معاہدہ تھا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نہ صرف اسمیں شرکت فرمائی۔ بلکہ اس کے لئے فرمایا کہ سرخ اونٹوں سے یہی زیادہ پیارا ہے [1]

مودودی صاحب

اِس سوال کے جواب میں یہ بات پہلے ہی سمجھ لینی چاہیئے کہ جب انگریزی حکومت اِس ملک میں آئی تھی تو اس وقت سارا قانونی نظام (Legal System) اسلامی فقہ پر قائم تھا۔ انگریزوں نے آکر اس کو یک لخت تبدیل نہیں کیا بلکہ انگریزی حکومت میں سالہا سال تک اسلامی نظام ہی چلتا رہا۔ انگریز اس کو بتدریج تبدیل کرتے رہے اور رفتہ رفتہ انہوں نے اپنا نظام رائج کیا۔ اب اگر ہم اسلامی نظام قانون کو از سرِ نو قائم کرنا چاہیں تو یہ تبدیلی بھی یک لخت نہیں، بتدریج ہی ہوگی اور اس کے لئے بہت حکمت کے ساتھ ایک ایک قدم اٹھانا پڑے گا۔ اسلامی قوانین اگر مدوّن (Codified) نہیں ہیں تو ان کے مدون (codifing) کرنے میں کوئی دقت نہیں ہے۔ اسی طرح اسلامی قانون کی شرحیں کثرت سے موجود ہیں۔ ان کو آسانی سے اردو زبان میں منتقل کیا جا سکتا ہے اور آگے نئی شرحوں کا سلسلہ چل سکتا ہے

اسی موجودہ ترقی یافتہ دور میں سعودی عرب میں زنا اور چوری کی سزائیں جاری ہیں۔ اور تجربے نے تمام دنیا کے سامنے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انہی سزاؤں کی وجہ سے سعودی عرب میں جرائم کی اتنی کمی ہو گئی ہے جتنی دنیا کے کسی ملک میں نہیں ہے۔ اب اگر اس دور کے ترقی یافتہ ہونے کے معنی یہی ہیں کہ جرائم میں ترقی ہو تو بسم اللہ، مغربی قانونی سسٹم پر عمل کرتے رہیئے۔ لیکن جرائم کا انسداد بھی اگر ترقی کے لئے ضروری ہے تو پھر یہ تجربے نے

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ حلف فضول

Marfat.com

ثابت کر دیا ہے کہ اسلامی قانون سے زیادہ کارگر کوئی قانون نہیں ہے۔ دراصل اس زمانے کی مذہبی تہذیب کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے۔ کہ اس کی ساری ہمدردیاں مجرموں کے ساتھ ہیں اسی لیے یہ نقطہ نظر پیش کیا جاتا ہے کہ یہ سزائیں وحشیانہ ہیں۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ چوری کرنا کوئی وحشیانہ کام نہیں ہے۔ البتہ اس پر ہاتھ کاٹنا وحشیانہ کام ہے۔ اور زنا کا ارتکاب تو مغربی تہذیب میں ایک تفریح ہے ہی۔

مجھے نہیں معلوم کہ اس خیال کا ماخذ کیا ہے کہ اسلامی قانون میں قاضیوں کو قانون شہادت (Law of Evidence) کی مدد کے بغیر فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے یا کوئی ایسا دستور العمل رہا ہے۔ حالانکہ خود قرآن نے قانون شہادت کے بہت سے اصول بیان کئے ہیں اور اس کی بیشتر تشریحات حدیث اور خلفائے راشدین کے فیصلوں سے ملتی ہیں۔ بالخصوص فقہا نے ان اصولوں کو نہایت محنت سے ترتیب دیا ہے اور اسلامی دور میں کوئی ایسا قاضی نہیں گزرا جس نے ثبوت کے بغیر فیصلے صادر کئے ہوں۔

وکالت کے بارے میں میرے نزدیک صرف اتنی اصلاح درکار ہے کہ قانون کی پریکٹس بند کر دی جائے اور وکلا کو اسٹیٹ معاوضہ دے۔ اب بھی قانون کا نظریہ یہ ہے کہ وکیل کا اصل کام اپنے موکل کی حمایت کرنا نہیں ہے۔ بلکہ عدالت کو قانون سمجھنے اور منطبق (Apply) کرنے میں مدد دینا ہے۔ وکالت کے پیشہ بن جانے کی وجہ سے یہ خرابی پیدا ہوئی ہے کہ وکیل عدالت کو گمراہ (Mislead) کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ گواہوں کو سکھاتے پڑھاتے ہیں۔ عدالت کے سامنے مقدمے

Marfat.com

کی روئداد غلط لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مقدمات کو طول بھی دیتے ہیں۔ اور مقدمہ بازی کو بڑھاتے بھی ہیں۔

بین الاقوامی قسم کے تمام اداروں میں ہم شریک ہو سکتے ہیں۔ ان کے اندر اگر کوئی چیز بھی ہمارے اصول کے مطابق نہ ہوگی تو ہم اس کی حد تک اپنی الگ پالیسی بنائیں گے۔ اور اسی حد تک ہماری شرکت میں استثنا ہوگا۔ مسلمان ممالک خود اپنی مولت متحدہ (Common Wealth) یا تحالف (Confederation) بنا سکتے ہیں اور اسلامی اصول کے مطابق باہمی تعلقات کے طریقے مقرر کر سکتے ہیں۔

اسلامی قانون ساز اسمبلی کے طے کئے ہوئے اجتہادی احکام پر اسلامی عدلیہ نظر ثانی (Review) نہیں کر سکتی البتہ اگر وہ احکام قانون ساز اسمبلی کے اختیار سے متجاوز ہوں تو ان کو حدودِ اختیار سے تجاوز (Ultra vires) قرار دے سکتی ہے۔

اسلامی ممالک اور مسلمانوں کو ایک سٹیج پر لانے کے لئے اختلافات رفع کرنے کی صورت ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ مسلمان ایمانداری کے ساتھ قرآن اور سنت کی ہدایات پر چلنے کے لئے تیار ہوں۔ قرآن کی تاویل اور سنت کی تحقیق میں اختلافات ہو سکتے ہیں۔ لیکن وہ مل کر کام کرنے میں مانع نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم اس اصول کو مان لیں کہ جو شخص بھی قرآن اور سنت کو سند و حجت (Authority) مان لے وہ ہماری برادری کا آدمی ہے تو یہ چیز کسی آدمی کو ہماری برادری سے خارج نہیں کر سکتی کہ وہ قرآن کے معنی ہم سے مختلف سمجھ رہا ہے اور اسکے نزدیک کسی معاملہ میں سنت سے کوئی اور بات ثابت ہوتی ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جتنی عدالتیں بھی پاکستان کے دستور اور قانون کو واجب الاطاعت قانون مان کر کام کرتی ہیں وہ سب اس ملک کی جائز عدالتیں ہیں اس کے لئے یہ ضروری

Marfat.com

نہیں ہے۔ کہ تمام عدالتوں کے فیصلے بھی یکساں ہوں۔

○

سوال ۸

کیا "اجتہاد" کے اُس دروازے کو جسے صدیوں بشیر بند کر دیا گیا تھا۔ آج کھولنے کی شدید ضرورت نہیں ہے؟

(ا) اور وہ اجتہادی اصول جو آج سے ہزار سال قبل بنائے گئے تھے کیا ان کو بڑی سختی سے آج بیسویں صدی کے مسائل پر بھی نافذ کیا جائے گا؟

(ب) حکومت اس صورت حال سے کس طرح نپٹے گی جبکہ ہر طبقہ فکر یعنی (Sub-Sects) کے پیرو اپنے آئمہ کے اجتہادی احکام کو بدلنے کے خلاف ہیں اور نہایت شدومد سے آج کے مسائل کے لئے بھی انہی کی تشریح و توضیح کر کے فیصلے کرنے کے حق میں ہیں؟

(ج) اگر ہر مکتب فکر کے علماء کو اکثریت آرا سے اجتماعی طور پر "اجماع" کے لئے مامور کیا جائے تو کیا جو "اجتہاد" اس طرح کیا گیا ہو وہ تمام مسلمانوں کے لئے قابل قبول ہوگا؟

(د) کیا حکومت کو اس پر سختی سے عمل پیرا ہونے پر مجبور کیا جا سکے گا؟

(ر) خلاف ورزی اور مخالفت و نکتہ چینی کہاں تک برداشت ہو سکتی ہے؟

(س) کیا حضرت علیؓ و جعفر صادقؑ و شیعہ آئمہ کا اجتہاد اور قوانین جو نہایت مناسب ہیں تمام مسلمانوں کے لئے اسلامی حکومت نافذ کر سکتی ہے؟

○

Marfat.com

امینی صاحب

(۸) عموماً تین قسم کی صورتوں میں اجتہاد کی ضرورت ہو گی۔

(۱) موقع و محل کی تعیین میں اجتہاد (۲) نئے مسائل کی تحقیق کے لئے اجتہاد (۳) حکم اور مسئلہ کی صورت موجود ہے۔ لیکن اس میں لوگوں کو واقعی مشقت پیش آتی ہے یا اس کا اصل مقصد فوت ہو چکا ہے اس لئے اجتہاد کے ذریعہ اس میں سہولت پیدا کرنا یا اس کو مفید مقصد بنانا۔

ملکی قانون کے نام سے قانون کی نئی ترتیب و تنظیم کی جائے گی۔ جس میں بڑی حد تک فروعی اختلاف کی حیثیت ثانوی درجہ میں ہو گی اور خالص عبادات وغیرہ کے احکام میں ہر فرقہ کو سہولت دی جائے گی۔

ملکی قانون کے بورڈ میں ہر فرقہ کے بیدار مغز روشن دماغ علماء اور فنی ماہرین کو شامل کرنا بھی ضروری ہو گا۔ اس بورڈ کو 'اجماع' کا درجہ بھی دیا جا سکتا ہے۔

یہ اجماع مجموعی حیثیت سے ہدایت الٰہی کی کلی پالیسی اور بنیادی اصول کے ماتحت ہو گا۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ہر جزئیہ کے لئے قرآن و سنت میں مستقل سند ہی موجود ہو[1]

اس کے اختیارات درج ذیل قسم کے ہوں گے

(۱) حالات و تقاضہ کی مناسبت سے نئے قوانین وضع کرنا۔

(۲) پرانے اجماعی فیصلے جو حالات و مصلحت کے تابع تھے ان میں موجودہ حالات و مصلحت کے پیش نظر مناسب ترمیم کرنا۔

(۳) وہ احکام جو بتدریج نازل ہوئے ہیں معاشرتی حالات کے لحاظ سے انہیں مقدم و مؤخر کرنا۔

---

[1] التقریر و التحبیر ص ۱۱۴

۴۔ وہ احکام جن میں مقامی حالات رسم ورواج فضائل وعادات ملحوظ ہیں۔ ان کی روح اور پالیسی برقرار رکھتے ہوئے جدید حالات کے پیش نظر ان کیلئے نیا قالب وضع کرنا۔

(۵) وہ احکام جو وقتی تقاضہ اور مصلحت کے تحت ہیں موجودہ تقاضہ اور مصلحت کے تحت ان میں مناسب ترمیم کرنا۔

(۱) رسول اللہ کے اصحاب جن احکام میں مختلف الرائے ہیں۔ معقول دلیل کی بناء پر ان میں کسی ایک کو ترجیح دینا۔

(۲) فقہاء کی مختلف رایوں میں حالات وتقاضہ کی مناسبت سے ترجیحی صورت پیدا کرنا وغیرہ [1]

مودودی صاحب

یہ سوال بہت سے اصولی سوالات پر مشتمل ہے میں اس کے ایک ایک جزو کا جواب نمبر وار دوں گا۔

۱۔ اجتہاد کا دروازہ کھولنے سے کسی ایسے شخص کو انکار نہیں ہو سکتا جو زمانے کے بدلتے ہوئے حالات میں ایک اسلامی نظام کو چلانے کے لئے اجتہاد کی اہمیت وضرورت کو اچھی طرح سمجھتا ہو۔ لیکن اجتہاد کا دروازہ کھولنا جتنا ضروری ہے اتنا ہی احتیاط کا متقاضی بھی ہے۔ اجتہاد کرنا ان لوگوں کا کام نہیں ہے۔ جو ترجموں کی مدد سے قرآن پڑھتے ہوں حدیث کے پورے ذخیرے سے نہ صرف یہ کہ ناواقف ہوں بلکہ اس کو دفتر بے معنی سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہوں۔ پچھلی تیرہ صدیوں میں فقہائے اسلام نے اسلامی قانون پر جتنا کام کیا ہے اس سے سرسری واقفیت بھی نہ رکھتے ہوں اور اس کو فضول سمجھ

---

[1] حوالہ بالا ج ۳ ص ۶۹، ۷۰

Marfat.com

کر پھینک دیں۔ پھر اس پر مزید یہ کہ مغربی نظریات و اقدار کو یہ کہ اُن کی روشنی میں قرآن کی تاویلیں کرنا شروع کر دیں۔ اس طرح کے لوگ اگر اجتہاد کریں گے تو اسلام کو مسخ کر کے رکھ دیں گے اور مسلمان جب تک اسلامی شعور کی رمق بھی ان کے اندر موجود ہے، ایسے لوگوں کے اجتہاد کو ہرگز ضمیر کے اطمینان کے ساتھ قبول نہ کریں گے۔ اس طرح کے اجتہاد سے جو قانون بھی بنایا جائیگا وہ صرف ڈنڈے کے زور سے ہی قوم پر مسلط کیا جا سکے گا اور ڈنڈے کے ساتھ ہی وہ رخصت ہو جائے گا۔ قوم کا ضمیر اس کو اس طرح اگل کر پھینک دے گا جس طرح انسان کا معدہ نگلی ہوئی مکھی کو اگل کر پھینک دیتا ہے۔ مسلمان اگر اطمینان کے ساتھ کسی اجتہاد کو قبول کر سکتے ہیں، تو صرف ایسے لوگوں کا اجتہاد ہے جن کے علم دین اور خدا ترسی اور احتیاط پر ان کو اطمینان اور بھروسہ ہو اور جن کے متعلق وہ یہ جانتے ہوں کہ یہ لوگ غیر اسلامی نظریات و تصورات کو اسلام میں نہ ٹھونسیں گے۔

(ب) جو اجتہادی اصول آج سے ہزار سال پہلے بنائے گئے تھے وہ صرف اس لئے رد کر دینے کے قابل نہیں ہیں کہ وہ ہزار سال پرانے ہیں۔ معقولیت کے ساتھ جائزہ لے کر دیکھئے کہ وہ اصول تھے کیا اور اس بیسویں صدی میں ان کے سوا کچھ اصول ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں؟ ان میں سے پہلا اصول یہ تھا کہ آدمی اس زبان کو اور اس کے قواعد اور محاورل اور ادبی نزاکتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہو جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔ بتائیے کیا یہ اصول غلط ہے؟ انگریزی زبان میں قانون کی جو کتابیں لکھی گئی ہیں کیا ان کی تعبیر کا حق کسی ایسے شخص کو دیا جا سکتا ہے جو انگریزی زبان کی ایسی ہی واقفیت نہ رکھتا ہو۔ وہاں تو ایک کاما (comma) کے ادھر سے ادھر ہو جانے سے معنی میں عظیم فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بسا اوقات ایک کاما کی تبدیلی کے لئے پارلیمنٹ کو ایک قانون (Act)

Marfat.com

پاس کرنا پڑتا ہے۔ مگر یہاں یہ مطالبہ ہے کہ قرآن کی وہ لوگ تعبیر کریں گے جو ترجموں کی مدد سے قرآن سمجھتے ہوں اور ترجمے بھی وہ جو انگریزی زبان میں ہوں۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ آدمی نے قرآن مجید کا اور اُن حالات کا جن حالات میں قرآن مجید نازل ہوا ہے گہرا اور وسیع مطالعہ کیا ہو۔ کیا اس اصول میں کوئی غلطی ہے؟ کیا موجودہ قوانین کی تعبیر کا حق کسی ایسے شخص کو دیا جا سکتا ہے جس نے قانون کی کسی کتاب کا محض سرسری مطالعہ کر لیا ہو یا اس کا محض ترجمہ پڑھ لیا ہو؟ تیسرا اصول یہ ہے کہ آدمی اس عمل درآمد سے اچھی طرح واقف ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دور میں اسلامی قوانین پر ہوا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ قرآن خلا میں سفر کرتا ہوا براہ راست ہمارے پاس نہیں پہنچ گیا ہے۔ اس کو خدا کی طرف سے ایک نبی لایا تھا۔ اس نبی نے اس کی بنیاد پر افراد تیار کئے تھے، معاشرہ بنایا تھا۔ ایک ریاست قائم کی تھی پھر ہزارہا آدمیوں کو اس کی تعلیم دی تھی اور اس کے مطابق کام کرنے کی تربیت دی تھی۔ اور ساری چیزوں کو آخر کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ ان کا جو ریکارڈ موجود ہے اس کی طرف سے آنکھیں بند کر کے صرف قرآن کے الفاظ سے احکام نکالنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ چوتھا اصول یہ ہے کہ آدمی اسلامی قانون کی پچھلی تاریخ سے واقف ہو۔ وہ یہ جانے کہ یہ قانون کس طرح ارتقا کرتا ہوا آج تک ہمیں پہنچا ہے پچھلی تیرہ صدیوں میں صدی بہ صدی اس پر کیا کام ہوا ہے اور مختلف زمانوں میں وقت کے حالات پر قرآن اور سنت کے احکام کو منطبق کرنے کے لئے کیا کیا طریقے اختیار کئے گئے ہیں اور تفصیلی کیا احکام مرتب کئے جاتے رہے ہیں۔ اس تاریخ اور اس کام سے واقف ہوئے بغیر اجتہاد کر کے ہم اسلامی قانون کے ارتقاء کا تسلسل (Continuity) کس طرح برقرار رکھ سکتے ہیں۔ ایک نسل اگر یہ طے کر لے کہ پچھلی نسلوں کے کئے ہوئے

Marfat.com

سارے کاموں کو چھوڑ دے گی اور نئے سرے سے اپنی عمارت بنائے گی تو ایسا ہی احمقانہ فیصلہ ہمارے بعد آنے والی نسلیں کر سکتی ہیں۔ ایک دانشمند قوم اپنے اسلاف کے کئے ہوئے کام کو برباد نہیں کرتی بلکہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس کو لے کر آگے وہ کام کرتی ہے جو انہوں نے نہیں کیا اور اس طرح مسلسل ترقی جاری رہتی ہے۔ پانچواں اصول یہ ہے کہ آدمی ایمانداری کے ساتھ اسلامی اقدار اور طرز فکر اور خدا اور رسول کے احکام کی صحت کا معتقد ہو اور رہنمائی کے لئے اسلام سے باہر نہ دیکھے بلکہ اسلام کے اندر ہی رہنمائی حاصل کرے یہ شرط لیسی ہے جو دنیا کا ہر قانون اپنے اندر اجتہاد کرنے کے لئے لازمی طور پر لگائے گا۔ درحقیقت اجتہاد کے یہی پانچ اصول ہیں۔ اگر کوئی صاحب معقول دلیل سے اس بیسویں صدی کے لئے کچھ اور اصول تجویز کر سکیں تو ہم ان کے ممنون احساس ہوں گے۔

(ج) مسلمانوں میں فرقوں کے جتنے اختلافات ہیں ان کے بارے میں پہلے ہی پاکستان کے علماء اس بات پر اتفاق کر چکے ہیں کہ جہاں تک پرسنل لا کا تعلق ہے ہر فرقے پر وہی احکام نافذ ہوں گے۔ جو اس فرقے کے نزدیک مسلم ہیں اور جہاں تک ملکی قوانین کا تعلق ہے وہ اکثریت کے مسلک کے مطابق ہوں گے۔ کیا اس کے بعد وہ مشکلات باقی رہتی ہیں جن کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ اگر مجلس قانون ساز میں ہمارے نمائندے احتیاط کے ساتھ اس اصول پر عمل کریں تو فرقہ وارانہ اختلافات آہستہ آہستہ کم ہوتے چلے جائیں گے اور ہمارے قوانین کا ارتقا بڑی اچھی طرح ہو سکے گا۔

(د) فقہ جعفری اور شیعہ علماء کا اجتہاد اسی ملک میں نافذ کیا جا سکتا ہے جہاں شیعہ فرقے کی اکثریت ہو چنانچہ ایران میں وہ نافذ ہے۔ لیکن پاکستان میں وہ شیعوں کے پرسنل لا کی حیثیت سے ہی رہ سکتا ہے۔ سنی اکثریت پر اس کو نافذ کرنے کی کیسے کوشش کی جا سکتی ہے؟

Marfat.com

سوال ۹

کیا "اجتہاد" جو کیا جائے گا وہ قرآن وحدیث وسابقہ اجتہادی احکام وقوانین جو خلفائے راشدین کے عہد میں نافذ کئے گئے تھے ان کے محض الفاظ پر ہی زور دے کر عمل کیا جائے گا یا آیت وحدیث کی صحیح اسپرٹ کو مدنظر رکھ کر کہ کن اور کب وکونسے حالات وماحول ورجحان کے تحت وہ جاری ہوئیں ؟

(ا) آج موجودہ قانونی دفعات میں بھی الفاظ (Wording of the Section) کی بندش جتنی اہمیت رکھتے ہے اس سے زیادہ دیباچہ قانون (Preamble) اہمیت رکھتا ہے جسکی روشنی میں آئین وقانون کی دفعات تک کلعدم قرار دے دی جاتی ہیں فرض کیجئے جیسا کہ مسلمان روزہ طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک رکھتے ہیں لیکن نماز روزہ کیلئے اوقات کا تعین قطبین (Poles) پر رہنے والے مسلمانوں کیلئے کیا ہوگا۔ جہاں مہینوں لمبی راتیں اور دن ہوتے ہیں ؟

(ب) اور فرض کیجئے کہ کسی خطہ میں قربانی کیلئے گائے بیل، اونٹ، بھیڑ، بکری، دنبہ وغیرہ دستیاب نہ ہوتے ہوں اور مثلاً وہاں صرف سور، خرگوش، مچھلی، گینڈے، ہاتھی اور کتے وغیرہ موجود ہوں یا کچھ نہ ہوں تو وہاں قربانی کی کیا صورت ہوگی؟

(ج) کیا قربانی کی صحیح اسپرٹ واصل جذبے کے تحت جانور جتنی مالیت رقم کی صورت میں حکومت وقت کے بیت المال میں اگر جمع کردی جائے یا قوم کی فلاح وبہبود خرچ کردی تو کیا شریعت اس پر اکتفا کرے گی؟

Marfat.com

امینی صاحب

(۹) مذکورہ کاموں کی انجام دہی کے لئے مختلف فقہاء کے اجتہادی اصولوں سے مدد لینے میں وسعت ہوگی یہ اصول بڑے کارآمد اور دوررس نتائج کے حامل ہیں ان میں بصیرت نہ ہونے کی بنا پر مختلف شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں۔

یہ اصول قرآن وسنت کی صحیح اسپرٹ کو پیش نظر رکھ کر وضع ہوئے ہیں اور اسپرٹ ہی کی روشنی میں مذکورہ تین قسم کی اجتہادی صورتیں ذکر کی گئی ہیں۔

موجودہ دور میں ان کی بھی نئی ترتیب وتہذیب کی ضرورت ہے تاکہ افادہ واستفادہ عام ہوسکے نئی ترتیب میں درج ذیل باتوں کا لحاظ ہونا چاہیئے۔

(۱) موجودہ تقاضہ کے مطابق مسائل میں باہمی ربط ونظم پیدا کیا جائے۔

(۲) فقہاء کے درمیان اختلاف کے وسیع سلسلہ کو حتی الامکان کم کیا جائے۔

(۳) جو مثالیں اور فصاحتیں قدیم زمانہ کی ہیں اور اب ان کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے انہیں جدید ضرورتوں میں لایا جائے۔

(۴) حالات وتقاضہ کے مطابق اس میں اگر وسعت کی ضرورت ہو تو اس کی توثیق بھی قدیم اصولوں سے ہو سکتی ہے اجتہاد کے سلسلہ میں درج ذیل اصول سے کافی مدد ملے گی۔

(۱) قرآن حکیم کے موقع ومحل کی تعیین میں سیرت نبوی اور عہد صحابہ سے استفادہ۔

(۲) حدیث کے سلسلہ میں روایت اور درایت دونوں سے کام لینا بالخصوص غیر رسمی چیزوں میں درایت کا معیار مقرر کرنا ضروری ہوگا۔

(۳) قیاس (۴) استحسان (۵) استصلاح یا مصالح مرسلہ (۶) استدلال (۷) تعامل (۸) عرف ورواج (۹) مسلمہ شخصیتوں کی رائیں (۱۰) ملکی قانون (جن سے کسی اصول کلیہ

Marfat.com

پر زور نہ پڑتی ہیں)۔

مجموعی حیثیت سے یہ اسقدر وسیع اور جامع ہیں کہ ان کی مدد سے بہترین "تدوین" ہو سکتی ہے ہر ایک کی تفصیل کتب اصول میں ملاحظہ کرنا چاہیئے۔

مسلم معاشرہ میں ابھی اس درجہ کے "انگیز" کی صلاحیت نہیں پیدا ہو سکتی ہے کہ وہ قانونی جزئیات و فروع میں "آفاقیت" کے تصور کو جذب کر سکے اس لئے بین الاقوامی فقہ کو بروئے کار لانے کے لئے نہ ماحول سازگار ہے نہ مفید نتیجہ کی توقع ہے۔

موزوں صورت یہی ہے کہ جس ملک میں جو فقہ رائج ہو اسی کو سامنے رکھ کر ملکی قانون مرتب کیا جائے۔ البتہ جن مسائل میں حالات و تقاضہ کے مطابق تبدیلی کرنی پڑے یا نئے مسائل حل کرنے کی صورت ہو تو ایسے مواقع میں دوسری فقہ نیز اختلاف فقہاء سے ضرور مدد لی جائے۔

اس طریق کار میں قولی فقہ کے غلط نظریہ کو کسی درجہ میں تقویت پہنچنے کا اندیشہ ہے لیکن بڑے اور اہم مقصد کی خاطر ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کئے بغیر موجودہ دور میں کوئی اہم دینی خدمت نہیں ہو سکتی ہے۔

قطبین پر رہنے والوں کے لئے یا جہاں بھی موجودہ نظم قدرتی طور پر نہیں قائم رہ سکتا ہے۔ فقہا نے نماز کے اوقات کا اندازہ گھنٹوں کے حساب سے کیا ہے [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درج ذیل حدیث میں جس میں اپنے ایک ایسے دور کا تذکرہ فرمایا کہ اس میں دن و رات اور طلوع و غروب کا موجودہ نظم نہ قائم رہ سکے گا صحابہ کرامؓ نے سوال کیا؛

---

[1] ملاحظہ ہو شامی وغیرہ

Marfat.com

فذالك اليوم الذي كسنة ايكفينا فيه صلوة يوم قال لا اقدروا له قدره [1]

"وہ دن جو مثل ایک سال کے ہوگا کیا ہمیں اس میں ایک دن کی نماز کافی ہوگی رسول اللہ نے فرمایا نہیں تم اس کا اندازہ کرو۔"

اس حدیث سے فقہاء کے تصریح کی تائید ہوتی ہے۔

"قربانی" ایک مخصوص یادگار ہے اور زندگی میں خاص قسم کی ذہنیت پیدا کرنے کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ اگر کسی خطہ میں بالفرض قربانی کے جانوروں کا وجود نہ ہو تو مقامی حالات کی مناسبت سے ایسی متوازی صورت سوچنے کی ضرورت ہے کہ حتی الامکان قربانی کی اصلی روح نا سپرٹ برقرار رہے۔

پھر اس کا مصرف بھی مخصوص ہے زکوٰۃ و صدقات جیسا نہیں ہے ایسی صورت میں اس کے بدل کے لئے اور زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

بیت المال میں جمع کرنے کی صورت تمام پہلوؤں پر غور کرنے اور حالات کا جائزہ لینے کے بعد ہی نکل سکتی ہے مقررہ احکام و مراسم میں بدل کا معاملہ اتنا زیادہ آسان نہیں ہے جتنا کہ پاکستان میں بعض اہل فکر و قلم سمجھ رہے ہیں اس راہ میں قدم اٹھانے کے لئے نہایت احتیاط کی ضرورت ہے ورنہ دین و شریعت کا معاملہ بازیچہ اطفال بن کر رہ جائے گا۔

مودودی صاحب

اجتہاد کے لئے الفاظ اور اسپرٹ دونوں ہی کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے لیکن اسپرٹ کا مسئلہ خاصہ پیچیدہ ہے اگر اسپرٹ سے مراد وہ چیز ہے جو بحیثیت مجموعی قرآن کی تعلیمات

---

[1] مشکوٰۃ ترمذی و مسلم

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل خلفائے راشدین کے عمل اور بحیثیت مجموعی فقہائے امت کے فہم سے ظاہر ہوتی ہے تو بلاشبہ یہ اسپرٹ ملحوظ رکھنے کے قابل ہے اور اسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اگر الفاظ قرآن اور سنت سے لے جائیں اور اسپرٹ کہیں اور سے لائی جائے تو یہ سخت قابل اعتراض چیز ہے اور ایسی اسپرٹ کو ملحوظ رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم خدا اور رسول کا نام لے کر اُن سے بغاوت کرنا چاہتے ہیں۔

قطبین کے متعلق روزہ اور نماز کے معاملہ میں ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ قرآن اور حدیث کی رو سے اصل مقصود خدا کی عبادت ہے یا ان دونوں عبادتوں کو اُن خاص اوقات کے اندر ادا کرنا جن کی علامات قرآن اور سنت میں بتائی گئی ہیں۔ تمام دنیا کا یہ مسلّم قاعدہ ہے کہ کسی حکم میں جو اصل مقصود ہوتا ہے زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور اگر اس حکم کے متعلقات میں سے کوئی چیز ایسی آجائے جس کی رعایت کرنے کے ساتھ حکم کے مقصد کو پورا نہ کیا جاسکتا ہو تو مقصد میں ترمیم کرنے کے بجائے اُن متعلقات میں ترمیم کی جائے گی۔ اب یہ ظاہر بات ہے کہ قرآن مجید اور سنت کی رو سے نماز ادا کرنا اور روزہ رکھنا اصل مقصد ہے اور جو اوقات ان عبادتوں کے لئے مقرر کئے گئے ہیں وہ زمین کی بہت بڑی آبادی کی سہولت کو ملحوظ رکھ کر مقرر کئے گئے ہیں۔ زمین کی آبادی کا بہت بڑا حصّہ اُن علاقوں میں آباد ہے جہاں رات دن کا الٹ پھیر چوبیس گھنٹوں میں ہو جاتا ہے اور اُن علاقوں میں چونکہ اکثریت کے پاس ہر وقت گھڑی نہیں رہ سکتی اس لئے ان کی سہولت کو مدِنظر رکھ کر اوقات کے لئے وہ علامات بیان کی گئی ہیں جو افق پر یا آسمان پر ظاہر ہونے والی ہیں تاکہ ہر انسان اپنی عبادت کے لئے اوقات بآسانی معلوم کرلے۔ قطبین پر انسانی آبادی کا بہت چھوٹا حصّہ آباد ہے۔ اس آبادی کو نماز اور روزے کے احکام پر عمل کرنے کے

اپنے حالات کے لحاظ سے اوقات مقررہ میں مناسب ترمیمیں کرنی ہوں گی کیونکہ ان اوقات کی پابندی اور عبادت کی ادائیگی دونوں ایک ساتھ نہیں ہو سکتیں اس لئے عبادت کے حکم کو اوقات کے حکم پر قربان نہیں کیا جا سکتا ہے۔

قربانی کے حکم پر عمل کرنے کے صرف دو اصول مدنظر رکھنے ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ جانور وہ ہو جسے اسلام میں حرام نہیں کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ جانور وہ ہو جو کسی آبادی میں مویشی (Cattle) کی حیثیت سے استعمال ہوتا ہو۔ اس طرح قربانی کے حکم پر دنیا کی ہر آبادی میں عمل کیا جا سکتا ہے۔ قربانی بہرحال جانور ہی کی ہونی چاہیے اس کے بدلے میں کوئی مالی انفاق کی شکل اختیار نہیں کی جا سکتی۔ میں اس موضوع پر تفصیلی بحث اپنے رسالے "مسئلہ قربانی" میں کر چکا ہوں۔

Marfat.com

سوال نمبر ۱۰

موجودہ آزاد تمدنی دور میں بھی کیا غربا و مساکین کے لئے امرا و رؤسا سے زکوٰۃ فنڈ جبراً وصول کیا جانا مناسب ہوگا۔ جبکہ وہ دیگر کئی ٹیکسوں کے علاوہ انکم ٹیکس بھی حکومتِ وقت ہی کو ادا کرتے ہوں؟

Marfat.com

امینی صاحب

۱۰۔ جس روح اور مقصد کے پیش نظر "زکوٰۃ" فرض ہوئی ہے اور غیر شعوری طور پر اس کے ذریعہ جذبات کی جس انداز سے تربیت ہوتی ہے" انکم ٹیکس" کی ادائیگی سے نہ وہ روح پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی وہ مقصد حاصل ہوتا ہے۔ "زکوٰۃ" موجودہ دور کے ٹیکس کی حیثیت میں نہیں ہے بلکہ زندگی کی تربیت وخاص سانچہ میں ڈھالنے کیلئے ایک "آلہ" کی حیثیت رکھتی ہے جس طرح نماز۔

کل کو نماز کا بھی کوئی بدل مقرر کر کے سوال ہوگا کہ اب اس کی کیا ضرورت ہے؟ زکوٰۃ کا ایک نظم بہر حال ضروری ہے۔

مودودی صاحب

زکوٰۃ کے متعلق پہلی بات یہ سمجھ لینی چاہیئے کہ یہ ٹیکس نہیں ہے بلکہ ایک عبادت اور رکن اسلام ہے جس طرح نماز، روزہ اور حج ارکان اسلام ہیں۔ جس شخص نے بھی کبھی قرآن مجید کو آنکھیں کھول کر پڑھا ہے وہ دیکھ سکتا ہے کہ قرآن بالعموم نماز اور زکوٰۃ کا ایک ساتھ ذکر کرتا ہے اور اُسے اُس دین کا ایک رُکن قرار دیتا ہے۔ جو ہر زمانے میں انبیاء کرام کا دین رہا ہے اس لئے اُس کو ٹیکس سمجھنا اور ٹیکس کی طرح اس سے معاملہ کرنا پہلی بنیادی غلطی ہے ایک اسلامی حکومت جس طرح اپنے ملازموں سے دفتری کام اور دوسری خدمات لے کر یہ نہیں کہہ سکتی کہ اب نماز کی ضرورت باقی نہیں کیونکہ انہوں نے سرکاری ڈیوٹی دے دی ہے۔ اس طرح وہ لوگوں سے ٹیکس لے کر یہ نہیں کہہ سکتی کہ اب زکوٰۃ کی ضرورت باقی نہیں کیونکہ ٹیکس لے لیا گیا ہے۔ اسلامی حکومت کو اپنے نظام اوقات لازماً اس

Marfat.com

طرح مقرر کرنے ہوں گے تاکہ اس کے ملازمین نماز وقت پر ادا کر سکیں۔ اسی طرح اس کو اپنے ٹیکسیشن کے نظام میں زکوٰۃ کی جگہ نکالنے کے لئے مناسب ترمیمات کرنی ہوں گی۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ حکومت کے موجودہ ٹیکسوں سے کوئی ٹیکس اس مقاصد کے لئے اس طرح استعمال نہیں ہوتا ہے جن کے لئے قرآن میں زکوٰۃ فرض کی گئی ہے اور جس طرح اس کے تقسیم کرنے کا حکم ہے۔

Marfat.com

○

سوال ۱۱

مسلمانوں کے جذبۂ جہاد کو زندہ رکھنے کے لیے آج بیسویں صدی میں کیا طریق کار اختیار کیا جائے گا جبکہ آج کی جنگ شمشیر و سناں سے یا میدان جنگ میں صف آرا ہو کر دست بدست نبرد آزمائی سے نہیں ہوتی بلکہ سائنسی ہتھیاروں، دماغوں اور strategy اور espionage سے لڑی جاتی ہے؟

(الف) آپ ایٹم بم، راکٹ، میزائل اور مشینی ایجادات وغیرہ کا سہارا لے کر اس سائنسی و ایٹمی دور میں "جہاد" کی تشریح کس طرح کریں گے؟

(ب) کیا چاند، مریخ و مشتری پر اترنے اور سٹیلائٹ چھوڑنے یا فضا میں راکٹ سے پرواز کرنے اور نت نئی ایجادات کرنے والے مجاہدین کے زمرے میں آ سکتے ہیں؟

(ج) انتظامی امور و ملکی نظام (Civil Administration) میں فوج کو کیا مقام دیا جا سکتا ہے؟ موجودہ دور کے فوجی انقلاب نے ملکی نظام میں فوج کی شمولیت اور افادیت بہت حد تک ثابت ہو چکی ہے۔ کیوں نہ فوج کو دورِ امن میں بٹھا کر کھلانے کے بجائے ہر فیلڈ میں قوم کی خدمت سپرد ہو؟

○

Marfat.com

عینی صاحب

۱۱۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہاد و قتال کے مفہوم میں باہمی فرق نہ کرنے کی وجہ سے یہ مغالطہ ہو رہا ہے۔ جہاد۔ ایمانیات و معتقدات کو بروئے کار لانے کے لئے ہر قسم کی انتہائی جدوجہد کرنا۔ ہاتھ پاؤں سے اس کے لئے دوڑ دھوپ کرنا زبان و قلم سے اس کی تبلیغ کرنا عقل و دماغ سے اس کے لئے تدبیریں سوچنا غرض ہر امکانی وسائل اس راہ میں صرف کرنا اور ہر مزاحمت کی پوری قوت کے ساتھ مدافعت کرنا اور جب اس راہ میں جان کی بازی لگا لے کا وقت آجائے تو... بھی کسی طرح کا دریغ نہ کرنا۔ امام راغبؒ اصفہانی جہاد کی تعریف میں کہتے ہیں۔

استفراغ الوسع فی مدافعۃ العدو ظاھراً و باطناً [1]

دشمن کی مدافعت میں اپنی پوری قوت و وسعت لگا دینا یہ دشمن ظاہری ہو یا باطنی (نفس و شیطان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جاھدوا اھواءکم کما تجاھدون اعداءکم [2]

"اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرو جیسا کہ دشمنوں کے خلاف جہاد کرتے ہو"

جاھدوا المشرکین بانفسکم و اموالکم والسنتکم [3]

"مشرکین سے جہاد کرو جان و مال اور زبان کے ذریعہ"

مذکورہ تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاد کا مفہوم قتال سے بہت نیا وسیع اور عام ہے اور یہ جہاد ایسی فطری حقیقت ہے کہ دنیا کی ہر قوم قیام و بقاء کی جدوجہد میں بہمہ وجوہ اس کو اپناتی ہے اور اسی پر عمل کر کے وہ عروج و ترقی

---

[1] مفردات امام راغبؒ اصفہانی [2] نسائی و ابوداؤد [3] حوالہ بالا

منزلیں طے کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے خلافت کی سب سے پہلی تقریر میں فرمایا تھا۔

"اے لوگو۔ غور سے سن لو۔ دنیا کی جو قوم جہاد ترک کر دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل و خوار اور رسوا کر دیتا ہے"۔

البتہ قرآن حکیم نے مطلق جہاد کا نہیں بلکہ "جہاد فی سبیل للہ" کا حکم دیا ہے کہ مذکورہ قسم کی ساری جد و جہد فتنہ و فساد کے ختم کرنے اور رحمت الٰہی کو عام کرنے کے لئے کی جائے نہ کہ ذاتی و قومی اقتدار اور ملک گیری کے لئے جیسا کہ دنیا کی قوموں اور حکومتوں میں ہوتا ہے۔

حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ ۲ : ۱۹۲

یہاں تک کہ فتنہ و فساد نہ رہے اور اللہ کا راج قائم ہو جائے۔

رسول نے فرمایا۔

لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا (الحدیث) "تاکہ اللہ کی بات غالب ہو کر رہے"۔

جن متعصب مورخوں نے جہاد کو وحشیت و بربریت کا اظہار قرار دیا ہے وہ در اصل اس کی حقیقت سے ناواقف ہیں اور بقول فرانسیسی مصنف "موسیو سیدیو" انہوں نے حق سے کان بند کر لیا ہے اور قلب کی بینائی سے وہ محروم ہو گئے ہیں۔ [1]

موجودہ دور میں وطنیت و قومیت کے نام پر بھی جذبۂ جہاد کو بیدار کیا جاتا ہے اور اس سلسلہ میں جرمنی وغیرہ سے ایثار و قربانی کی عجیب و غریب مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن مذہبی جذبہ کی بیداری ان سب میں زیادہ مؤثر اور خاص نتائج کی حامل ہے

---

[1] تاریخ عرب صفحہ ۱۰۷

Marfat.com

کیونکہ وہ تین بنیادی عناصر جو زندگی میں ہم آہنگی اور روح پیدا کرتے ہیں اس جذبہ میں زیادہ
گہرائی کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ وہ تینوں یہ ہیں (۱) عقائد میں عمومیت (۲) فوائد میں
عمومیت (۳) احساس میں عمومیت۔ اسی بناء پر فلسفہ تاریخ کا یہ مسلم فیصلہ ہے کہ دنیا میں
بڑی بڑی سلطنتوں کے قیام اور تاریخی انقلاب کے پس پشت مذہبی جذبہ ہی کا اقتدار
رہا ہے ماضی قریب میں یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی تاریخ اس کا بیّن ثبوت ہے۔

کبھی حیرت انگیز نظریہ اور وہ خیال جو عوام کی توجہ اپنی طرف مبذول کرلے وہ بھی "معبود"
کی قائمقامی حاصل کرلیتا ہے بشرطیکہ عوام کوئی مخفی طاقت اس میں محسوس کریں یا عام
سطح سے کوئی اونچی چیز عوامی ضرورت کی ہو جیساکہ موجودہ دور میں "کمیونزم تحریک" اسی
انداز میں کام کرکے کامیابی حاصل کررہی ہے۔

غرض مذہبی جذبہ بیدار ہونے سے جذبۂ جہاد خود بخود بیدار ہوکر اپنے "کاز" کو آگے
بڑھاتا رہے گا۔ اور سائنسی ایجادات و ترقیات کو بڑی حد تک مفید کاموں کے لئے استعمال
کرنے کے مواقع فراہم کرتا رہے گا۔

مذہبی جذبہ کے بارے میں ڈاکٹر "مرسیر" کا یہ قول بے بنیاد ہے کہ۔
"جذبۂ مذہبیت محض آرائش و تکلفات کا کام دیتا ہے اور جماعت کے لئے کوئی افادی
حیثیت نہیں رکھتا ہے"[1]

ڈاکٹر موصوف کے اس خیال کا محل سیاسی اور مفاد پرست لوگ بے شک ہیں کہ
وہ مجلس کی آرائش و مقصد برآری کے لئے اس جذبہ کے ساتھ کھیلتے ہیں لیکن اس کی
اصل نوعیت کے بارے میں ان کا یہ خیال تاریخ و فلسفۂ تاریخ کے مسلمہ حقائق سے انکار پر مبنی ہے

---

[1] فلسفۂ جذبات ص ۱۱۲

مودودی صاحب

جہاد کے متعلق اولین بات یہ سمجھ لینی چاہیئے کہ جہاد اور لڑائی کا پن میں بہت فرق ہے۔ اسی طرح قومی اغراض کے لئے جہاد اور چیز ہے اور جہاد فی سبیل اللہ اور چیز مسلمانوں میں جس جذبۂ جہاد کے پیدا کرنے کی ضرورت ہے وہ اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک ان کے اندر ایمان ترقی کرتے کرتے اس حد تک نہ پہنچ جائے کہ وہ خدا کی زمین سے برائیوں کو مٹانے اور اس زمین میں خدا کا حکم بلند کرنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار نہ ہو جائیں۔ سردست تو ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ سب کچھ اس جذبے کی جڑ کاٹ دینے کے لئے کیا جا رہا ہے۔ تعلیم وہ دی جا رہی ہے جو ایمان کے بجائے شک اور انکار پیدا کرے۔ تربیت وہ دی جا رہی ہے جس سے افراد میں اور سوسائٹی میں وہ برائیاں پھیلیں جنہیں ہر مسلمان جانتا ہے کہ اسلام کے نزدیک برائیاں ہیں۔ اس کے بعد یہ سوال اہم حاصل ہے کہ مسلمانوں میں جذبہ جہاد کیسے پیدا ہوگا۔ موجودہ حالت میں یا تو مسلمان کرائے کا سپاہی (Mercenary) بنے گا یا حد سے حد قومی اغراض کے لئے لڑے گا۔ رہے سائنسی ہتھیار اور اسٹریٹیجی (Strategy) تو وہ اسباب ہیں جو جائز اغراض اور ناجائز اغراض سب کے لئے استعمال ہو سکتے ہیں۔ اگر مسلمان میں سچا ایمان موجود ہو اور اسلام کا نصب العین اس کا اپنا نصب العین بن جائے تو وہ پورے جذبے کے ساتھ تمام وہ قابلیتیں اپنے اندر پیدا کرے گا۔ جو اس زمانے میں لڑنے کے لئے درکار ہیں اور تمام اُن ذرائع اور وسائل سے کام لے گا جو آج یا آئندہ جنگ کے لئے درکار ہوں۔

چاند اور مریخ اور مشتری پر اترنا اپنی نوعیت کے لحاظ سے کولمبس کے امریکہ پر

اترنے اور واسکوڈے گاما کے جزائر شرق الہند پر اترنے سے زیادہ مختلف نہیں۔ اگر یہ لوگ مجاہد فی سبیل اللہ مانے جا سکتے ہیں تو چاند اور مریخ پر اترنے والے بھی مجاہدین بن جائیں گے۔

انتظامی امور اور مملکتی نظام (Civil Administration) میں فوج کا داخل ہونا فوج کے لئے بھی اور ملک کے لئے ... بھی سخت تباہ کن ہے۔ فوج بیرونی دشمنوں سے ملک کی حفاظت کرنے کیلئے منظم کی جاتی ہے۔ ملک پر حکومت کرنے کے لئے منظم نہیں کی جاتی۔ اس کو تربیت دشمنوں سے لڑنے کی دی جاتی ہے۔ اس تربیت سے پیدا ہونے والے اوصاف ملک کے باشندوں سے معاملہ کرنے کے لئے موزوں نہیں ہوتے علاوہ بریں ملکی معاملات کو جو لوگ بھی چلائیں خواہ وہ سیاست کار (Politician) ہوں یا ملکی نسق کے منتظم Civil Administrator) ان کے کام کی نوعیت ہی ایسی ہوتی ہے کہ ملک میں بہت سے لوگ ان سے خوش بھی ہوتے ہیں اور ناراض بھی، فوج کا اس میدان میں اترنا لامحالہ فوج کو غیر ہر دلعزیز (Unpopular) بنانے کا موجب ہوگا۔ حالانکہ فوج کیلئے یہ نہایت ضروری ہے کہ سارے ملک کے باشندے اس کی پشت پر ہوں اور جنگ کے موقع پر ملک کا ہر فرد اس کی مدد کرنے کیلئے تیار ہو۔ موجودہ دور کے فوجی انقلابات نے ملکی نظام میں فوج کی شمولیت کو مفید ثابت نہیں کیا ہے بلکہ درحقیقت تجربے سے اس کے برے نتائج ثابت ہو گئے ہیں۔

Marfat.com

سوال ۱۲

کیا اس دور میں اسلامی حکومت خواتین کو مردوں کے برابر سیاسی و معاشرتی حقوق ادا نہ کرے گی۔ جبکہ اسلام کا دعویٰ ہے کہ اس نے سب سے تاریک ترین دور میں بھی عورت کو ایک مقام (status) عطا کیا؟

(ا) کیا آج خواتین کو مردوں کے برابر اپنے ورثہ کا حصہ لینے کا حق دیا جا سکتا ہے؟

(ب) کیا ان کو اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹی میں مخلوط تعلیم یا مردوں کے شانہ بشانہ کام کر کے ملک و قوم کی اقتصادی حالت بہتر بنانے کی اجازت نہ ہو گی؟

(ج) فرض کیجئے اگر اسلامی حکومت خواتین کو برابر کا حق رائے دہندگی دے اور وہ کثرت آراء سے وزارت و صدارت کے عہدوں کے لئے الیکشن لڑ کر کامیاب ہو جائیں تو موجودہ بیسویں صدی میں بھی کیا ان کو منصب اعلیٰ سنبھالنے کا حق اسلامی احکام کی رو سے نہیں مل سکتا جبکہ بہت سی مثالیں ایسی آج موجود ہیں مثلاً سیلون میں وزارت عظمیٰ ایک عورت کے پاس ہے۔ یا نیدرلینڈ میں ایک خاتون ہی حکمران اعلیٰ ہے۔ برطانیہ پر ملکہ کی شہنشاہیت ہے؟

(د) سفارتی حد تک جیسے عابدہ سلطانہ دختر نواب آف بھوپال رہ چکی ہیں اور اب بیگم رعنا لیاقت علی خان نیدرلینڈ میں سفیر ہیں یا دیگر جس طرح مسز وجے لکشمی پنڈت برطانیہ میں ہائی کمشنر ہیں اور اقوام متحدہ کی صدر رہ چکی ہیں اور بھی مثالیں جیسے نور جہاں۔ جھانسی کی رانی، رضیہ سلطانہ، حضرت محل زوجہ واجد علی شاہ جو

Marfat.com

کہ Pride of Women کہلاتی ہیں جنہوں نے انگریزوں کے خلاف لکھنو میں جنگ کی کمانڈ کی وغیرہ اس طرح خواتین نے خود کو پورا اہل کر دیا ہے تو اگر آج محترمہ فاطمہ جناح صدارت کا عہدہ سنبھال لیں تو اسلامی اصول پاکستان کے اسلامی نظام میں اس کی اجازت نہ دیں گے ؟

(ج) کیا آج بھی خواتین کو ڈاکٹر۔ وکلا۔ مجسٹریٹ۔ جج۔ فوجی افسر یا پائیلٹ وغیرہ بننے کی مطلق اجازت نہ ہو گی ؟

(د) خواتین کا یہ بھی کارنامہ کہ وہ نرسوں کی حیثیت سے کس طرح مریضوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں قابل ذکر ہے۔ خود اسلام کی پہلی جنگ میں خواتین نے مجاہدین کی مرہم پٹی کی، پانی پلایا اور حوصلے بلند کئے۔ تو کیا آج بھی اسلامی حکومت میں آدھی قوم کو مکانات کی چار دیواری میں مقید رکھا جائے گا؟

○

الہی صاحب

۲۱ خواتین کا مسئلہ تقریباً ہر دور میں نازک رہا ہے اور جذبات کی ماری ہوئی دنیا نے اکثر اس کے ساتھ بے انصافی سے کام لیا ہے۔ ادھر مذہب کی بگڑی ہوئی شکلوں اور اس کے نمائندوں نے بھی اس کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا ہے۔

یہ زمانہ کی ستم ظریفی ہو یا عورت کی فطری کمزوری کا نتیجہ کہ تقریباً ہر دور میں خواتین کی قسمت کا فیصلہ مردوں ہی کے ہاتھ میں رہا ہے اور وہی اپنے خودغرضانہ اور نفس پرستانہ جذبات کے مطابق اس سے متعلق جملہ مسائل طے کرتے رہے ہیں۔ غالباً اسی کا ردعمل ہے کہ اب وہ آزاد ہو کر اپنا اصلی مقام بھی چھوڑنے پر آمادہ ہے اور نظام اخلاق و صنفی حدود و قیود سے آزاد ہو کر نیا مقام تلاش کرنے میں سرگرداں ہے لیکن اس میں بھی اس کے رہنما مرد ہیں اور انہیں کی بے لگام عقل و ہوش کی موشگافیاں اور ہوس پرستیاں ہیں۔

اصلی مقام کی تلاش میں ناکامی کے جو وجوہ و اسباب پہلے تھے وہی اب بھی موجود ہیں ایسی حالت میں کیونکر توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر قیام و بقاء کی جدوجہد میں اصلی کردار نمایاں کر سکے گی۔ بلکہ قوی اندیشہ ہے کہ اگر موجودہ صورت حال کو آزاد چھوڑ دیا گیا تو ترقی معکوس کے ذریعہ چھٹی صدی عیسوی کی مزدک ایرانی تحریک والی راہ نہ اختیار کر لی جائے جس میں زن، زمین اور زر تینوں کو مشترک قرار دیا گیا تھا۔ [1]

ہدایت الٰہی نے "خواتین" کو جو مقام عطا فرمایا ہے اور جو ذمہ داریاں ان کے سپرد کی ہیں اس میں ان کی فطری ساخت کا اعتبار کیا ہے نہ کہ مردوں کے خودغرضانہ جذبات

[1] الملل والنحل جلد اول ص ۶۶

کا یہ فطری نقشہ ہیں جو لکیریں مشترک تھیں ان میں دونوں کا یکساں لحاظ کیا ہے اور جو الگ الگ تھیں ان میں کچھ امتیاز سے کام لیا ہے اس بناء پر کچھ باتیں دونوں میں مشترک قرار پائیں اور کچھ دونوں کے لئے الگ الگ مخصوص ہیں مگر زندگی کی تکمیل کے لئے دونو کی یکساں ضرورت ہے اور دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔

ان دونوں کی انفرادیت و اشتراکیت کو ملحوظ رکھ کر موجودہ حالات و ضروریا کے ماتحت معاشرتی زندگی کا "آمیزہ" تیار کرنے کی ضرورت ہے اسی کے ذریعہ صالح معاشرہ کی تشکیل میں مدد مل سکتی ہے اسلامی تاریخ نے خواتین کی مذہبی علمی سیاسی عملی کارنامے محفوظ کر لئے ہیں موجودہ دور میں ان کو کس طرح عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے اور کس طرح قیام و بقاء کی جد و جہد میں ان کی خدمات سے فائدہ اٹھانیکی راہیں نکل سکتی ہیں؟ ا طرح اخلاق و معاش کا باہمی ربط جس قدر نازک ہے؟ اس کے پیش نظر معاشی میدان ان کے شرکت کی کونسی صورتیں مناسب ہو سکتی ہیں؟

ان سب امور پر غور و خوض کے لئے اہل فکر و نظر کی "مجلس" کی ضرورت ہے ایک شخص کی رائے حجت نہ بن سکیگی۔ موجودہ دور "ردعمل" کا دور ہے لازمی طور گذشتہ تفریط کے مقابلہ افراط ہے۔ اس بناء پر اس دور کی ساری چیزیں نہ حجت بن سکتی ہیں اور نہ ہی وہ "متوازن" قرار پا سکتی ہیں اسی طرح ہر شعبہ زندگی میں کے نظر آنے سے نہ یہ استدلال درست ہو سکتا ہے۔ کہ بہمہ وجوہ وہ مردوں کے مساوی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف علم تشریح فزیالوجی سائکالوجی وغیرہ علوم و تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ فطری طور پر مرد و عورت میں کافی فرق موجود ہے۔ مخلوط تعلیم کے مضرات کا اعتراف اب مسجد و مدرسہ کی چہار دیواری تک محدود نہیں رہ گیا ہے بلکہ ہر سنجیدہ

Marfat.com

ڈھونس قسم کا مفکر معترف اور بیزار ہے۔

مودودی صاحب

اسلامی حکومت دنیا کے کسی معاملے میں بھی اسلامی اصولوں سے ہٹ کر کوئی کام کرنے کی نہ تو مجاز ہے اور نہ وہ اسکا ارادہ ہی کر سکتی ہے اگر فی الواقع اسکو چلانے والے ایسے لوگ ہوں جو اسلام کے اصولوں کو سچے دل سے مانتے ہوں اور اس پر عمل کرتے ہوں عورتوں کے معاملے میں اسلام کا اصول یہ ہے کہ عورت اور مرد عزت و احترام کے لحاظ سے برابر ہیں۔ اخلاقی معیار کے لحاظ سے بھی برابر ہیں لیکن دونوں کا دائرہ عمل ایک نہیں ہے۔ سیاست اور ملکی انتظام اور فوجی خدمات اور اسی طرح کے دوسرے کام مرد کے دائرہ عمل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس دائرے میں عورت کو گھسیٹ لانے کے دو ہی نتیجے ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ ہماری خانگی زندگی بالکل تباہ ہو جائے جس کی بیشتر ذمہ داریاں عورتوں سے تعلق رکھتی ہیں یا پھر عورتوں پر دوہرا بار ڈالا جائیگا کہ وہ اپنے فطری فرائض بھی انجام دیں جن میں مرد قطعاً شریک نہیں ہو سکتا اور پھر مرد کے فرائض کا بھی نصف حصہ اپنے اوپر اٹھائیں عملاً یہ دوسری صورت ممکن نہیں ہے۔ لازماً پہلی صورت ہی رونما ہوگی اور مغربی ممالک کا تجربہ بتاتا ہے کہ وہ رونما ہو چکی ہے۔ آنکھیں بند کر کے دوسروں کی حماقتوں کی نقل اتارنا عقلمندی نہیں ہے۔

اسلام میں اسکے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے کہ وراثت میں عورت کا حصہ مرد کے برابر ہو۔ اس بارے میں قرآن کا صریح حکم مانع ہے نیز یہ انصاف کے بھی خلاف ہے ______ کہ عورت کا حصہ مرد کے برابر ہو کیونکہ اسلامی احکام کی رو سے خاندان کی پرورش کا سارا مالی بار مرد پر ڈالا گیا ہے بیوی کا مہر و نفقہ بھی اس پر واجب ہے اسکے مقابلے میں عورت پر کوئی مالی بار نہیں ڈالا گیا ہے۔ اس صورت میں [illegible] عورت کو مرد کے برابر حصہ کیسے دلایا جا سکتا ہے۔

اسلام اصولاً مخلوط سوسائٹی کا مخالف ہے اور کوئی ایسا نظام جو خاندان کو اہمیت دیتا ہو

Marfat.com

اسکو پسند نہیں کرتا کہ عورتوں اور مردوں کی مخلوط سوسائٹی ہو مغربی ممالک میں اسکے بدترین نتائج ظاہر ہو چکے ہیں۔ اگر ہمارے ملک کے لوگ ان نتائج کو بھگتنے کیلئے تیار ہوں تو شوق سے بھگتتے رہیں۔ لیکن آخر یہ کیا ضروری ہے کہ اسلام میں ان افعال کی گنجائش زبردستی نکالی جائے جن سے وہ شدت کے ساتھ روکتا ہے۔

اسلام میں اگر جنگ کے موقع پر عورتوں سے مرہم پٹی وغیرہ کا کام لیا گیا ہے تو اسکے معنی یہ نہیں ہیں کہ اسی کی مثالیں دیکر عورتوں کو دفتروں اور کارخانوں اور کلبوں اور پارلیمنٹوں میں لا کھڑا کیا جائے مردوں کے دائرہ عمل میں آکر عورتیں کبھی مردوں کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتیں اسلئے کہ وہ ان کاموں کیلئے بنائی ہی نہیں گئی ہیں۔ ان کاموں کیلئے جن اخلاقی اور ذہنی اوصاف کی ضرورت ہے وہ دراصل مردوں میں پیدا کئے گئے ہیں۔ عورت مصنوعی طور پر مرد بن کر کتنا ہی ان اوصاف کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے بھی تو اس کا دوہرا نقصان خود اس کو بھی ہوتا ہے اور معاشرے کو بھی۔ اس کا نقصان یہ ہے کہ وہ نہ پوری عورت رہ سکتی ہے نہ پوری مرد بن سکتی ہے اور اپنے اصل دائرہ عمل میں جس کیلئے وہ فطرتاً پیدا کی گئی ہے ناکام رہ جاتی ہے معاشرہ اور ریاست کا نقصان یہ ہے کہ وہ اہل کارکنوں کے بجائے نااہل کارکنوں سے کام لیتا ہے اور عورت کی آدھی زنانہ اور آدھی مردانہ خصوصیات سیاست اور معیشت کو خراب کرکے رکھ دیتی ہیں۔ اس سلسلے میں گنتی کی چند سابقہ معروف خواتین کے نام گنانے سے کیا فائدہ۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ جہاں لاکھوں کارکنوں کی ضرورت ہو کیا وہاں تمام خواتین موزوں رہ سکیں گی؟! ابھی حال ہی میں مصر کے سرکاری محکموں اور تجارتی اداروں نے یہ شکایت کی ہے کہ وہاں بحیثیت مجموعی ایک لاکھ دس ہزار خواتین جو مختلف مناصب پر کام کر رہی ہیں۔ بالعموم ناموزوں ثابت ہو رہی ہیں اور ان کی کارکردگی مردوں کی نسبت ۵۰ فیصدی سے زیادہ نہیں۔ پھر مصر کے تجارتی اداروں نے یہ عام شکایت

Marfat.com

کی ہے کہ عورتوں کے پاس پہنچ کر کوئی راز، راز نہیں رہتا۔ مغربی ممالک میں جاسوسی کے جتنے واقعات پیش آتے ہیں ان میں بھی عموماً کسی نہ کسی طرح عورت کا دخل ہوتا ہے۔

عورتوں کی تعلیم سے اسلام ہرگز نہیں روکتا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم ان کو دلوانی چاہیئے لیکن چند شرطوں کے ساتھ اول یہ کہ ان کو وہ تعلیم خاص طور پر دی جائے جس سے وہ اپنے دائرہ عمل میں کام کرنے کے لئے ٹھیک ٹھیک تیار ہو سکیں اور ان کی تعلیم بعینہٖ وہ نہ ہو جو مردوں کی ہو۔ دوسرے یہ کہ تعلیم مخلوط نہ ہو اور عورتوں کو زنانہ تعلیم گاہوں میں عورتوں ہی سے تعلیم دلوائی جائے۔ مخلوط تعلیم کے مہلک نتائج مغربی ترقی یافتہ ممالک میں اس حد تک سامنے آ چکے ہیں جو انسانیت کے لئے بدنما داغ ہیں۔ مثلاً صرف امریکہ میں ۱۷ سال تک عمر کی لڑکیاں جو ہائی سکولوں میں پڑھتی ہیں، مخلوط تعلیم کی وجہ سے ہر سال ان میں سے اوسطاً ایک ہزار حاملہ بنتی ہیں۔ گو ابھی یہ شکل ہمارے ہاں پیدا نہیں ہوئی لیکن اس مخلوط تعلیم کے نتائج کچھ ہمارے سامنے بھی آنے شروع ہو گئے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین سے ایسے اداروں میں کام لیا جائے جو صرف عورتوں کے لئے ہی مخصوص ہوں۔ مثلاً زنانہ ہسپتال اور زنانہ تعلیم گاہیں وغیرہ۔

سوال ۱۳

کیا اسلامی حکومت خواتین کی بڑھتی ہوئی آزادی کو سختی سے روکے گی جیسے کہ ان کی زیبائش اور نیم عریاں لباس زیب تن کرنے اور فیشن کا رجحان اور جیسے آج کل نوجوان لڑکیاں نہایت تنگ و دلفریب سینٹ سے معطر لباس اور غازہ و سرخی سے مزین اپنے ہر خدوخال و نشیب و فراز کی نمائش برسرعام کرتی ہیں اور آجکل نوجوان لڑکے بھی ہالی وڈ فلموں سے متاثر ہو کر ٹیڈی بوائے بن رہے ہیں تو کیا حکومت قانون (Legislation) کے ذریعے سے ہر مسلم و غیر مسلم لڑکے و لڑکی کے آزادانہ رجحان کو روکے گی؟ خلاف ورزی پر سزا دیگی؟ والدین و سرپرستوں کو جرمانہ کیا جاسکیگا تو اس طرح کیا انکی شہری آزادی پر ضرب نہ لگے گی؟

(الف) کیا حکومت گرلز گائیڈ، اپوا (APWA) یا دیگر وائی۔ ایم۔ سی۔ اے (Y.M.C.A) اور وائی ڈبلیو۔ سی۔ اے (Y.W.C.A.) جیسے ادارے اسلامی نظام میں گوارا کیے جاسکتے ہیں؟

(ب) کیا خواتین خواہ اسلامی عدلیہ ہی سے سہی خود طلاق لینے کی مجاز ہوسکیں گے اور مردوں پر ایک سے زیادہ شادی کی پابندی آج جائز ہوگی؟

(ج) خواہ اسلامی عدالت کے روبرو ہی ان کو اپنی پسند سے (Civil Marriage) کرنے کا حق حاصل ہوسکتا ہے؟ ——— (د) کیا خواتین کو یوتھ فیسٹیویل کھیلوں نمائش، ڈراموں، ناچ، فلموں یا مقابلہ حسن میں شرکت یا Air Hostess وغیرہ بننے کی آج بھی اسلامی حکومت مخالفت کرے گی؟

(ہ) ساتھ ہی قومی کردار تباہ کرنے والے اور ڈالنے والے مثلاً سینما فلمیں، ٹیلی ویژن، ریڈیو پر فحش گانے عریاں رسائل و لٹریچر موسیقی، ناچ ورنگ کی ثقافتی محفلیں وغیرہ کو بند کردیا جائے گا یا فائدہ اٹھانا ممکن ہوگا؟

امینی صاحب

۱۳۔ ایسی ہر قسم کی آزادی و پابندی ناقابل برداشت ہوگی جسمیں خواتین معاشرہ پر بار نہیں یا بے قابو ہو کر اخلاق و شرافت کے گرانقدر اصول پائمال کریں۔

موجودہ دور کے نئے نئے فیشن حسن اور خدوخال کی نمائش وغیرہ جو جذبات کو برانگیختہ کرنے والے ہیں اور وہ تحریک و تنظیم جو ان چیزوں کو تقویت پہنچانیوالی اور فراغ دینے والی ہو صالح معاشرہ ان کو کیسے برداشت کر سکتا ہے؟ اسلامی حکومت بتدریج مختلف تدبیروں کے ذریعہ اُن کو ختم کریگی اور اس سے اسلامی شہری آزادی میں فرق نہ آئے گا۔

معقول وجوہ کی بنا پر خواتین عدالت سے طلاق حاصل کر سکتی ہیں۔

مودودی صاحب

اسلام معاشرہ کی اصلاح و تربیت کا سارا کام محض قانون کے ڈنڈے سے نہیں لیتا تعلیم نشر و اشاعت اور رائے عام کا دباؤ اسکے ذرائع اصلاح میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ان تمام ذرائع کے استعمال کے بعد اگر کوئی خرابی باقی رہ جائے تو وہ قانونی وسائل اور انتظامی تدابیر استعمال کرنے میں بھی تامل نہ کریگا عورتوں کی عریانی اور بے حیائی فی الواقع ایک بہت بڑی بیماری ہے جسے کوئی صحیح اسلامی حکومت برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ بیماری اگر دوسری تدابیر اصلاح سے درست نہ ہو یا اس کا وجود باقی رہ جائے تو یقیناً اسکو از روئے قانون روکنا پڑیگا۔ اسکا نام اگر شہری آزادی پر ضرب لگنا ہے تو جواریوں کو پکڑنا اور جیب کتروں کو سزائیں دینا بھی شہری آزادی پر ضرب لگانیکے مترادف ہے۔ اجتماعی زندگی لازماً افراد پر کچھ پابندیاں عائد کرتی ہے۔ افراد کو اس لیئے آزاد نہیں چھوڑا جا سکتا کہ وہ اپنے ذاتی رجحانات اور دوسروں سے سیکھی ہوئی برائیوں سے اپنے معاشرہ کو برباد کریں۔

Marfat.com

گرلز گائیڈ (Girl Guides) کے لئے اسلام میں کوئی جگہ نہیں۔ اپوا APWA قائم رہ سکتی ہے بشرطیکہ وہ اپنے دائرہ عمل میں رہ کر کام کرے اور قرآن کا نام لے کر قرآن کے خلاف طریقے استعمال کرنا چھوڑ دے۔ YWCA عیسائی عورتوں کیلئے رہ سکتی ہے مگر کسی مسلمان عورت کو اسمیں گھسنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ مسلمان عورتیں چاہیں تو (YWMA) بنا سکتی ہیں بشرطیکہ وہ اسلامی حدود میں رہیں۔

مسلمان عورت اسلامی عدلیہ کے ذریعہ سے خلع حاصل کر سکتی ہے۔ فسخ نکاح (Nullification) اور تفریق (Judicial Separation) کی ڈگری بھی عدالت سے حاصل کر سکتی ہے بشرطیکہ وہ شریعت کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق ان میں سے کوئی ڈگری حاصل کرنیکی مجاز ہو۔ لیکن طلاق (Divorce) کے اختیارات قرآن نے صریح الفاظ میں صرف مرد کو دیئے ہیں اور کوئی قانون مردوں کو اس اختیار سے محروم نہیں کر سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ قرآن کے خلاف قوانین بنائے جانے لگیں۔ پوری اسلامی تاریخ عہد رسالت سے لیکر اس صدی تک اس تصور سے ناآشنا ہے کہ طلاق دینے کا اختیار مرد سے سلب کر لیا جائے اور کوئی عدالت یا پنچائیت اس میں دخل دے۔ یہ تخیل سیدھا یورپ سے چل کر ہمارے ہاں درآمد ہوا ہے اور اس کے درآمد کرنیوالوں نے کبھی آنکھیں کھول کر یہ نہیں دیکھا ہے کہ یورپ میں اس قانون طلاق کا پس منظر (Back ground) کیا ہے اور وہاں اس کے کتنے برے نتائج رونما ہوئے ہیں ہمارے ہاں جب گھروں کے سکینڈل نکال کر بازاروں میں پہنچیں گے تو لوگوں کو پتہ چلے گا۔ کہ خدا کے قوانین کی نافرمانی کے کیا نتائج ہوتے ہیں۔

مردوں پر ایک سے زیادہ شادی کے معاملہ میں از روئے قانون پابندی عائد کرنیکا یا اس میں رکاوٹ ڈالنے کا تخیل بھی ایک بیرونی مال ہے جسے قرآن کے جعلی پرمٹ پر درآمد کیا گیا ہے۔ یہ اس سوسائٹی میں سے آیا ہے جس میں ایک ہی عورت اگر منکوحہ بیوی کیساتھ داشتہ کے طور پر رکھی جائے

تو نہ صرف یہ کہ وہ قابل برداشت ہے بلکہ اسکے حرامی بچوں کے حقوق محفوظ کرنیکی بھی فکر کی جاتی ہے (فرانس کی مثال ہمارے سامنے ہے) لیکن اگر اسی عورت سے نکاح کرلیا جائے تو یہ جرم ہے۔ گویا ساری پابندیاں حلال کیلئے ہیں حرام کیلئے نہیں ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کی ایجد سے بھی واقف ہو تو کیا وہ یہ اقدار (Values) اختیار کرسکتا ہے؟ کیا اس کے نزدیک زنا قانوناً جائز اور نکاح قانوناً حرام ہونے کا عجیب و غریب فلسفہ برحق ہوسکتا ہے؟ اس طرح کے قوانین بنانے کا حاصل اسکے سوا کچھ نہ ہوگا کہ مسلمانوں میں زنا کا رواج بڑھے گا۔ گرلز فرینڈز اور داشتائیں (Mistresses) فروغ پائیں گی اور دوسری بیوی ناپید ہوجائیگی۔ یہ ایک ایسی سوسائٹی ہوگی جو اپنے خدوخال میں اسلام کی اصل سوسائٹی سے بہت دور اور مغربی سوسائٹی سے بہت قریب ہوگی۔ اس صورت حال کے تصور سے جس کا جی چاہے مطمئن ہو۔ مسلمان کبھی مطمئن نہیں ہوسکتا۔

سوال میرج کا سوال ظاہر ہے کہ مسلمان عورت کیساتھ تو پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سوال اگر پیدا ہوتا ہے یا تو مشرک عورت سے شادی کرنیکے معاملہ میں یا کسی ایسی عیسائی یا یہودی عورت سے شادی کے معاملہ میں جو اسلامی قانون کے تحت کسی مسلمان سے نکاح کرنے کیلئے تیار نہ ہو اور مسلمان مرد اسکے عشق میں مبتلا ہو کر اس اقرار کے ساتھ شادی کرے کہ وہ کسی مذہب کا پابند نہ ہوگا۔ یہ کام اگر کسی کو کرنا ہی ہو تو اسے اسلام سے فتویٰ لینے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اسلام کیوں اپنے ایک پیرو کو اس کی اجازت دے؟ اور ایک اسلامی عدالت کا کام کب ہے کہ مسلمانوں کی اس طریقہ پر شادیاں کروائے؟

اگر ایک اسلامی حکومت بھی یوتھ فیسٹیول (Youth Festival) اور کھیلوں کی نمائشوں اور ڈراموں اور رقص و سرود اور مقابلہ حسن میں مسلمان عورتوں کو لائے یا ایر ہوسٹس Air Hostess بنا کر مسافروں کے دل موہنے کی کوشش کرے تو

Marfat.com

ہمیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اسلامی حکومت کی ضرورت کیا ہے؟ یہ سارے کام کفر اور کفار کی حکومت میں بآسانی ہو سکتے ہیں بلکہ زیادہ آزادی کے ساتھ ہوتے ہیں۔

سینما، فلم، ٹیلی ویژن اور ریڈیو وغیرہ تو خدا کی پیدا کردہ طاقتیں ہیں جن میں بجائے خود خرابی نہیں خرابی اُنکے اُس استعمال میں ہے جو انسانی اخلاق کو تباہ کرنے والا ہے۔ اسلامی حکومت کا کام ہی یہ ہے کہ وہ ان ذرائع کو انسانیت کی فلاح کے لئے استعمال کرے اور اخلاقی فساد کیلئے استعمال ہونے کا دروازہ بند کر دے۔

٭

سوال ۱۴

دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے آج اسلام کیا حل پیش کرتا ہے؟

(۱) برتھ کنٹرول (پیدائش روکنے) کے لئے دواؤں کا استعمال، فیملی پلاننگ وغیرہ کو کیا آج بھی غیر شرعی قرار دے کر ممنوع قرار دیا جائے گا؟

٭

اینی صاحب

۱۴۔ "ضبط تولید" کا مسئلہ بھی اہم ہے لیکن یہ غور و فکر کا مستحق اسوقت ہوگا جبکہ ذرائع پیداوار کی تنظیم اور پیداوار کی تقسیم کا صحیح بندوبست ہو۔ جن ممالک نے تنظیم و تقسیم پر قابو پالیا ہے ان کے یہاں یہ سوال اس نوعیت سے نہیں پیدا ہوا ہے۔

دراصل عیش پرستارانہ ذہنیت نے اس مسئلہ کو اٹھایا ہے اور حکومت کی نااہلی اسکی پشت پناہی کر رہی ہے ایسی حالت میں یکطرفہ نظر سے اس پر غور کرنا کیسے صحیح نتائج کا حامل بن سکتا ہے؟ نقالی اور بات ہے ورنہ ہمہ جہتی نگاہ کے بغیر اس راہ میں قدم اٹھانا مزید خطرات کا باعث بھی بن سکتا ہے۔

مودودی صاحب

دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے اسلام صرف ایک ہی حل پیش کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا نے اپنے رزق کے جو ذرائع پیدا کئے ہیں ان کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے اور استعمال کرنے کی کوشش کی جائے اور جو ذرائع اب تک مخفی ہیں ان کو دریافت کرنے کی پیہم سعی کی جاتی رہے۔ آبادی روکنے کی ہر کوشش خواہ وہ قتل اولاد ہو یا اسقاط حمل یا منع حمل، غلط ہے اور بے حد تباہ کن۔ ضبط ولادت کی تحریک کے چار نتائج ایسے ہیں جن کو رونما ہونے سے کسی طرح نہیں روکا جا سکتا (۱) زنا کی کثرت (۲) انسان کے اندر خود غرضی اور اپنا معیار زندگی بڑھانے کی خواہش کا اس حد تک ترقی کر جانا کہ اسے اپنے بوڑھے ماں باپ اور اپنے یتیم بھائیوں اور اپنے دوسرے محتاج امداد رشتہ داروں کا وجود بھی ناگوار گزرنے لگے۔ کیونکہ جو آدمی اپنی روٹی میں خود اپنی اولاد کو شریک کرنے کے لئے تیار نہ ہو وہ دوسروں کو بھلا کیسے شریک کر سکے گا۔ (۳) آبادی کے اضافے کا کم سے کم مطلوبہ معیار بھی جو ایک قوم کو زندہ رکھنے کے لئے ناگزیر ہے برقرار نہ رہتا۔ اس لئے کہ جب یہ فیصلہ کرنے والے افراد ہوں گے کہ وہ کتنے بچے پیدا کریں اور کتنے نہ کریں اور اس فیصلہ کا مدار اس بات پر ہوگا کہ وہ اپنے معیار زندگی کو نئے بچوں کی آمد کی وجہ سے گرنے نہ دیں تو بالآخر وہ اتنے بچے بھی پیدا کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے جتنے ایک قوم کو اپنی قومی آبادی برقرار رکھنے کے لئے درکار ہوتی ہے۔ اس علاج کے حالات میں کبھی کبھی نوبت یہ بھی آجاتی ہے کہ شرح پیدائش شرح اموات سے کمتر ہو جاتی ہے چنانچہ یہ نتیجہ فرانس دیکھ چکا ہے حتیٰ کہ اس کو "بچے زیادہ پیدا کرو" کی تحریک چلانی پڑی اور انعامات کے ذریعہ سے اس کی ہمت افزائی کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ (۴) قومی

Marfat.com

دفاع کا کمزور ہو جانا۔ یہ نتیجہ خصوصی طور پر کسی ایسی قوم کے لئے بے حد خطرناک ہے جو اپنے سے تیرہ گنی زیادہ دشمن آبادی میں گھرا ہوا ہو۔ پاکستان کے تعلقات ہندوستان و افغانستان کے ساتھ جیسے کچھ ہیں سب کو معلوم ہے۔ اور امریکہ کی دوستی نے کمیونسٹ ممالک سے بھی اسکے تعلقات خراب کر دیئے ہیں بحیثیت مجموعی ہندوستان، چین، روس اور افغانستان کی آبادی ہم سے تیرہ گنی ہے ان حالات میں لڑنے کے قابل افراد کی تعداد گھٹانا جیسی کچھ عقلمندی ہے اسے ایک صاحب عقل آدمی خود سوچ سکتا ہے۔

٭

سوال ۱۵

کیا ایک مسلمان زندگی میں اپنی آنکھیں عطیہ کر سکتا ہے کہ اس کی موت کے بعد کسی اندھے یا مریض کے استعمال ہو سکیں؟

(ا) اس طرح بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے انسانی اعضاء کی قربانی روزِ قیامت سزا کی مستحق تو نہ ہوگی؟

(ب) موت کے بعد ایک مسلمان کی لاش کا پوسٹ مارٹم یا ریسرچ کے لئے چیر پھاڑ مذہبی نقطۂ نگاہ سے کیا اہمیت رکھتی ہے؟

٭

مؤلف

مودودی صاحب

آنکھوں کے عطیہ کا معاملہ صرف آنکھوں تک ہی نہیں رہتا۔ بہت سے دوسرے اعضاء بھی مریضوں کے کام آسکتے اور ان کے دوسرے مفید استعمال بھی کر سکتے ہیں۔ یہ دروازہ اگر کھولا جائے تو مسلمانوں کا قبروں میں دفن ہونا مشکل ہو جائے گا۔ اس کا سارا جسم ہی چندے میں تقسیم ہونا شروع ہو جائے گا۔ اسلامی نظریہ یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے جسم کا مالک نہیں ہے۔ اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ مرنے سے قبل اپنے جسم کو تقسیم کرنے یا چندہ دینے کی وصیت کرے۔ جسم اس وقت تک اس کے تصرف میں جب تک وہ جسم میں خود رہتا ہے۔ اس کے نکل جانے کے بعد اس جسم پر اس کا کوئی حق نہیں ہے کہ اس کے معاملے میں اس کی وصیت نافذ ہو۔ اسلامی احکام کی رو سے اس کا جسم احترام کے ساتھ دفن کر دینا چاہیئے۔

اسلام نے انسانی لاش کی حرمت کا جو حکم دیا ہے وہ دراصل انسانی جان کی حرمت کا ایک لازمہ ہے۔ ایک دفعہ اگر انسانی لاش کا احترام ختم ہو جائے تو بات صرف اس حد تک محدود نہ رہے گی۔ کہ مردہ انسان کے بعض کارآمد اجزاء زندہ انسانوں کے علاج میں استعمال کیے جانے لگیں گے، بلکہ رفتہ رفتہ انسانی جسم کی چربی سے بھی صابن بھی بننے لگیں گے۔ (جیسے کہ فی الواقع جنگ عظیم نمبر ۲ کے زمانے میں جرمنوں نے بنائے تھے) انسانی کھال بھی اتار کر اس کو دباغت دینے کی کوشش کی جائے گی تاکہ اس کے جوتے یا سوٹ کیس یا منی پرس بنائے جا سکیں (چنانچہ یہ تجربہ بھی چند سال قبل مدراس کی ایک ٹینری کر چکی ہے) انسان کی ہڈیوں اور آنتوں اور دوسری چیزوں کو استعمال کرنے کی بھی فکر کی جائے گی، حتیٰ کہ اس کے بعد ایک مرتبہ انسان پھر اس دور وحشت کی طرف پلٹ جائے گا۔ جب آدمی آدمی کا گوشت کھاتا تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ اگر ایک دفعہ مردہ انسان کے

Marfat.com

اعضاء نکال کر علاج میں استعمال کرنا جائز قرار دے دیا جائے تو پھر کس جگہ حد بندی کر کے آپ اسی جسم کے دوسرے "مفید" استعمالات کو روک سکیں گے اور کس منطق سے اس بندش کو معقول ثابت کریں گے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

ہمارے ذمہ تو صرف پہنچانا ہے!!

قائدِ اعظم محمد علی جناح خالقِ پاکستان

"اسلامی اصول بے مثال ہیں یہ اصول آج بھی زندگی میں اس طرح قابلِ عمل ہیں جس طرح تیرہ سو برس قبل تھے"۔

"اسلام صرف رسوم و روایات اور روحانی تعلیمات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ مسلمان کیلئے ایک ایسا ضابطہ ہے جو اسکی زندگی اور اسکے کردار کو منضبط کرتا ہے اور یہ سیاسیات معاشیات و دیگر متماثل شعبہ ہائے حیات تک محیط ہے"۔

جنوری ۱۹۴۶ء

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صدر پاکستان

"یہ ایسے اصول ہیں (اتحاد تنظیم خدا ترسی شرافت خوش اخلاقی) جو ہر زمانے اور ہر زمین پر ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ اسلام کے اپنے اصول ہیں۔ اگر ہم خلوص و دیانتداری سے ان اصولوں کے پابند ہو جائیں تو پاکستان ہی نہیں بلکہ عالم اسلام یا شاید ساری دنیا کیلئے امن و سلامتی کا نمونہ بن سکتا ہے"۔

ختم شد

Marfat.com